تفسیر القرآن کے ۱۴ سو سالہ دور کا تحقیقی جائزہ

علم تفسیر اور مفسرینؒ

مُصنّفہ

اُستاذ العلماء رئیس المتکلمین شیخ القرآن والحدیث

علّامہ حافظ مُشتاق احمد چشتی

سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم مُلتان

ناشر

مکتبہ مہریہ کاظمیہ

نزد جامعہ انوار العلوم نیو مُلتان۔

061-4560699, 0304-6123162

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عِلمِ تفسیر اور مُفسّرین

(تفسیر القرآن کے ۱۴ سو سالہ دور کا تحقیقی جائزہ)

مصنّف

استاذ العلماء رئیس المتکلمین شیخ القرآن حضرت علّامہ مولانا

حافظ مُشتاق احمد چشتی

شیخ الحدیث مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم ملتان

ناشر: مدرسہ انوار العلوم ⊙ ملتان

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب ——— علم تفسیر اور مفسّرین

مصنّف ——— شیخ الحدیث حضرت علّامہ مولانا مشتاق احمد چشتی دامت برکاتہم

تصحیح ——— حافظ محمّد عبدالرزاق نقشبندی

کتابت ——— رحمت علی خوشنویس

طباعت ——— بار اوّل۔ جُون ۱۹۹۳ء

تعداد ——— ایک ہزار

قیمت ———

ناشر ——— مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم۔ ملتان

تقسیم کار ———

Marfat.com

انتساب بحضور

سیّدی و مرشدی امام العارفین قدوۃ المحقّقین

حجۃ الاسلام **پیر مہر علی شاہ صاحب** گولڑوی

قدس سرہٗ العزیز

ع : گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

کمترین نیاز مند، **مشتاق احمد چشتی**

Marfat.com

81093

عرض ناشر

مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم ملتان کی طرف سے استاذ العلماء، رئیس المتکلمین۔ شیخ التفسیر والحدیث حضرت علامہ مولانا حافظ مشتاق احمد چشتی گولڑوی کی تصنیف "علم تفسیر اور مفسرین" شائع کی جا رہی ہے۔ آج سے پہلے تصنیف و تالیف کا یہ شعبہ بزم سعید مدرسہ اسلامیہ انوار العلوم کے ذمہ تھا۔ اور بزم نے حضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے مقالات کے علاوہ دیگر کئی تصانیف بھی شائع کی ہیں۔ بزم سعید اپنی بساط کے مطابق ہمیشہ یہ کام جاری رکھے گی۔ لیکن اس پھیلتے ہوئے کام کو مدرسہ انوار العلوم نے اپنی تحویل میں لے لیا اور اس کی پہلی کڑی آپ کے پیش خدمت ہے۔

اس کی طباعت میں حتی الوسع احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ اب بھی اگر کہیں غلطی رہ گئی ہو تو اس سے آگاہ فرمائیں۔ تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح کی جا سکے۔

حافظ محمد عبد الرزاق نقشبندی

ناظم نشر و اشاعت مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم ملتان

Marfat.com

تقریظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہ ! مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم کے شیخ الحدیث و نائب مہتمم حضرت علامہ مولانا مشتاق احمد چشتی ادام اللہ برکاتہم نے علمی دُنیا میں ایک اور کتاب کا اضافہ فرمایا۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد ہی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت نے کس عرق ریزی سے اسے مرتب فرمایا ہے۔ اس کتاب میں مفسّرین کی تقریباً سو تفاسیر کا ذکر ہوا اور اَجلّہ مُفسّرین کے حالاتِ زندگی بھی ذکر فرمائے گئے۔

یہ کتاب اپنے فن میں نُمایاں حیثیّت اس لئے بھی رکھتی ہے کہ اِس میں دورِ حاضر کے مفسّرین کی تفسیروں کا جائزہ لیا گیا ہے اور ان میں سے جو حضرات علم و فضل کے اُس منصب پر فائز تھے جن کا خصُوصیّت کے ساتھ تذکرہ کرنا ضروری تھا۔ اُس سے جی نہ چُرایا گیا۔

قرآن مجید میں بے شمار علوم ہیں اس لئے کئی حضرات نے اس کے مختلف علُوم پر کتابیں لکھیں اور اس کے پنہاں اسرار و رمُوز سے اپنی علمی بساط کے مطابق پردے اُٹھانے میں کوشاں رہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ قرآن مجید کی عظمت کا اندازہ اِس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ عربی کی عبارت

Marfat.com

اپنے قواعدِ کلیہ سے ہٹ جائے تو تمام عرب پکار اٹھیں کہ یہ عبارت غلط ہے لیکن جب ان کا خلاف قرآن مجید میں آیا تو ہر شخص نے اپنی بے مائیگی کا اعتراف کرتے ہوئے قرآنِ مجید کی عبارت کو درست تسلیم کیا۔ اُن کا ایسا کرنا فقط بر بنائے ایمان نہیں تھا بلکہ یہ حقیقت ہے کیونکہ یہ عربی کی غلطی ہوتی تب تمام عرب کہہ اُٹھتے کہ جس کے بے مثیل ہونے کا تم نے دعویٰ کیا اس میں عربی زبان کی یہ یہ خرابیاں ہیں لیکن وہ ایسا نہیں کہہ سکے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ لوگ یہ بات جانتے تھے کہ قرآن مجید عربی ادب و بیان کا بھی شاہکار ہے۔

مثلاً۔ عربی زبان کا اُصول ہے کہ ضمیر (ہٗ) سے پہلے زیر یا (یؔ)[1] آجائے تو اس ضمیر کے نیچے ہمیشہ زیر پڑھی جائے گی۔ مثلاً بِہٖ اور اِلَیْہِ اور یہی اُسلوب پُورے قرآن مجید میں رہا لیکن دو مقام پر اس کے خلاف آیا۔

۱۔ وَمَآ اَنْسٰنِیْہُ ۲۔ عَلَیْہُ اللّٰہ

حالانکہ قانون وَمَآ اَنْسٰنِیْہِ اور عَلَیْہِ اللّٰہ کا تقاضا کرتا ہے۔ اس مقام پر حضرت امام اہلسنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ وَمَآ اَنْسٰنِیْہُ کا ذکر قرآن مجید کے اس واقعہ میں ہے جو خلافِ قانون اور خلافِ عادت ہے۔ تو یہاں پر بھی ضمیر (ہٖ) کی بجائے خلافِ عادت اور خلافِ قاعدہ (ہٗ) کو ذکر کیا گویا اس سے واقعہ کے عجیب ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ (اور یہاں یہی اصل قرار پایا)۔

واقعہ اس طرح ہے جب مُوسیٰ علیہ السّلام حضرت یوشع بن نُون کے ساتھ پتھر کی چٹان پر پہنچے جہاں چشمۂ حیات تھا تو ان کی زنبیل میں بھُونی ہُوئی مچھلی زندہ ہوکر دریا میں گری پھر اس نے وہاں سُرنگ بناتے ہوئے راہ لی۔ دریا کا بہاؤ اس کے رُک گیا۔ یہ واقعہ حضرت یوشع حضرت مُوسیٰ علیہ السّلام سے عرض کرنا بھُول گئے اور سفر آگے جاری رکھا۔ جب اُنھیں یہ یاد آیا تو فرمایا۔ وَمَآ اَنْسٰنِیْہُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ

---

[1] یائے ساکنہ

Marfat.com

کہ مجھے یہ شیطان ہی نے بھلایا ہے۔

عَلَیۡہُ اللّٰہ۔ اس آیت کریمہ میں وعدے کا ذکر ہے اور خصوصاً اس جملہ میں وعدہ وفائی کا بیان ہے اور وعدے کی اصل یہی ہے کہ اسے پورا کیا جائے تو عَلَیۡہُ اللّٰہ میں بھی ضمیر کو اس کی اصل پر برقرار رکھا گیا یعنی عارضہ کی بنا پر زیر نہیں دی گئی گویا اس سے وعدہ وفائی کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

"علم تفسیر اور مفسرین" کو پڑھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مصنف صاحبِ ذوق، اہلِ دل اور صاحب نسبت ہیں۔ اس سے پہلے بھی حضرت قبلہ شیخ الحدیث دامت برکاتہم العالیہ نے ایک کتاب "مقام سنت" تحریر فرمائی جس میں معاندینِ سُنّت کا قلع قمع فرمایا اور براہینِ قاطعہ وساطعہ سے مقامِ سُنّت کو واضح فرمایا۔ حضرت کا حافظہ نہایت حیرت انگیز ہے۔ جس کا اندازہ دورانِ تدریس بطریق احسن کیا جاسکتا ہے۔

آپ بھکر کے مشہور بزرگ فقیر حضرت شمس العارفین محمد عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان سے ہیں۔ آپ نے مدرسہ محمودیہ پپلاں۔ جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف اور مدرسہ عربیہ انوار العلوم میں علم حاصل فرمایا۔ جامعہ اسلامیہ بہاول پور میں تخصص فی التفسیر والحدیث اُس وقت کیا جب حضرت امام اہلسنّت رحمۃ اللہ علیہ وہاں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے۔

فقیر کی آخر میں دُعا ہے کہ جن حضرات نے قرآن مجید کے نور سے اپنے سینوں کو منور کیا اور آیت کریمہ افمن شرح اللّٰہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ کے مصداق بنے اللہ تعالیٰ ان کے وسیلہ سے اس کتاب کو نافع خلائق بنائے اور ہمارے سینوں کو اسلام کے لیے کھول دے۔ آمین۔ بجاہ سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فقیر سید ارشد سعید کاظمی

استاذ شعبۂ حدیث مدرسہ انوار العلوم ملتان

Marfat.com

فہرست مضامین

فنِ تفسیر کا اجمالی تعارف ۔ ۱۷

فنِ تفسیر کے بنیادی مباحث ۲۸

تفسیر کی لغوی تحقیق ۲۸

تفسیر کا اصطلاحی مفہوم ۲۹

علمِ تفسیر کا موضوع ۳۰

غرض وغایت ۳۱

علمِ تفسیر کی اہمیّت ۳۱

صحابہ کرام اور تفسیرِ قرآنی میں ان کی احتیاط ۳۵

شرائطِ مفسّر پر مختصر تبصرہ ۳۵

ایک شبہ کا ازالہ ۴۰

تاویل کا مفہوم اور تفسیر سے اِس کی نسبت ۴۲

تفسیر بالرائے ۴۸

Marfat.com

محاکمہ ۵۱
علومِ قرآن حکیم ۵۲
صحیح اسلوبِ تفسیر ۵۵

باب اوّل

تفسیر بالماثور ۵۹
تفسیر ماثور عہدِ رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم میں ۵۹
تفسیر رسُول مقبُول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی چند مثالیں ۶۱
تفسیر رسُول مقبول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خصوصیات ۶۴
تفسیر رسُول کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کتابی شکل میں؟ ۶۵
ایک شُبہ کا ازالہ ۶۶
تفسیر ماثورہ کا دُوسرا مرحلہ ۶۹
صحابہ کرام اور تابعینِ عظام کا دَور ۶۹
تفسیر صحابہ کرام کی اہمیت ۷۱
صحابہ کرام کا ذوقِ تفسیر ۷۲
صحابہ کرام کا اندازِ تفسیر ۷۳
مفسّرینِ صحابہ کرام ۷۷
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تفسیر کتابی شکل میں؟ ۸۱
حضرت عبداللہ بن مسعود بحیثیت مفسّرِ قرآن ۸۴
حضرت عبداللہ بن عباس بحیثیت مفسّرِ قرآن ۸۵
گولڈ زیہر کا ایک شبہ اور اُس کا ازالہ ۸۸

Marfat.com

حضرت ابن عباس کی تفسیری خصوصیات ٩٠
حضرت ابن عباس سے تفسیری اسناد ٩١
تفسیر قرآنی کا قدیم ترین نسخہ ٩٢
تابعین کرام اور علم تفسیر ٩٧
تفسیر تابعین کی حیثیت ٩٩
تابعین کے طبقات ثلاثہ ١٠١
مفسّرین مکہ ١٠١
مفسّرین کوفہ ١٠١
مفسّرین مدینہ ١٠٢
(تابعین میں سے) چند مشہور مفسّرین کرام ١٠٢
مجاہد بن جبر مکّی ١٠٢
عکرمہ مولیٰ ابن عباس ١٠٢
ابو العالیہ ١٠٣
سعید بن جبیر ١٠٣
قتادہ بن دعامہ ١٠٤
زید بن اسلم مدنی ١٠٤
تفسیر ماثورہ میں اسرائیلیات کا اختلاط اور اس کا سدّباب ١٠٥
تفسیر ماثورہ کی باقاعدہ تدوین ١٠٧
تفسیر ماثورہ کا عظیم شاہکار ١١٢
تفسیر ابن جریر غیروں کی نظر میں ١١٣
مفسّر ابن جریر ١١٥

Marfat.com

رفع اشتباہ ۱۱۶
تفسیر ابنِ جریر کی طباعت واشاعت ۱۱۸
اسلوب تالیف ۱۱۸
خصوصیات تفسیر ابنِ جریر ۱۱۹
رفعِ اشکال ۱۲۵
ایک شبہ کا ازالہ ۱۳۱
ابن جریر اور لغوی تحقیق ۱۳۲
تفسیر کا تاریخی اور اجتہادی پہلو ۱۳۳
تفسیر کا کلامی پہلو ۱۳۴
تفسیر ماثورہ کے چند دوسرے مجموعے ۱۳۵
تفسیر بقی بن مخلد ۱۳۵
تفسیر ابن ابی داوٗد ۱۳۶
تفسیر ابن ابی حاتم ۱۳۶
تفسیر ابو اللیث سمرقندی ۱۳۶
تفسیر ابو اسحاق ثعالبی ۱۳۶
تائید وتنقید ۱۳۸
تفسیر واحدی ۱۳۹
تفسیر معالم التنزیل ۱۴۰
تفسیری خصوصیات ۱۴۱
تفسیر ابن کثیر ۱۴۱
خصوصیات ۱۴۱

Marfat.com

تفسیر دُرِ منثور ۱۴۲
تفسیر فتح القدیر ۱۴۵

باب دوم

تفسیر عقلی و استدلالی ۱۴۷
تحریک معتزلہ کا آغاز اور اس کی شاخیں ۱۵۰
معتزلہ کے بنیادی اصول ۱۵۲
معتزلہ کا مدارِ استدلال ۱۵۵
معتزلہ کا شدید رد کیوں؟ ۱۵۶
معتزلہ کے کچھ مفید کام ۱۵۷
معتزلہ اور علم تفسیر ۱۵۸
علامہ جار اللہ زمخشری اور تفسیر کشاف ۱۶۶
زمخشری کی تصانیف ۱۶۷
وجہ تالیفِ تفسیر و تاریخ تفسیر ۱۶۸
کشاف کے مآخذ و مراجع ۱۶۹
زمخشری کا اندازِ تفسیر اور کشاف کی تفسیری خصوصیات ۱۷۱
کشاف سے علماء کا اعتناء ۱۸۴
علماء متکلمین اور علم تفسیر ۱۸۶
ابوالحسن اشعری کا مختصر تعارف ۱۸۸
امام ابومنصور ماتریدی اور ان کی تفسیر ۱۹۰
امام غزالی کی شخصیت اور ان کا اندازِ تفسیر ۱۹۱

Marfat.com

امام فخر الدین رازی اور علمِ تفسیر	۱۹۴
امام رازی کی تصانیف	۱۹۶
تفسیر کبیر	۱۹۸
سببِ تالیف	۱۹۹
تفسیر کا عمومی انداز	۲۰۰
تفسیر کبیر کے ماخذ	۲۰۲
امام رازی کی عقلیّت پسندی	۲۰۶
امام رازی پر تنقیدات اور ان کے جوابات	۲۰۹
غیر مسلم مستشرق کی رائے	۲۱۲
امام رازی کی وسعت نظری اور عالی ظرفی	۲۱۲
فخر الدین رازی ایک جامع علمی شخصیت	۲۱۳
فن تفسیر اور علمائے متاخرین	۲۱۴
تفسیر قرطبی	۲۱۶
تفسیر بیضاوی	۲۱۸
بیضاوی کے ماخذ و مراجع	۲۱۹
تفسیر بیضاوی پر علمی کام	۲۲۰
تفسیر مدارک	۲۲۱
تفسیر طیبی	۲۲۵
تفسیر نیشاپوری	۲۲۶
تفسیر بالاشارہ کے بارے میں مصنّف کی تحقیق	۲۲۸

Marfat.com

تفسیر تبصیر الرحمٰن وتیسیر المنان ۲۲۸
تفسیر السراج المنیر ۲۳۰
تفسیر ابو السعود ۲۳۱
تفسیر عزیزی ۲۳۲
تفسیر روح المعانی ۲۳۸
خصوصیات تفسیر ۲۳۹

باب سوم

صوفیائے کرام اور ان کا ذوقِ تفسیر ۲۴۹
تصوّف کا پہلا دَور ۲۵۰
تصوّف کا دُوسرا دَور ۲۵۱
تصوّف کا تیسرا دَور ۲۵۱
تصوّف کا چوتھا دَور ۲۵۲
صوفیائے کرام اور اسرارِ قرآن حکیم ۲۵۳
مفسّرین صوفیائے کرام ۲۵۸
شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ ۲۵۹
شیخ روز بہان بقلیؒ ۲۶۰
شیخ اکبر محیّ الدین ابن عربیؒ ۲۶۱
شیخ اکبر کی تصانیف ۲۶۵
شیخ اکبر پر علمائے ظاہر کی تنقیدات کا جائزہ ۲۷۱
اکابر علماء و عرفاء کا خراج عقیدت ۲۷۴

Marfat.com

شیخ صدر الدین قونویؒ ۲۶۸

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ اور ان کا فہم قرآن ۲۶۸

مولانا عبد الرزاق کاشانی ۲۸۳

مولانا اسمٰعیل حقی اور تفسیر روح البیان ۲۸۳

باب چہارم

علم تفسیر اور عصر حاضر ۲۸۰

دورِ حاضر میں تفسیر کے انداز ۲۸۸

علماء مصر کا علمی کام ۲۹۰

علامہ طنطاوی اور ان کی تفسیر ۲۹۰

قطب شہید اور اس کی تفسیر ۹۹۳

تفسیر المنار اور اس کا مؤلف ۲۹۴

تفسیر منار کی خصوصیات ۲۹۶

برصغیر پاک و ہند میں علم کا ارتقاء ۲۹۸

علماء کے انداز تفسیر میں تبدیلی ۳۰۰

سرسید احمد خاں اور ان کی تفسیر ۳۰۱

مولانا ابوالکلام آزاد اور ان کی تفسیر ۳۰۶

مولانا مودودی اور ان کی تفسیر ۳۱۰

تفسیر ضیاء القرآن ۳۲۱

علمائے دیوبند اور ان کی تفاسیر ۳۲۵

علمائے اہل سنت بریلوی اور ان کی تفاسیر ۲۲۶

Marfat.com

کنزالایمان کی خصوصیات ۳۲۷
خزائن العرفان ۳۳۲
اشرف التفاسیر المعروف تفسیر نعیمی ۳۳۳
البیان والتبیان علامہ کاظمی صاحب علیہ الرحمۃ ۳۳۵
حرفِ آخر ۳۴۲

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مقدمہ

فنِ تفسیر کا اجمالی تعارف

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ تفسیر سے مقصود قرآن مجید کا سمجھنا ہے۔ زمانۂ نزول سے لیکر آج تک قرآن مجید کو سمجھنے کے مختلف انداز رہے ہیں۔

قرآن مجید کا نزول عربی لغت میں اہلِ عرب کے اسلوب بلاغت کے اعلیٰ معیار پر ہوا تھا۔ اِس لیے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم عام طور پر اپنے صحیح ذوق اور خداداد ملکۂ عربیت کی مدد سے قرآن مجید کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ جہاں کہیں انھیں اُلجھن محسوس ہوتی تو بارگاہِ رسالت مآب علیہ افضل الصّلوٰۃ والتسلیمات میں عرض کرتے اور جواب شافی پاکر مطمئن ہوتے۔ رسُول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم بڑے سادہ اور دل نشین پیرائے میں قرآنی مطالب بیان فرماتے تھے۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کبھی پیچیدہ اور اصطلاحی انداز تفسیر اختیار نہیں فرمایا۔ حضور رسُولِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم قرآنی مطالب کی تشریح کے لیے گاہے گاہے عام فہم مثالیں بھی ذکر فرما دیتے تھے تاکہ مخاطبین ان کی مدد سے آیاتِ قرآنیہ کا مفہوم زیادہ واضح طور پر سمجھ لیں۔

حضور رسُولِ اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے دُنیا سے تشریف لے جانے کے بعد خلافتِ راشدہ کا دَور آیا اس دَور میں بھی صحابہ کرام نے قرآن فہمی کا وہی انداز برقرار رکھا۔ جو اللہ کے پیارے رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اختیار فرمایا تھا۔ حضور نبی کریم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال فرمانے کے بعد ان اکابر صحابہ کرام کی طرف رجوع کیا جانے لگا جنھیں بارگاہِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کا زیادہ موقع نصیب ہوا تھا۔
صحابہ کرام حضور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے قول وفعل کی روشنی میں قرآن کریم کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ گاہے گاہے ایسا بھی ہوا کوئی مشکل مسئلہ پیش آیا جس کا حل بظاہر کتاب وسنت سے ممکن نہ تھا تو صحابہ کرام نے قرآن مجید میں اپنے فکر صحیح سے کام لے کر اس مسئلہ کو حل کیا۔ جیساکہ خلیفہ اول حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت کلالہ کی تفسیر میں فرمایا۔

"انی قد رأیت فی الکلالة رأیا فان کان صوابا فمن اللہ وحدہٗ لاشریك له وان یك خطأً فمنی ومن الشیطن"[1]

"میں کلالہ کی وراثت کے بارے میں ایک رائے تک پہنچا ہوں اگر یہ رائے صحیح ہو تو اسے اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی طرف سے عنایت سمجھ لیجیے اور اگر غلط ہے تو میری خطا اور شیطانی وسوسہ"

ان الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے کو قطعی اور حتمی قرار نہیں دیا بلکہ اس میں خطا اور صواب دونوں پہلوؤں کو ممکن سمجھا اور اس طرح دوسرے مجتہدین صحابہ کرام کے لیے اختلاف کی گنجائش باقی رکھی۔ خلفائے راشدین کی سیرت کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرآن فہمی کے لیے قیاس اور رائے کا استعمال صرف ضرورت کی بنا پر کرتے تھے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کتاب وسنت کا واضح حکم موجود ہو اور صحابہ کرام اس سے منہ موڑ کر تاویل کی راہ اختیار کریں۔ یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ان کی رائے محض عقلی قیاس پر مبنی نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ اس کے لیے کوئی نہ کوئی شرعی سند بھی ضرور ہوتی۔ جہاں کہیں انھیں کوئی شرعی سند

۱۔ تفسیر ابن جریر۔ ج: ۸۔ ص: ۵۴

Marfat.com

ملتی وہاں رائے کے استعمال سے گریز کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔

" ایّ ارض تقلنی وایّ سماءٍ تظلّنی اذا قلت فی کتاب اللہ تعالیٰ برایی او بما لا اعلم "[1]

" کونسی زمین میرا بوجھ اُٹھائے گی اور کونسا آسمان مجھ پر سایہ کرے گا جب کہ میں کتاب اللہ میں اپنی رائے سے کوئی بات کروں یا بغیر علم کے کچھ کہوں "

صحابۂ کرام کے ذوقِ تفسیر پر تفصیلی تبصرہ تو تفسیر ماثورہ کے باب میں کیا جائے گا۔ یہاں پر صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ صحابۂ کرام کے دور میں قرآنی تفسیر کی کیفیت کیا تھی۔ اسے اجمالی طور پر یُوں سمجھ لیجئے۔

۱۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کے نزدیک تفسیرِ قرآن کے لئے اصل مرجع و مآخذ حضرت رسُول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ اقدس تھی۔ جب تک آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم صحابۂ کرام کے سامنے رہے وہ براہِ راست آپ سے قرآنی مطالب پُوچھتے رہے۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے تشریف لے جانے کے بعد آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اقوال و ارشادات کی طرف رجُوع کیا جانے لگا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب صحابۂ کرام کو رسُول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت کی روشنی میں قرآن مجید کی تفسیر معلُوم ہو جاتی تو وُہ اس سے سرِ مُو انحراف نہیں کرتے تھے۔

۲۔ صحابۂ کرام قرآن فہمی کے لئے اپنی رائے کا استعمال صرف ضرورت کی بنا پر کرتے تھے اور وُہ بھی اس وقت جب اُنھیں اپنی تائید میں کتاب و سُنّت سے کوئی سند مل جاتی۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی وسعتِ نظری کا یہ عالم تھا کہ وُہ اپنی

۱۔ مقدمہ تفسیر ابن کثیر ۔ ص : ۵ ۔

Marfat.com

رائے سے اختلاف پر بُرا نہیں مانتے تھے۔ نیز وہ اپنی رائے کے بارے میں اِس خوش فہمی کا شکار نہیں ہوتے تھے کہ حق صرف اسی میں بند ہے۔ اور اس سے اختلاف ناجائز ہے۔ بلکہ وُہ واضح طور پر اعتراف کرتے تھے کہ یہ ان کی رائے ہے جس میں صواب کے ساتھ خطاء کا امکان بھی موجود ہے۔

۳۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں کچھ لوگ علم تفسیر میں خصوصی مہارت رکھتے تھے، مؤخر الاسلام صحابہ اور تابعین کی جماعت زیادہ تر ان کی طرف رجوع کرتی تھی۔ اِن میں حضرت عمرؓ، حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود اور حضرت اُبی ابن کعب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خصوصی مقام حاصل تھا۔ ان حضرات سے تفسیری روایات بکثرت منقول ہیں اور ان کے شاگردوں کے زمرہ میں بڑے مفسّر نظر آتے ہیں

۴۔ صحابہ کرام مُشکل الفاظ کی تحقیق کے لیے لغت عرب اور شعراء کے دواوین (دیوان کی جمع) کی طرف بھی رجوع کرتے تھے۔ چنانچہ ایک خارجی سردار نافع بن الازرق کے سوالوں کے جواب میں حضرت ابنِ عباس نے قرآنی الفاظ کی تحقیق میں شعراء عرب کے کلام سے بکثرت شواہد پیش کیے ہیں۔ علامہ جلال الدّین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے معجم طبرانی کے حوالے سے انہیں "اتقان" میں نقل کیا ہے۔[1]

اسی طرح حضرت عبداللہ ابن عباس سے یہ بھی منقول ہے۔

" اذا سألتمونی عن غریب القرآن فالتمسوه فی الشعر فان الشعر دیوان العرب"[2]

(ترجمہ) جب تم نے مجھ سے غریب قرآن کے بارے میں سوال کرنا ہو تو اسے پہلے اشعار عرب میں تلاش کرو کیونکہ اشعار کلام عرب کا دیوان ہیں"۔

---

[1] ۔ الاتقان۔ ج: ۱، ص: ۱۲۲

[2] ۔ الاتقان۔ ج: ۱، ص: ۱۳۱

Marfat.com

۵۔ صحابۂ کرام کے تفسیری اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ وہ آیات قرآنیہ کی سیدھی سادی تشریح پر اکتفا کرتے تھے۔ زیادہ کھود کرید اور بال کی کھال اُتارنے کے درپے نہیں ہوتے تھے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضراتِ صحابۂ کرام کے ہاں عمل کی اہمیت زیادہ تھی۔ اِس لئے وہ بُنیادی مقاصد پر زیادہ توجہ دیتے تھے۔ اور جزئیات کو زیادہ اہمیت نہ دیتے تھے۔

یہ ایک مُسلّمہ تاریخی حقیقت ہے کہ ہر مذہب کے ماننے والے شُروع شُروع میں اس کے عملی پہلو پر زیادہ زور دیتے ہیں وہ نظریاتی مسائل کی سیدھی سادی تشریح کو کافی سمجھتے ہیں اور اُن کی گہرائی میں جانے کی زیادہ کوشش نہیں کرتے۔ لیکن وقت گُزرنے کے ساتھ عملی جذبہ ٹھنڈا پڑنے لگتا ہے اور علمی بحث و تحیص کا شوق بڑھتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک ایسا وقت آجاتا ہے کہ اس مذہب کے پیروکار جزوی اور فروعی مسائل کی لایعنی بحثوں میں اُلجھنے لگ جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ عملی قوتیں ختم ہونے لگتی ہیں۔

(مرورِ زمانہ کی وجہ سے) اس دور میں قُرآن اور اسلام کے ماننے والوں کا حال بھی کُچھ ایسا ہی نظر آتا ہے۔ نزولِ قُرآن کے دَور میں صحابۂ کرام بنیادی عقائد پر زور دیتے تھے۔ اور پھر قُرآن کریم کے عملی پہلو پر عمل کرنا شُروع کر دیتے تھے اُنھوں نے کبھی غیرضروری بحثوں کے لئے قرآن مجید کو نشانہ نہیں بنایا۔ لیکن بعد میں جب آہستہ آہستہ تنزل کا دَور آیا تو غیرضروری اور لایعنی مسائل پر مباحثے ہونے لگے۔ مثلاً

(ا) آدم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو بہکانے کے لئے شیطان نے مکھی کی صُورت اختیار کی تھی یا کسی اور چیز کی؟

(ب) آدم و حوّا علیہما الصّلوٰۃ والسّلام نے گندم کا دانہ کھایا تھا یا انگور کا پھل؟

(ج) اصحابِ کہف کے کتّے کا نام کیا تھا اور اس کا رنگ کیسا تھا؟ وغیرہ

Marfat.com

ان مباحث پر قرآن کریم کی تفسیر موقوف نہیں اور نہ ہی انھیں اسلام کے اعتقادی یا عملی پہلوؤں میں کوئی اہمیت حاصل ہے۔ اسی لئے صحابۂ کرام اس قسم کے غیر ضروری مباحث کو قطعاً پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ قرآن کو خالص اسی مقصد کے لئے استعمال کرتے تھے۔ جس کے لئے قرآن کریم کا نزول ہوا تھا۔ اور وہ قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے حضور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول و فعل سے مدد لیتے تھے۔ ان کے ہاں نہ عقلی موشگافیوں کی کوئی اہمیت تھی نہ اسرائیلی روایات کی۔

حضرات صحابۂ کرام کے بعد حضرات تابعین کرام رضوان اللہ علیہم کا دور آیا۔ انھوں نے صحابہ کرام کے تفسیری اقوال کو جمع کرنا شروع کر دیا۔ شروع میں تو تفسیر کو حدیث سے جداگانہ چیز نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ تفسیر حدیث ہی کی ایک شاخ تھی۔ صحابہ کرام سے جو مختلف روایات لی گئیں ان میں سے کچھ کا تعلق فقہی احکام سے تھا کچھ کا آیات قرآنیہ کی تفسیر سے۔ کچھ آداب و اخلاص سے متعلق تھیں اور کچھ امم ماضیہ کی تاریخ سے۔ غرضیکہ تمام روایتی سرمایہ یکجا تھا۔ تفسیر کی جداگانہ حیثیت نہ تھی۔ بعد میں تابعین کی ایک جماعت نے تفسیری روایات کو الگ چھانٹنا شروع کر دیا۔ اس سلسلے میں مختلف حضرات نے اپنے اپنے علاقے میں قیام پذیر اکابر صحابہ کے تفسیری اقوال کو جمع کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ سعید بن جبیر، مجاہد بن جبر اور عکرمہ نے ابن عباس کے تفسیری اقوال کو جمع کیا۔ علقمہ بن قیس، اسود بن یزید اور ابراہیم نخعی نے حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی تفسیری روایات کو جمع کیا۔

ان کے بعد آنے والے طبقہ نے صحابۂ کرام اور تابعین کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تفسیری اقوال کو مرتب کیا۔ ان میں سفیان ثوری۔ سفیان بن عیینہ۔ وکیع بن جراح اور اسحٰق بن راہویہ کے نام خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ لوگ اپنے دور کے جلیل القدر محدث تھے۔ انھوں نے احادیث کی طرح تفسیری روایات کو بھی جمع کیا۔ ان کی تفاسیر ایسی نہیں تھیں جو سورۂ فاتحہ سے لیکر سورۂ والناس تک بالترتیب قرآن کی تشریح و تفسیر پر مشتمل ہوں۔ بلکہ ان

81093

Marfat.com

کی تفاسیر مختلف سورتوں اور آیتوں کے بارے میں تفسیری روایات پر محیط تھیں۔

بعد میں بنو عباس کے دور میں تفسیر قرآن پر مستقل کتابیں لکھی گئیں اور ترتیب مصحف کے مطابق قرآنی سورتوں کی تفسیر کی گئی اس طرح علم تفسیر نے ایک مستقل علم کی شکل اختیار کر لی۔

اولاً علم حدیث کی طرح کتب تفاسیر میں بھی پوری سند بیان کرنے کا التزام کیا گیا۔ جیسا کہ ابن جریر اور ابن ابی حاتم کی تفسیروں سے نظر آتا ہے۔ بعد میں ان کتابوں کے حوالے کو کافی سمجھا گیا۔ جن میں بالتفصیل یہ اسناد مذکور تھیں۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر اور علامہ سیوطی نے یہی انداز اختیار فرمایا۔

یہاں یہ امر واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ تفسیر کے ابتدائی دور میں تو احادیث رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اقوال صحابہ و تابعین کے جمع کرنے پر زیادہ کوشش صرف کی جاتی تھی۔ بعد میں اسلامی فتوحات کی وسعت اور غیر عربی قوموں کے اسلام قبول کرنے سے عربی زبان کا مسئلہ بھی بہت اہمیت اختیار کر گیا اور قرآن مجید کے لغوی پہلو کی تحقیق و تشریح میں بھی خصوصی زور دیا جانے لگا۔ چنانچہ اس سلسلے میں تیسری صدی ہجری کے شروع میں مشہور نحوی فراء نے معانی القرآن تالیف کی۔ اسی طرح علی بن حمزہ کسائی اور ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ نے معانی القرآن اور مجاز القرآن کے نام سے قرآن پاک کی تفسیر اور لغوی پہلو پر زور دیا۔

جہاں علمائے لغت اور علمائے نحو نے قرآن مجید کے لغوی اور نحوی پہلو پر اپنا زور قلم صرف کیا وہاں فقہائے کرام نے بھی آیات احکام پر توجہ دی اور اپنے اپنے مسلک کے مطابق قرآن مجید سے احکام مستنبط کیے۔ چنانچہ احکام القرآن کے نام سے بیسیوں کتابیں لکھی گئیں۔ ابن ندیم نے "الفہرست" میں حسب ذیل کتب کا تذکرہ کیا ہے۔

احکام القرآن۔ (مذہب مالکیہ) احکام القرآن ابی بکر رازی (مذہب احناف)

Marfat.com

احکام القرآن (امام شافعی) احکام القرآن (داؤد بن علی ظاہری) اس قسم کی تقریباً گیارہ کتب کا ذکر الفہرست میں موجود ہے[1]۔ اس کے بعد متکلمین کا دور آیا انھوں نے اسلام کی عقلی توجیہ کا نعرہ بلند کیا اور نقلی و اثری انداز سے ہٹ کر خالص عقلی انداز میں قرآن مجید کی تاویل و تشریح شروع کر دی۔ شروع شروع میں علم کلام کے علمبردار معتزلہ تھے یہ لوگ فلسفہ یونان سے متاثر ہونے کی بنا پر قرآن کو عقلی انداز میں پیش کرنا وقت کی اہم ضرورت سمجھتے تھے۔ معتزلہ کی طرح خوارج اور روافض نے بھی اپنے مخصوص مذہبی افکار کی تائید میں قرآن مجید کی تاویل و تشریح شروع کر دی۔ علماء اہل سنت نے بھی بربنائے ضرورت یہی طریقہ اختیار کیا ان سے پہلے سلف صالحین کا طریقہ یہ تھا کہ وہ آیات متشابہات کی تاویل نہیں کرتے تھے بلکہ صرف یہی کہہ دیتے تھے کہ ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں لیکن کیفیت کا کھوج نہیں لگاتے تھے۔ جب فرق باطلہ نے متشابہات اور آیات صفات کو غلط معنی پہنائے تو ہمارے علماء متکلمین نے بھی متشابہات کی تاویل اور محکمات سے ان کی تطبیق کا کام شروع کر دیا۔ علماء متکلمین کا یہ کام دفاعی نوعیت کا تھا وہ فلسفہ یونان اور معتزلہ وغیرہ کا وار روکنا چاہتے تھے۔ اس علمی کام میں امام ابوالحسن اشعری، امام ابومنصور ماتریدی، قاضی ابوبکر باقلانی، امام محمد غزالی اور امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہم نے مجتہدانہ بصیرت سے کام لیا۔ ان حضرات نے قرآن مجید کی ایسی عقلی تفسیر لکھی جو نقلی تفسیر اور آثار و روایات کے عین مطابق تھی۔ اس لئے ان لوگوں کی تسلی ہو گئی جو قرآن حکیم کو عقلی انداز میں سمجھنے کے لئے بے چین تھے۔ نیز عقل پرست طبقے نے روایات کا جو ذخیرہ خلاف عقل کہہ کر مسترد کر دیا تھا۔ اس کی عقلی دلائل سے تطبیق بھی سامنے آ گئی اور اس طرح روایات و احادیث کے بارے میں بہت سے شکوک و شبہات کا خاتمہ ہو گیا۔ لیکن اس سے ایک منفی اثر بھی پڑا کہ علماء متکلمین کی تفاسیر علم کلام کے مباحث

---

[1] - الفہرست لابن الندیم - ص: ٦٣

Marfat.com

سے پُر ہوگئیں جس سے سلف صالحین کا سیدھا سادہ انداز تفسیر نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگوں نے امام فخرالدّین رازی کی تفسیر کے بارے میں یہ کہا کہ اس میں تفسیرِ قرآن کے سوا سب کچھ ہے[1]۔ علمِ کلام میں غلو کی وجہ سے بہت سے فروعی مسائل کو اصُولی مسائل کی حیثیت حاصل ہوگئی اور ان میں اختلاف کی بنا پر ایک دُوسرے کی تکفیر و تفسیق کا دروازہ کھل گیا۔ اُمتِ مرحومہ کے مختلف گروہوں میں اختلافات کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوگئی اور قرآن مجید کا سیدھا سادہ اندازِ بیان علمِ کلام کے مباحث میں اُلجھ کر رہ گیا۔

زوال بغداد کے ساتھ مُسلمانوں کے علمی تمدّنی اور سیاسی تنزل کا دَور شروع ہُوا۔ اس کا اثر علمِ تفسیر پر بھی پڑا چنانچہ ہمارے مفسّرین نے مزید علمی تحقیقات کا دائرہ وسیع کرنے کی بجائے جمُود اور تقلید سے کام لیا۔ اُنھوں نے پہلے مفسّرین کرام کی تقلید میں کتابیں لکھیں۔ البتہ کہیں فقہی مباحث زیادہ کر دیئے کہیں۔ علمِ کلام کے مباحث میں کمی کر دی۔ اسناد کا سلسلہ کتب تفسیر میں ختم ہو گیا۔ اور متن کے حوالے پر اکتفا کیا گیا۔

متاخرین نے قرآن مجید کے علمی کلامی مباحث کے لئے تفسیر کبیر کو اپنا ماخذ قرار دیا۔ ادبی اور بلاغی مباحث کے لئے زمخشری کی تفسیر کشاف اور امام بیضاوی کی تفسیر انوار التنزیل سے استفادہ کیا جانے لگا۔ روایات و آثار کے لئے ابن جریر کی تفسیر جامع البیان اور حافظ ابن کثیر کی تفسیر ابن کثیر کو مرجع قرار دیا۔ فقہی مسائل کے لئے فقہاء نے اپنے اپنے فقہی مسلک کی کتابوں کے حوالے دینے شروع کر دیئے اور مخالفین پر اصُولِ فقہ کی روشنی میں تنقید کی جانے لگی۔ جو لوگ حضرات صُوفیاء کرام سے متاثر تھے اُنھوں نے شیخ اکبر محیّ الدّین ابن عربی، علامہ کاشانی، شیخ رُوزبہان باقلی اور صدرالدین قونوی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کی تصانیف سے صوفیانہ اشارات و نکات لے کر اپنی تفسیریں

---

[1] کشف الظنون۔ ج:۱، ص: ۴۳۱۔ مطبوعہ اصح المطابع۔ کراچی

Marfat.com

کی خوبصورتی میں اضافہ کیا۔ ساتویں صدی ہجری سے لے کر بارہویں صدی ہجری تک تقریباً پانچ سو سال کے عرصہ میں تفسیر پر جو کام کیا گیا وہ پہلے مفسرین کرام کے کام کا چربہ ہے۔ اس لئے اس طویل دور کو اگر تقلید و جمود کے دور سے تعبیر کریں تو غلط نہ ہوگا۔ اس کے بعد ہم موجودہ دور کی طرف آتے ہیں جو بجا طور پر علوم جدیدہ کا دور ہے۔ اس میں سائنسی اور عمرانی علوم کو بڑی ترقی حاصل ہوئی ہے۔ خود مغربی مفکرین اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ یورپ میں احیائے علوم کی جو تحریک اٹھی وہ اسلامی علوم کی تحریک کا نتیجہ تھی۔ یہ اور بات ہے کہ اس تحریک سے غیر مسلم قوتوں نے زیادہ فائدہ اٹھایا اور ملت اسلامیہ کماحقہٗ فائدہ نہ اٹھا سکی۔ علوم جدیدہ کی اشاعت سے پڑھے لکھے مسلمانوں کے ذہنوں میں اس قسم کے سوالات ابھرنے لگے۔

۱۔ قرآن حکیم ہمیں علوم جدیدہ اور تمدن حاضرہ کے بارے میں کوئی موقف عطا کرتا ہے۔ یا بالکل خاموش ہے۔؟

۲۔ کیا جدید تحقیقات کو اسلامی مقتضا کے مطابق سمجھ کر قبول کر لینا چاہیئے یا بالکل مسترد کر دینا چاہیئے۔؟

۳۔ شریعت اسلامیہ کہاں تک عصر حاضر کا ساتھ دیتی ہے۔ کیا اس میں دور حاضر کے مسائل کا حل موجود ہے یا نہیں۔؟

۴۔ کیا موجودہ دور میں قدماء کا انداز تفسیر مفید ثابت ہو سکتا ہے یا اسے عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق تبدیل کرنے کی ضرورت ہے؟۔ وغیرہ۔ اس قسم کے بیسیوں سوالات تعلیم یافتہ ذہنوں میں پائے جاتے ہیں وقت کی ضرورت ہے کہ ہمارے دور کا مفسّر قرآن قرآن حکیم کی تفسیر کرتے وقت ان سوالات کا شافی جواب دے۔ ان سوالات کا جواب دیئے بغیر نہ تو بیرونی دنیا کو اسلام سے قریب کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اندرون خانہ بے چینی کو ختم کیا جا سکتا ہے۔

یہاں پہنچ کر ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے مفسرین کرام تین گروہوں میں

Marfat.com

منقسم ہیں۔

۱۔ پہلا طبقہ ان حضرات پر مشتمل ہے جنھوں نے علوم جدیدہ سے اتنا اثر قبول کیا کہ قرآن حکیم کی تفسیر و تشریح کا معیار عصری علوم کو قرار دیا۔ قرآن مجید کی جو بات انھیں سائنس سے متصادم نظر آئی اُنھوں نے اس میں تاویل کی اور سائنسی تحقیق کو ترجیح دی۔ اُنھوں نے مغربی تہذیب کا یہاں تک ساتھ دیا کہ اسلامی احکام کو بدلتے ہوئے حالات کے مطابق قابلِ ترمیم قرار دیا۔ اس سلسلے میں اگر اُنھیں سُنّت رسُول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم رکاوٹ نظر آئی تو اس کی صحت اور حجیت کا انکار کر دیا۔ ان حضرات کی نظر میں قرآن اور اسلام کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ قرآن اور اسلام میں دُور از کار تاویلات کر کے اسے سائنس اور علوم جدیدہ پر منطبق کر دیا جائے اور قرآن کی وہی بات مانی جائے جو عصری تحقیقات کے مطابق ہو۔

۲۔ دُوسرا گروہ ان مفسرین کرام کا ہے جو کسی حد تک علوم جدیدہ سے متاثر ہیں لیکن اُنھوں نے قرآن کے بنیادی اصولوں میں تحریف نہیں کی۔ یہ حضرات قرآن اور علوم جدیدہ میں تطبیق ضرور دیتے ہیں۔ لیکن بایں طور کہ اسلامی حقائق کا انکار لازم نہ آئے اور نہ ہی شرعی احکام و ضوابط میں ترمیم کرنی پڑے۔ یہ طبقہ پہلے طبقے کے مقابلے میں قرآن سے زیادہ قریب ہے اگرچہ اس گروہ سے بھی فہم قرآن میں کچھ غلطیاں ہوئی ہیں لیکن ان کے تحقیقی کام کا غالب حصّہ قرآنی صداقت کو ابدی حقیقت کے طور پر ثابت کرنے پر مشتمل ہے اس لیے ان حضرات کی مساعی جمیلہ قابلِ قدر ہیں اور ان کی اسلامی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔

۳۔ تیسرا طبقہ ان عُلما مفسرین کا ہے جنھوں نے تفسیر قرآنی میں وہی انداز اختیار کیا جو صدیوں سے علما سلف میں رواج پذیر چلا آتا ہے۔ ان حضرات نے متقدمین کی طرح قرآن مجید کے فقہی اور کلامی پہلو پر زور دیا لیکن جدید عصری مسائل کو کوئی خاص اہمیت

Marfat.com

نہ دی۔ ان حضرات کی یہ محنت قابلِ قدر ہے کہ علما رسلف کی تفاسیر پر محنت کر کے انھوں نے اُردو زبان میں ہمیں بہت سا علمی مواد بہم پہنچایا ہے۔

اس طرح اُردو دان طبقہ متقدمین کی تفاسیر سے علمی نکات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ لیکن یہ تشنگی پھر بھی باقی ہے کہ جدید عصری مسائل کے بارے میں قرآنی نقطۂ نظر کو سمجھنے کی کوشش کی جائے اور دُوسرے طبقے سے اس بارے میں جو غلطیاں ہُوئی ہیں ان کی اصلاح کر کے قرآن پر علمی اور تحقیقی کام کیا جائے۔

ظاہر ہے کہ قرآن مجید ایک ایسا بحر ناپیدا کنار ہے جس کے حقائق ودقائق ختم نہیں ہو سکتے یہ کتاب اولین اور آخرین کے علوم پر حادی ہے اور خشک و تر میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کتاب مُبین میں نہ ہو۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُمّتِ مُسلمہ کو اس چشمۂ صافی سے سیراب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس تعارف کے بعد ہم انشاء اللہ علمِ تفسیر کے کچھ اصُولی مباحث بیان کریں گے۔ اور علمِ تفسیر کے مختلف ادوار پر تبصرہ کریں گے۔

فنِ تفسیر کے بنیادی مباحث

علمِ تفسیر کے مختلف ادوار پر تبصرہ کرنے سے پہلے مناسب معلُوم ہوتا ہے کہ تفسیر کی لغوی و اصطلاحی تشریح، شرائطِ تفسیر، تفسیر و تاویل کا باہمی فرق، تفسیر بالرّای اور تفسیر قُرآنی کے صحیح منہاج پر روشنی ڈالی جائے تاکہ بحث کے تمام اطراف وجوانب واضح ہو کر سامنے آجائیں۔

تفسیر کی لُغوی تحقیق

تفسیر کا مادہ فسر ہے اس میں کھولنے اور بیان کرنے کا مفہُوم پایا جاتا ہے

Marfat.com

تفسیر اور تفسِرہ میں یہی مفہوم مبالغہ کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ یعنی زیادہ وضاحت اور کشف و بیان۔

اہل لغت کے ہاں یہ کلیّہ ہے "کل شئ یعرف به تفسیر الشئ ومعناه فهو تفسرته" ہر وہ چیز جس سے دُوسری چیز کا مفہوم واضح ہو سکے وہ اس کے لئے تفسرہ کہلاتی ہے۔ قرآن مجید میں لفظ تفسیر کا اطلاق مضامین قرآن پر بھی آیا ہے جیساکہ ارشاد ہُوا۔ ولا یأتونك بمثل الا جئنٰك بالحق واحسن تفسیرا۔[1]

(ترجمہ) "اور یہ لوگ کیسا ہی عجیب سوال آپ کے سامنے پیش کریں ہم ٹھیک اور وضاحت میں بڑھا ہُوا جواب آپ کو عنایت کرتے ہیں۔"

قرآنی مضامین پر تفسیر کا اطلاق اس لئے کیا گیا ہے کہ ان میں حق کو کھول کر بیان کیا گیا ہے اور کسی قسم کا ابہام باقی نہیں رکھا گیا۔

بعض حضرات نے تفسیر کو سفر سے مقلوب مانا ہے اور وجہ مناسبت میں یہ تکلف کیا ہے کہ جس طرح سفر ہمسفر کے اخلاق کو واضح کر دیتا ہے اس طرح علم تفسیر سے بھی معانی قرآن کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ توجیہ محض تکلف پر مبنی ہے۔ کیونکہ جب تفسیر کے لئے کلمہ فسر مادہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور معنی میں اشتراک بھی موجود ہے تو اتنی دُور جانے کی کیا ضرورت ہے؟۔ اس سلسلے میں امام راغب اصفہانی کی رائے یہ ہے کہ سفر کا مادہ اعیان و اشخاص کے اظہار کے لئے ہے اور فسر کا مادہ معنی معقول کے لئے استعمال ہوتا ہے۔[2]

تفسیر کا اصطلاحی مفہوم

علماء تفسیر نے اپنے ذوق کے مطابق مختلف تعریفیں کی ہیں بعض نے اختصار

---

[1] ۔ سورۃ فرقان۔ پارہ ۱۹۔ آیت ۳۳ [2] ۔ مفردات راغب۔ ص: ۳۸

Marfat.com

سے کام لیتے ہوئے کہا" ھو علم باحث عن معنی نظم القرآن بحسب الطاقۃ البشریۃ[1]"

علامہ ابوحیان اُندلسی نے تفصیل سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"ھو علم یبحث فیہ عن کیفیۃ النطق بالفاظ القرآن ومدلولاتھا واحکامھا الافرادیۃ والترکیبیۃ ومعانیھا التی تحمل علیھا حالۃ الترکیب وتتمات لذالک[2]"

(ترجمہ) علم تفسیر وُہ علم ہے جس میں درج ذیل امُور سے بحث کی جاتی ہے۔

۱۔ الفاظ قرآن کو ادا کرنے کا طریقہ ۲۔ الفاظ کے مدلولات کا علم۔ ۳۔ الفاظ کے مفرد اور مرکب ہونے کی حالت میں مختلف احکام کی معرفت۔ ۴۔ ان معانی کی پہچان جو ترکیب کی حالت میں الفاظ سے مُراد ہوتے ہیں۔ ۵۔ دُوسرے متممات ومتعلقات مثلاً نسخ کی پہچان اور اسباب نزول وغیرہ کا علم"

ظاہر ہے کہ یہ تعریف توضیحی ہے اور اس میں وہ تمام علوم آجاتے ہیں جن سے مفسرین بحث کرتے ہیں۔

علم تفسیر کا موضوع

علم تفسیر کا موضوع کلام لفظی ہے جو حضرت رسُول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم پر متفرق اوقات میں اُتاری گئی۔ چُنانچہ صاحب کشف الظنون فرماتے ہیں "موضوعہ کلام اللہ سبحانہ وتعالیٰ الذی ھو منبع کل حکمۃ ومعدن کل فضیلۃ[3]"

---

[1] ۔ کشف الظنون ۔ ج: ۱، ص: ۴۲۷

[2] ۔ مقدمہ تفسیر البحر المحیط ۔ ص: ۱۴ (مطبوعہ النصر الحدیثیہ ریاض)

[3] ۔ کشف الظنون ۔ ج: ۱، ص: ۴۲۷۔

Marfat.com

(ترجمہ) "علم تفسیر کا موضوع اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کلام ہے جو ہر حکمت کا سرچشمہ اور ہر فضیلت کی کان ہے۔"

غرض وغایت

علم تفسیر کی غایت یہ ہے کہ طاقتِ بشری کے مطابق کلام الٰہی کے معنی مرادی کی معرفت حاصل کرکے اس پر عمل کیا جائے تاکہ دارین کی سعادتیں حاصل ہو سکیں۔ جیسا کہ صاحب کشف الظنون رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے۔

"التوصل الی فهم معانی القرآن واستنباط حکمہ لیفاز بہ الی السعادۃ الدنیویۃ والاخرویۃ"[1]

(ترجمہ) معانی قرآن کی صحیح فہم تک پہنچنا اور حکم کا استنباط کرنا تاکہ دُنیا اور آخرت کی سعادت حاصل ہو۔"

علم تفسیر کی اہمیّت

علم تفسیر کی اہمیت اس کے موضوع سے ظاہر ہے وُہ علم جس میں کلام ربِّ جلیل کے معنی مرادی سے بحث کی جائے یقیناً وہ انتہائی اعلیٰ اور اشرف علُوم میں سے ہوگا۔ حضرت رسُول اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلّم نے تعلیمِ قرآن کی اہمیّت بیان کرتے ہُوئے فرمایا۔

خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ[2]

"تُم میں بہتر وہ ہے جو قرآن کریم کو سیکھے اور سکھائے"

---

[1] کشف الظنون۔ ج: ۱، ص: ۴۲۷

[2] مشکوٰۃ شریف۔ ص: ۱۸۳

Marfat.com

ظاہر ہے کہ قرآن سکھانے میں قرآنی مطالب کی تشریح و تفسیر بھی داخل ہے۔ یہی وجہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے دعا کرتے ہوئے فرمایا۔

اللّٰھم علمہ الکتاب[1]۔ ایک اور روایت میں آتا ہے

اللّٰھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل[2]۔

اے اللہ ابن عباس کو دین کی سمجھ اور تاویل قرآن کا علم عطا فرما"۔

قرآن فہمی ایک بہت بڑی نعمت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے پاس قرآن ہے اور وہ فہم ہے جو اللہ تعالٰے کسی بندے کو قرآن کریم سمجھنے کے لئے عطا فرماتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ روایت ہے کہ ایک بار آپ نے حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کی تعریف کی کسی نے عرض کیا۔ آپ ان کی تعریف کرتے ہیں حالانکہ آپ کا اپنا مقام بہت بلند ہے۔ فرمایا جابر کے پاس اس آیت قرآنی کا صحیح علم ہے جو سورۂ قصص کے آخر میں ہے۔

"ان الذی فرض علیك القرآن لرآدك الی معاد[3]"

(ترجمہ) بے شک اللہ تعالیٰ جس نے آپ پر قرآن فرض کیا آپ کو واپس لوٹنے کی جگہ (مکہ) کی طرف ضرور واپس لے جانے والا ہے"۔

صحابہ کرام کی طرح تابعین بھی اس علم کی اہمیت پر بہت زور دیتے تھے چنانچہ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

"احب الخلق الی اللہ اعلمھم بما انزل[4]"

---

[1] - صحیح بخاری۔ ج:۱، ص:۵۳۱ [2] - لسان العرب۔ ج:۱۱، ص:۳۳

[3] - سورۃ القصص۔ آیت:۸۵ [4] - مقدمہ تفسیر قرطبی۔ ص:۲۶

Marfat.com

"اللہ کی مخلوق میں وُہ شخص سب سے زیادہ پسندیدہ ہے جو اس کی نازل شُدہ کتاب کا صحیح علم رکھتا ہو"

مشہُور تابعی جناب شعبی نے جناب مسروق رضی اللہ عنہما کے متعلق بیان کیا کہ وُہ ایک آیت کی تفسیر کے لیے بصرہ تشریف لے گئے معلُوم ہُوا کہ اس کی تفسیر جاننے والا ملک شام میں ہے آپ نے وہاں سے مُلک شام کا سفر کیا[1]۔

سعید بن جبیر کہتے ہیں۔ من قرء القرآن ثم لم یفسرہ کان کا لاعمٰی او کا لاعرابی[2] " (ترجمہ) جس نے قُرآن پڑھا پھر اس کی تفسیر نہ سیکھی وہ اندھے کی طرح ہے یا جاہل بدّو کے مشابہ ہے"

ایاس بن معاویہ کہتے ہیں وُہ لوگ جو قُرآن پڑھتے ہیں اس کی تفسیر نہیں جانتے اس قوم کی طرح ہیں جن کے پاس رات کو بادشاہ کا تحریری فرمان پہنچے اور اُن کے پاس چراغ نہ ہو جس کی روشنی میں اسے پڑھ سکیں"۔ غرضیکہ علم تفسیر انتہائی اہم اور ضروری ہے۔ اس علم کے بغیر قرآن مجید کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکتے۔

صحابہ کرام اور تفسیر قرآنی میں ان کی احتیاط

جیسا کہ واضح ہو چکا ہے کہ تفسیر ایک فن ہے جس میں کلام الٰہی کے معنی مرادی سے بحث کی جاتی ہے اور اس میں یہ متعین کرنا ہوتا ہے کہ ان مختلف احتمالات میں سے کونسا معنی مُراد خداوندی بن سکتا ہے۔ پھر اس میں یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی رائے کو بے محابا استعمال نہ کیا جائے۔ ورنہ یُوں سمجھ لو کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا رہے ہو۔

ظاہر ہے کہ اس اہم اور نازک کام کو ہاتھ لگانے سے پہلے اعلیٰ درجے کی صلاحیت

---

[1] ۔ مقدمہ تفسیر فتح القدیر و مقدمہ قرطبی

[2] ۔ مقدمہ تفسیر ابن جریر۔ ص ۸۱

Marfat.com

اور قابلیت کا پایا جانا ضروری ہے ورنہ بعض اوقات معمولی سی غلطی بہت بڑی گمراہی کا سبب بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام اہلِ زبان اور بارگاہِ نبوّت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے فیض یافتہ ہونے کے باوجود تفسیرِ قرآن بیان کرنے میں بہت ہچکچاتے تھے اور انتہائی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ ان کا تردّد اور تامّل معاذ اللہ کم علمی کی بنا پر نہیں تھا بلکہ یہ ان کی خشیت اور خدا خوفی کا نتیجہ تھا۔ بارگاہِ نبوّت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سب سے بڑے فیض یافتہ صحابی حضرت سیّدنا صدّیق اکبر رضی اللہ عنہٗ کو دیکھئے ایک دفعہ ان سے سُورۃ عبس میں واقع لفظ اَبّاً کے بارے میں پُوچھا گیا تو اُنھوں نے جواباً فرمایا۔

"ایّ ارض تقلنی و ایّ سماء تظلّنی اذا قلت فی کتاب اللہ تعالیٰ برای او بما لا اعلم۔"[۱]

(ترجمہ) کون سی زمین میرا بوجھ اُٹھائے گی اور کون سا آسمان میرے اُوپر سایہ کرے گا۔ جب کہ میں قرآن مجید میں اپنی رائے سے کچھ کہوں یا صحیح علم کے بغیر کوئی بات کروں۔"

جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہما کے بارے میں بکثرت روایات ہیں کہ ان سے آیات کی تفسیر پُوچھی جاتی تو وُہ خوف خُداوندی سے یہ جواب دیتے۔ "انا لا اقول فی القرآن شیئاً۔"[۲] (ترجمہ) میں تفسیرِ قرآن کے بارے میں کچھ نہیں کہتا۔

اسی طرح ابن جریر نے امام شعبی رضی اللہ عنہٗ کا قول روایت کیا ہے۔

"ثلاث لا اقول فیھن حتّٰی اموت القران والروح والرأی۔"[۳]

(ترجمہ) تین چیزوں کے بارے میں مرتے دم تک کچھ نہیں کہہ سکتا۔ قرآن، حقیقتِ روح اور رائے وقیاس۔"

قرآن کریم کے بارے میں کچھ نہ کہنے کا مفہوم یہی ہے کہ جب تک سند صحیح کے ساتھ

۱۔ مقدمہ تفسیر ابن کثیر۔ ص: ۵، ۶
۲۔ طبقات ابن سعد۔ ص: ۳۸۶، جلد: ۲۔
۳۔ مقدمہ تفسیر ابن جریر طبری۔ ص: ۸۷

Marfat.com

تفسیر معلوم نہ ہو اپنی رائے اور قیاس سے قرآن کی تفسیر نہ کروں گا۔

غرضیکہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کے طرزِ عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ وُہ تفسیر کلامِ ربِ جلیل میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے اور تحقیق کے بغیر اس فن میں کلام نہیں کرتے تھے۔ بعد میں جب تنزل کا دَور آیا اور ہر کس و ناکس نے مفسّرِ قرآن بننے کا دعویٰ کیا تو اکابر مفسّرین نے ایک معیار طے کیا کہ جو شخص اس معیار پر پُورا اُترے اور تفسیرِ قرآنی کی شرائط کو پُورا کرے۔ صرف وہی تفسیر بیان کرے اس سے علماء مفسّرین کا مقصُود فہمِ قرآنی کا دروازہ بند کرنا یا اس پر اپنی اجارہ داری قائم کرنا نہیں تھا۔ بلکہ اہل و نااہل کے درمیان حدِ فاصل قائم کرنا تھا تاکہ کوئی کندہ ناتراش علوم ضروریہ حاصل کیے بغیر قُران پاک کی من گھڑت تفسیر نہ کرے نیز معانی قُرآن میں تحریف نہ ہونے پائے اور اُمّتِ مُسلمہ کی وحدت کا بنیادی مرکز "قرآن مجید" ہر قسم کے فکری انتشار سے محفُوظ رہے۔ جب دُنیا کی معمولی صنعتوں میں بھی ہر کس و ناکس کو برابر حق نہیں دیا جاتا بلکہ اہلیّت قابلیّت کو پرکھا جاتا ہے تو کیا قُرآن فہمی ایسی آسان چیز ہے جس کے لیے استعداد اور اہلیت کا ہونا ضروری نہ ہو۔؟

شرائطِ مفسّر پر مختصر تبصرہ

اَب ہم ان شرائط پر روشنی ڈالنا ضروری سمجھتے ہیں جنھیں اکابرِ ملّت نے ایک مفسّر کے لیے کافی سوچ بچار کے بعد ضروری قرار دیا ہے۔

۱۔ علوم لسانیہ (متن لغت، صرف، نحو اور اشتقاق وغیرہ) میں مہارت قُرآنی الفاظ کی تحقیق و تشریح کے لیے ان علوم کی اہمیّت از خُود واضح ہے۔ ہمارے خیال میں کوئی ذی شعُور انسان اِس سے انکار نہیں کر سکتا۔ کیُونکہ لُغتِ عرب کو سمجھے بغیر اس کتاب کی تفسیر کرنا ناممکن ہے جو اعجاز بلاغی کے اعلیٰ معیار پہ نازل ہُوئی ہے۔ مشہُور تابعی مفسّر

Marfat.com

مجاہد بن جبر مکیؒ نے بالکل صحیح کہا ہے۔

لا یحل لاحد یؤمن باللہ والیوم الآخر ان یتکلم فی کتاب اللہ اذا لم یکن عالما بلغات العرب[۱]"

(ترجمہ) جو شخص اللہ تعالیٰ اور روزِ جزا پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے کتاب اللہ کی تفسیر کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ وہ لغاتِ عرب میں مہارتِ تامہ نہ رکھتا ہو۔"

علم لغات کے شرط ہونے کا یہ مفہوم نہیں کہ لُغت کی بڑی بڑی ضخیم کتابیں مثلاً لسان العرب جو اسّی ہزار مادہ عربیہ کی تحقیق پر مشتمل ہے یا تاج العروس جو ایک لاکھ بیس ہزار مفردات کی تحقیق پر مشتمل ہے وغیرہ انھیں یاد کر لیا جائے۔ بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو مفردات استعمال ہوئے ہیں ان کے بارے میں تحقیق کر لی جائے کہ نزولِ قرآن کریم کے وقت فصحاء و بلغاء عرب انھیں کن معانی میں استعمال کرتے تھے۔ اس بارے میں ابُوعبیدہ معمر بن مثنیٰ، ابُوعبید قاسم بن سلّام اور امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہم کی تصانیف کا مطالعہ مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

لغت دانی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ان معانی کا علم حاصل کیا جائے جو تواتر اور تعامل کے ساتھ حضور رسُول پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم سے منقول چلے آتے ہیں۔ ورنہ صرف لغت دانی کی بنا پر تفسیر گمراہی کا باعث بھی بن سکتی ہے۔ جیسا کہ دورِ حاضر کے بعض نام نہاد مفسّرین نے قرآن کو حدیث سے منقطع کر کے صرف اپنی لغت دانی کی بنا پر قرآن کی تفسیر لکھی ہے اور اجماعِ اُمّت کے خلاف قرآن کی تشریح کی ہے۔ ایسی تفسیر جو معانی متواترہ اور تعامل اُمّت کے برخلاف

---

[۱] الاتقان۔ ج: ۲، ص: ۱۸۲۔ مقدمہ۔ تفسیر رُوح المعانی۔ ص: ۶
اتحاف السادۃ المتقین۔ ج: ۴، ص: ۵۴۱

Marfat.com

ہو قطعاً قابلِ قبول نہیں۔ لغت کے ساتھ اشتقاق اور صرف ونحو کا علم بھی ضروری ہے تاکہ مشتقاتِ قرآنیہ کا صحیح علم ہو سکے اور قرآن شریف میں استعمال ہونے والے عربی صیغوں اور نحوی ترکیبوں کی تحقیق ہو سکے اور قرآنی کلمات کا باہمی ربط معلوم ہو سکے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ترکیبِ الفاظ میں ٹھوکر کھانے سے بہت سی الجھنیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے مفسرین مثلاً زجاج، فراء، ابو حیان اندلسی۔ زمخشری اور بیضاوی وغیرھم نے اپنی تفاسیر میں صرف ونحو کے مسائل پر بہت زور دیا ہے۔ اور اس طرح فہم قرآن کو آسان بنانے میں مدد دی ہے۔

۲۔ علومِ بلاغت میں مہارت

بلاغتِ قرآنی کو سمجھنے کے لئے علم معانی، علم بیان اور علم بدیع کا جاننا ضروری ہے۔ علم معانی سے پتہ چلتا ہے کہ کون سا کلمہ مقتضائے حال کے مطابق ہے۔ علم بیان سے معنی مرادی کے واضح یا مخفی ہونے کا علم حاصل ہوتا ہے اور علم بدیع سے محسناتِ کلام کا پتہ چلتا ہے۔ مفسرِ قرآن کے لئے یہ علوم بھی انتہائی اہمیت رکھتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ قرآنی بلاغت کو دیانتداری کے ساتھ واضح کیا جائے اور اپنے مخصوص افکار کے ثبوت میں پیش نہ کیا جائے۔ جیسا کہ جناب زمخشری نے تفسیر کشاف میں بلاغت قرآنی کو بڑے علمی انداز میں بیان کیا ہے لیکن انھوں نے اسے گروہِ معتزلہ کے مسلک پر چسپاں کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ اس کے جواب میں علامہ شرف الدین طیبی اور احمد بن منیر نے اس کے معتزلانہ افکار پر سخت تنقید کی ہے اور مسلک حق اہل سنت والجماعت کے مطابق بلاغت قرآنی کو صحیح روپ میں پیش کیا ہے۔ چنانچہ مشہور مورخ ابن خلدون کہتے ہیں: "انہ یبین ان البلاغۃ انما تقع فی الآیۃ علی مایراہ اھل السنۃ لا علی مایراہ المعتزلۃ[۱]"

---

[۱] مقدمہ تاریخ ابن خلدون۔ ج:۱، ص: ۸۸۔

Marfat.com

طیبی نے واضح کر دیا ہے کہ قرآنی بلاغت اہل سُنّت کی تائید کرتی ہے نہ کہ معتزلہ کی۔

۳۔ علومِ نقلیہ میں مہارت

ہمارے نزدیک یہ اصطلاح ان تمام نقلی و روایتی علوم کے لئے جامع ہے جو تفسیر قرآن کریم کے لئے ضروری ہیں۔ مثلاً علم سنن و آثار، اسباب نزول اور ناسخ و منسوخ کا علم۔ جہاں تک علم سنن و آثار کا تعلق ہے اس کا تفسیر کے ساتھ گہرا ربط واضح ہے اس لئے کہ قرآن مجید کی سب سے زیادہ مستند تفسیر وہی ہو سکتی ہے جو حضورؐ شارع علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے بیان کی ہو یا آپ کے تربیت یافتہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم نے علم سنن و آثار علم تفسیر کا بنیادی مآخذ ہیں۔ اور ان سے اعتناء کئے بغیر قرآن مجید کی صحیح تفسیر نہیں کی جا سکتی۔

اس طرح اسبابِ نزول اور ناسخ و منسوخ کا علم بھی مفسّر کے لئے ضروری ہے تاکہ اسے معلوم ہو سکے کہ کون سی آیات کس خاص موقع پر نازل ہوئی تھیں۔ نیز یہ کہ کونسی آیات حکمتِ الٰہیہ کے تحت منسوخ قرار پائیں اور ان کے لئے کون سی آیات ناسخ بن کر نازل ہوئیں۔

۴۔ علم اصُولِ دین

اس میں علم کلام اور علم اصُول فقہ داخل ہیں۔ علمِ کلام سے مبدا، و معاد، ذات و صفات، توحید و رسالت اور دُوسرے ضروری عقائد کا علم حاصل ہوتا ہے جنھیں سمجھے بغیر آدمی قُرآن حکیم کا مفسّر نہیں بن سکتا۔ ہمارے نزدیک علم کلام سے مُراد متقدّمین کا علم ہے جو امام ابوالحسن اشعری، امام ابُو منصُور ماتریدی اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہم کی کتابوں

لہ۔ مقدمہ تاریخ ابن خلدون۔ ج: ۱، ص ۸۸۷

Marfat.com

میں پایا جاتا ہے۔ علم کلام سے مُراد متاخرین کا علم کلام نہیں جو فلسفۂ یونان کا ملغوبہ ہے ایسے علم کلام سے ائمہ دین نے منع کیا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اس علم کو تفسیر قرآن کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں اور نہ ہی اس کے پڑھنے پر علم تفسیر کا سمجھنا موقوف ہے"[1]

علمِ کلام کے علاوہ علمِ اصُول فقہ بھی مفسّر کے لیے ضروری ہے۔ مفسّر کو معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ آیات قُرآنیہ سے احکام شرعیہ کا استنباط کس طرح کر سکتا ہے۔ اس مقصد کے لیے اسے علم اصُول فقہ میں مہارت حاصل ہونا ضروری ہے تاکہ حقیقت و مجاز، عام و خاص، ظاہر و خفی اور محکم و متشابہ میں امتیاز کر سکے۔ جو مفسّر علمِ اصُول سے بے بہرہ ہے وہ آیاتِ احکام کی تفسیر کرتے وقت بہت سی غلط فہمیوں کا شکار ہو سکتا ہے۔

علّامہ مرتضیٰ زبیدی نے شرح احیاء العلُوم میں علم فقہ کو بھی مفسّر کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔[2]

اگرچہ ایک مفسّر کے لیے فقیہہ ہونا اتنا ضروری نہیں جتنا اصُولی ہونا ضروری ہے تاہم علمِ فقہ میں مہارت سے آیاتِ احکام کی تفسیر آسان ہو جاتی ہے۔ چُنانچہ بہت سے علماء کرام نے فقہی نکتۂ نظر سے احکام القرآن کے نام سے کتابیں لکھی ہیں۔

۵۔ علمِ قرأت

مفسّر کے لیے ضروری ہے کہ مختلف قراءات کا علم رکھتا ہو اور زیادہ نہیں تو کم از کم اسے متواتر قراءتوں کا علم ہونا چاہیئے تاکہ قُرآن کی تفسیر کرتے وقت مختلف قراءتوں کی توضیح کر سکے اور ان کے معانی میں تطبیق دے سکے۔

---

[1] ۔ نبراس شرح شرح عقائد۔ ص: ۳۴

[2] ۔ اتحاف السادۃ المتقین شرح احیاء علوم الدین۔ ج ۴، ص: ۵۴۱

Marfat.com

۶۔ علمِ موہبت

علامہ جلال الدین سیوطی نے اتقان میں مفسّر کے لیئے علمِ موہبت کی شرط بھی لگائی ہے اور اس کی تعریف یُوں کی ہے۔

"علمٌ یورثہ اللہ لمن عمل بما علم"[1]

یہ علم اللہ تعالیٰ اسے عطا فرماتا ہے جو اپنے ظاہری علم کے مطابق عمل پیرا ہو۔ اگرچہ یہ علم ایک وہبی اور عطائی چیز ہے لیکن اس کے حصُول میں کسب کا دخل ضروری ہے کیونکہ یہ علم اسے عطا کیا جاتا ہے جو ظاہری علومِ شریعت پر عمل کرے یہ عمل کسبی چیز ہے۔ لہٰذا اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والے علمِ موہبت کو دُوسرے علومِ کسبیہ کے ساتھ شمار کیا جا سکتا ہے۔

زمانۂ حال کے بعض مفسّرین نے علوم کونیہ سائنس اور اس کے متفرق شعبوں کو بھی مفسّر کے لیئے ضروری قرار دیا ہے۔ ہماری رائے میں تفسیر قرآن کو سائنس پر موقوف قرار دینا اسی طرح غلط ہے جیسا کہ فلسفۂ قدیمہ کو ضروری قرار دینا غلط ہے۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ قُرآن ہمیں کارخانۂ قُدرت میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اور آیاتِ آفاقی و نفسی میں مُشاہدہ کا ذکر فرماتا ہے لیکن اس کا منتہائے نظر سائنس کے علم سے بلند تر ہے جو صرف مادہ کے مُختلف احوال سے بحث کرتی ہے اور خالق کی معرفت سے محروم ہے۔

ایک شُبہ کا ازالہ

شرائط تفسیر پر کلام ختم کرنے سے قبل ایک شُبے کا ازالہ ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ

[1] اتقان۔ جلد ۲ : ص : ۲۳۲

Marfat.com

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

" ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر"[1]

(ترجمہ) "ہم نے قرآن کو نصیحت آموزی کے لئے آسان بنا دیا ہے کوئی ہے جو اس سے نصیحت حاصل کرے" ؟

جب قرآن کریم اپنے آپ کو آسان کتاب قرار دیتا ہے تو اس کے لئے اس قدر علوم کی شرط لگانا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شبہ آیت کریمہ کا مفہوم نہ سمجھنے کی بنا پر پیدا ہوا ہے اگر آیت کریمہ کے صحیح مفہوم کو سمجھ لیا جائے تو یہ اعتراض از خود ساقط ہو جاتا ہے۔ آیت مذکورہ میں یسرنا کا کلمہ استعمال ہوا ہے اور بار بار استعمال ہوا ہے۔ سورۃ قمر کا مرکزی مضمون تذکیر بایام اللہ ہے یعنی قوموں کے عروج و زوال کے واقعات کو بطور عبرت و نصیحت پیش کرنا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید کو پند و نصیحت کے لئے آسان بنایا جا رہا ہے۔ یہاں پر تیسیر سے مراد تفسیر کا وہ اعلیٰ معیار نہیں جو ایک مفسّر کے لئے ضروری ہے۔ دورِ حاضر کے مشہور مفکر مفتی عبدہٗ نے اسی فرق کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے۔

" للتفسیر مراتب ادناھا ان یبیّن بالاجمال ما یشرب القلوب عظمۃ اللہ وتنزیھہ ویصرف النفس ویجذبھا الی الخیر وھذہ ھی التی قلنا انھا میسرۃ لکل احد" ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر" واما المرتبۃ العلیا فھی لا تتم الا بامور"[2]

(ترجمہ) تفسیر کے مختلف مراتب ہیں ادنیٰ مرتبہ یہ ہے اجمالی طور پر ایسا بیان ہو

---

[1] سورۃ القمر آیت: ۱۷، پارہ: ۲۷

[2] مقدمہ تفسیر المنار۔ ص: ۹، ۱۰۔ تیسرا ایڈیشن۔

Marfat.com

جس سے انسانی دل عظمت و کمالِ الٰہی سے معمور ہو جائیں نفسِ انسانی کو شر سے گریز اور خیر کی طرف کشش محسوس ہو یہ ادنیٰ مرتبہ ہر مومن کو حاصل ہو سکتا ہے اور اسی لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ہم نے قرآن مجید کو نصیحت آموزی کے لئے آسان بنا دیا۔ ہے کوئی تدبر کرنے والا۔ رہا تفسیر کا وہ اعلیٰ معیار تو وہ مخصوص امور کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔"

اس بحث سے واضح ہو گیا کہ تیسیر قرآن الگ چیز ہے اور مطالب قرآنی کی جامع تفسیر الگ۔ وعظ و تذکیر کے لئے قرآن آسان ہونے کا مفہوم اور ہے اور مطالب قرآنی کو سمجھنے اور تفسیر کی گہرائی تک پہنچنے کا مقام اور ہے قرآن مجید حصول ذکر و نصیحت کے اعتبار سے سب کے لئے آسان ہے لیکن استنباط مسائل اور تدبّر فی الآیات کے اعتبار سے مشکل ہے اور یہ اعلیٰ درجے کے اہل علم کا کام ہے۔ چنانچہ قرآن مجید اس حقیقت کے انکشاف کے لئے ارشاد فرماتا ہے "وما یعقلھا الا العالمون[1]" "قرآنی امثال کو نہیں سمجھتے مگر کامل علم والے" دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے "لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم[2]" اسے جان لیتے ہیں وہی لوگ جو اس سے مسائل کا استنباط کر سکتے ہیں"۔

ان ارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن فہمی اور قرآن دانی ہر کسی کا کام نہیں۔ اس کے لئے بہت سے شرائط و لوازمات ہیں۔ البتہ نصیحت حاصل کرنے کے لئے کلام ربِ جلیل کا اسلوب آسان ہے جس سے ہر مومن فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

تاویل کا مفہوم اور تفسیر سے اس کی نسبت

تفسیر سے متعلقہ امور بیان کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تاویل کا مفہوم اور تفسیر سے اس کی نسبت کو واضح کیا جائے۔

---

[1] ۔ سورۂ عنکبوت ۔ آیت : ۴۳ ، پارہ : ۲۰

[2] ۔ سورۂ نسآء ۔ آیت ۸۳

Marfat.com

علماء لغت کی تصریح کے مطابق لفظ تاویل اول سے مشتق ہے اس کے معنی رجوع کرنے کے آتے ہیں۔ یا ایالۃ سے ماخوذ ہے جس کے معنی سیاست اور تدبیر امور کے آتے ہیں[1]۔"

کتاب مبین میں لفظ تاویل انجام اور عاقبت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ھل ینظرون الا تأویلہ[2]"

زجاج اس کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے۔

ھل ینظرون الا ما یؤول الیہ امرھم من البعث[3]"

"کیا وہ منتظر ہیں اس چیز کے جس کی طرف ان کا معاملہ لوٹا یا جائے گا یعنی بعث اور حشر وغیرہ۔"

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا۔" فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر ذٰلک خیر واحسن تاویلاً[4]"

(ترجمہ) اگر تمہارا کسی امر میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی امر اچھا ہے اور انجام کے اعتبار سے سب سے بہتر ہے۔"

کلام کے معنی مرادی پر لفظِ تاویل ہمارے اصطلاحی معنی میں استعمال ہوا ہے چنانچہ آیات متشابہات کے بارے میں فرمایا۔" وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم یقولون آمنا بہ[5]"

---

[1] لسان العرب - ج:۱۱، ص: ۳۳
[2] الاعراف - آیت: ۵۳
[3] تاج العروس - ج: ۷، ص: ۲۱۵
[4] النساء - آیت: ۵۹، پارہ: ۵
[5] آل عمران - آیت: ۷

Marfat.com

(ترجمہ) اس کی تاویل کو نہیں جانتا مگر اللہ تعالیٰ اور پختہ علم رکھنے والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔"

تعبیر خواب کے لئے بھی قرآن مجید نے تاویل کا لفظ استعمال کیا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ قال یا ابت ھذا تاویل رؤیای من قبل[1]" یوسف علیہ السلام نے کہا یہ میرے خواب کی تعبیر ہے۔ جو میں نے بہت پہلے دیکھا تھا۔"

ابن منظور نے لسان العرب میں حضرت علی کا یہ قول نقل کیا ہے جو انھوں نے خوارج کے خلاف جہاد کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا۔" نحن ضربناکم علیٰ تنزیلہ۔ فالیوم نضربکم علیٰ تاویلہ[2]"

ہم نے اس سے پہلے تمہارے خلاف تلوار چلائی تھی کیونکہ تم تنزیل قرآن کے منکر تھے اب تمہارے خلاف اس لئے جہاد کر رہے ہیں کہ تم تاویل قرآن کے منکر ہو۔

تاویل وتفسیر کے مابین نسبت کیا ہے اس میں علماء کا کافی اختلاف رہا ہے۔

۱۔ علمائے لسان میں سے ابو العباس مبرد اور ثعلب نحوی وغیرہ نے کہا ہے کہ تاویل وتفسیر ایک حقیقت کے دو نام ہیں[3]۔

۲۔ امام راغب اصفہانی کا قول ہے کہ تفسیر عام ہے کتب الٰہیہ اور غیر الٰہیہ دونوں کے لئے لیکن تاویل کا لفظ صرف آسمانی کتابوں کے لئے خاص ہے۔ نیز یہ کہ تفسیر کا لفظ عموماً مفردات کی تشریح کے لئے استعمال ہوتا ہے جب کہ تاویل کا اطلاق جملوں پر ہوتا ہے[4]۔

۳۔ امام ابو منصور ماتریدی سے منقول ہے کہ تفسیر میں بتایا جاتا ہے کہ کلام الٰہی

---

[1] ۔ یوسف۔ آیت : ۱۰۰

[2] ۔ لسان العرب۔ ج : ۱۱، ص : ۳۳

[3] ۔ تفسیر مجمع البیان۔ ج : ۱، ص : ۲۷

[4] ۔ مفردات راغب اصفہانی ۔ ص : ۳۸۷

Marfat.com

سے قطعی مُراد کیا ہے اور تاویل میں قطعیت کے بغیر معانیٔ محتملہ میں سے کسی ایک کو ترجیح دیتے ہیں۔[1]

۴۔ شیخ سُلیمان جمل نے کہا ہے کہ تفسیر وہ ہے جس کا ادراک صرف نقل سے ہو سکے۔ مثلاً اسباب نزول اور نسخ کا علم وغیرہ اور تاویل وہ ہے۔ جس کا ادراک قواعد عربیّت سے ہو سکے گویا تفسیر کا تعلق روایت سے ہے اور تاویل کا تعلّق درایت سے۔[2]

۵۔ ابن جوزی فرماتے ہیں کہ تفسیر ابہام اور خفا سے معنی مرادی کو واضح کرتی ہے اور تاویل اس کو ظاہر معنی سے پھیر کر دُوسرے معنی کی طرف لے جاتی ہے جو دلیل کا محتاج ہے اگر دلیل کا اقتضاء نہ ہوتا تو اسے ظاہر پر چھوڑ دیا جاتا۔[3]

۶۔ سیّد مُرتضےٰ زبیدی نے ابن کمال کا قول نقل کیا ہے کہ آیت قُرآنی کو ظاہر معنی سے پھیر کر دُوسرے مفہوم کی طرف لے جایا جائے۔ بشرطیکہ وہ معنی محتمل کتاب و سُنّت کے موافق ہو۔ مثلاً "یخرج الحیّ من المیت" کا یہ مفہوم کہ اللہ تعالیٰ مُردہ انڈے سے زندہ جاندار نکالتا ہے۔ ظاہر تفسیر ہے اور اس کا یہ مفہوم کہ اللہ تعالیٰ مؤمن کو کافر سے اور عالم کو جاہل کی پُشت سے نکالتا ہے یہ اس کی تاویل ہے۔"[4]

۷۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی سورۂ قیامہ کی تفسیر کرتے ہُوئے تاویل، تفسیر اور تحریف کا فرق بیان کرتے ہُوئے فرماتے ہیں "تفسیر کلام عبارت است کہ سہ چیز در و مرعی باشد اوّل حمل کلمہ بر معنیٔ حقیقی خُود یا مجاز متعارف خُود دوم ملاحظہ سیاق و سباق آں کلمہ از اوّل تا آخر تا بے نسق و مختل نہ شود۔ سوم آنکہ فہم مُشاہدان

---

[1] مقدمہ تفسیر رُوح المعانی۔ از ص: ۴ تا ۶

[2] مقدمہ فتوحات الٰہیہ المعروف جمل علی الجلالین

[3] تاج العروس۔ ج: ۷، ص: ۲۱۵ ۔ زاد المسیر فی علم التفسیر۔ ص: ۴

[4] تاج العروس۔ ج: ۷، ص: ۲۱۵

Marfat.com

نزولِ وحی کہ حضرت پیغمبر علیہ السلام وصحابۂ کرام اند مخالف آں واقع نہ شدہ باشد و ہرگاہ یکے ازیں امورِ سہ گانہ فوت شود و دیگر باقی مانند آں را تاویل خوانند پس اگر اوّل فوت شود دوم و سوم برقرار مانند یا سوم فوت شود اوّل و دوم برقرار مانند آں را تاویل بعید گوید و ہرگاہ مجموع امورِ سہ گانہ فوت شود آں را تحریف و مسخ مے گویند[1]۔"

(ترجمہ) تفسیر وہ ہے جس میں کلمہ اپنے حقیقی یا مشہور مجازی معنی پر محمول ہو اس میں سیاق وسباق کی رعایت ہو تاکہ نظمِ قرآنی میں خلل واقع نہ ہو۔ صاحبِ وحی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابۂ کرام کی تفسیر کے خلاف نہ ہو اگر ان تین باتوں میں سے کوئی ایک پائی جائے تو اسے تاویل کہتے ہیں۔ اگر پہلی بات نہ ہو باقی دونوں باتیں پائی جائیں تو تاویل قریب ہے اگر دُوسرا وصف موجود نہ ہو، پہلا اور تیسرا وصف موجود ہو یا تیسرا وصف نہ ہو لیکن پہلا اور دُوسرا وصف موجود ہو تو اسے تاویل بعید کہتے ہیں اور اگر مجموعی طور پر تینوں باتیں نہ پائی جائیں تو اسے تحریف و مسخ کہیں گے۔"

۸۔ تاویل و تفسیر میں فرق کے متعلق علّامہ شہاب الدّین محمود آلوسی کی رائے یہ ہے کہ بادی النظر میں دیکھا جائے تو تاویل و تفسیر ایک دُوسرے کو لازم و ملزوم ہیں ہر کشف میں ارجاع و تاویل کا مفہوم پایا جاتا ہے اور ہر ارجاع و تاویل معنیٰ کشف کو لازم ہے البتّہ عرف کے اعتبار سے یہ فرق ہے کہ تفسیر مدلولِ ظاہر کا نام ہے اور تاویل سے مُراد وہ اشاراتِ قُدسیہ ہیں جو عالمِ غیب سے اہلِ سلوک کے دِلوں پر القاء کیے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صُوفیاءِ کرام کے اشارات کو عمُوماً تاویل سے تعبیر کیا جاتا ہے[2]۔"

اس سلسلے میں ہماری ناقص رائے یہ ہے کہ متاخرین کی اصطلاحات سے قطعِ نظر کرکے صرف محاورۂ قُرآن کو مدّنظر رکھا جائے۔ تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو بیان

---

[1] تفسیر فتح العزیز۔ ص: ۲۴۹، پارہ ۲۹:
[2] مقدمہ تفسیر رُوح المعانی۔

Marfat.com

ظاہر الفاظ کے موافق ہو وہ تفسیر ہے اور جو بیان خلاف ظاہر ہو مگر قواعد عربیت کے مطابق ہو چاہے وہ قطعی کیوں نہ ہو تاویل کہلاتا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے تینوں بظاہر خلاف شرع کاموں کی حکمتیں بیان کرنے کے بعد فرمایا تھا" ذٰلك تأويل مالم تسطع عليه صبرا"۔ لہ یہ ان کاموں کی تاویل ہے جن پر (اے موسٰی) آپ کو صبر کی طاقت نہ تھی"۔

پھر قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے متشابہات کے بارے میں فرمایا۔
"وما يعلم تأويله الا الله"۔ ان کی تاویل اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا"۔ اللہ تعالیٰ کے علم کی قطعیت تو شک و شبہ سے بالاتر ہے یہاں پر اسے بھی تاویل سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ البتہ یہ بات ضروری ہے کہ وہ ظاہر لفظ پر مبنی نہیں ہوتی بلکہ بطور اشارہ اخذ کی جاتی ہے۔

تفسیر اور تاویل میں مختلف نسبتیں ہو سکتی ہیں بعض اوقات ان میں صرف لفظی اور اعتباری فرق ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "ولم يلبسوا ايمانهم بظلم"۔ میں ظلم کی تاویل شرک سے فرمائی گو ظاہر مفہوم میں ظلم کا مفہوم صرف تعدی اور تجاوز عن الحد ہے لیکن چونکہ شرک میں تعدی عن الحد کا مفہوم بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔ اس لئے اس کی تاویل شرک سے کی گئی۔ بعض اوقات تفسیر و تاویل میں منافات ہوتی ہے نہ موافقت جیسا کہ مقام ابراہیم کی یہ تاویل کہ اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خلوص اور مقام خلت (اللہ تعالیٰ سے گہری دوستی) مراد ہے۔ یہ مفہوم ظاہر تفسیر کے منافی بھی نہیں اور کلی طور پر موافق بھی نہیں۔ صوفیاء کرام کی تاویلات زیادہ تر اسی مفہوم سے تعلق رکھتی ہیں۔ یاد رہے صوفیاء کرام کے نزدیک ظاہر آیات پر ایمان و یقین ضروری ہے جب کہ فرقہ باطنیہ ملاحدہ ظاہر معنی کا انکار کرتا ہے۔ ان کے نزدیک تمام

لہ۔ الکہف۔ آیت: ۸۲، پارہ: ۱۶۔ ۲ہ۔ آل عمران۔ آیت: ۷، پارہ: ۳
۳ہ۔ الانعام۔ آیت: ۸۳، پارہ ۔ ۴ہ۔ ترمذی جلد ثانی۔ ص: ۱۳۷

Marfat.com

آیات میں باطنی معنیٰ مُراد ہیں جو ظاہر الفاظ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے ایسی تاویلات جو ظاہر تفسیر کے بالکل منافی ہوں تحریف کہلاتی ہیں۔ مثال کے طور پر صراطِ مستقیم سے عقلِ محض مُراد لینا۔ انعمت علیھم کا مصداق دولت مندوں کو قرار دینا اقامت صلوٰۃ سے مُراد اصلاحِ معاشرہ اور ایتاءِ زکوٰۃ سے ظاہری صفائی و پاکیزگی کا مفہوم مُراد لینا یہ سب تاویلاتِ فاسدہ ہیں اور ناقابلِ اعتماد ہیں۔

مذکورہ بالا بحث کو ختم کرتے ہوئے اِس بات کا اظہار فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ مذکورہ بالا اختلاف علماء مفسّرین کے درمیان ہے۔ علماء متکلمین کے مابین اس سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں۔ تمام متکلمین اہلِ سُنّت کے نزدیک تاویل کا مفہوم یہ ہے کہ ان نصوص کو جن میں بظاہر ذاتِ باری کے متعلق تشبیہ کا شائبہ پایا جائے اُنھیں ظاہر معنیٰ کے بجائے ایسے معانی کی طرف پھیرنا جو ربّ تعالیٰ کی شانِ تنزیہ کے مناسب ہوں اسی بنا پر علماء متاخرین۔ "یداللہ مغلولۃ[1]، الرحمٰن علی العرش استویٰ[2]" میں تاویل سے کام لیتے ہیں اور متقدمین تفویض سے کام لیتے ہیں۔

تفسیر بالرائے

تفسیر بالرائے کے جواز و عدمِ جواز میں علماء کا بہت اختلاف رہا ہے جو حضرات اسے ناجائز سمجھتے ہیں۔ ان کے دلائل درج ذیل ہے۔

ا۔ تفسیر بالرائے میں ظن وتخمین سے کام لیا جاتا ہے اور اپنے قیاس سے مُرادِ خُداوندی کا تعیّن کیا جاتا ہے جو ارشادِ خُداوندی "وان تقولوا علی اللہ مالا تعلمون[3]" کی روشنی میں قابلِ مذمّت اور ممنوع ہے۔

---

[1] ۔ المائدہ۔ آیت: ۶۴ [2] ۔ طٰہٰ۔ آیت: ۵، پارہ: ۱۶
[3] ۔ الاعراف ۔ آیت: ۳۳

Marfat.com

۲۔ تفسیر بالرائے کے بارے میں احادیث میں سخت وعیدیں وارد ہیں چنانچہ حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ رسولِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ مقعدہ من النار"[1] جو شخص قرآن مجید کے متعلق صحیح علم کے بغیر کوئی بات کہے تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

اسی طرح حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے " من قال فی کتاب اللہ برأیہ فاصاب فقد اخطاء"[2] جس نے کتاب اللہ میں اپنی رائے سے بات کی اس نے خطا کی چاہے اس نے درست بات بھی کہی ہو۔

۳۔ صحابہ کرام اور تابعین عظام تفسیر بالرائے سے سخت گریز کرتے تھے چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور ارشاد ہے۔

ای ارض تقلنی وای سماء تظلنی اذا قلت فی کتاب اللہ برأیی او بمالا اعلم"[3]

کون سی زمین میرا بوجھ اٹھائے گی اور کون سا آسمان مجھ پر سایہ کرے گا۔ جب کہ میں کتاب اللہ کے بارے میں کوئی بات اپنی رائے یا صحیح علم کے بغیر کہوں۔

اسی طرح تابعین میں سے سعید بن مسیب، عامر بن شراحیل شعبی وغیرہ سے روایات ملتی ہیں کہ وہ تفسیر بالرائے کے قائل نہیں تھے یعنی وہ اس سے سخت گریز کرتے تھے۔

جو لوگ تفسیر بالرائے کے حق میں ہیں وہ ان دلائل کے جواب میں کہتے ہیں۔

۱۔ جہاں تک پہلی دلیل کا تعلق ہے اس کا جواب واضح ہے " ان تقولوا علی اللہ مالا تعلمون" سے مراد تفسیر بالرائے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف

۱۔ سنن ترمذی۔ ج: ۲، ص: ۱۲۳۔ التاج الجامع للاصول۔ ص: ۳۲

۲۔ سنن ابی داؤد۔ ج: ۲، ص: ۱۵۸

۳۔ مقدمہ تفسیر ابن کثیر۔ ص: ۵

Marfat.com

غلط باتوں کی نسبت کرنا ہے۔ مثلاً مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا وغیرہ مراد ہے۔ اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کا ردّ کیا جارہا ہے جو اللہ جلّ مجدہ کی طرف غلط امور کی نسبت کرتے ہیں۔ ورنہ جہاں تک اجتہاد اور تدبّر کا تعلّق ہے قرآن حکیم میں کہیں بھی اس کی ممانعت نہیں بلکہ ترغیب موجود ہے۔ ارشاد ربّانی ہے۔ افلا یتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیراً[1]

(ترجمہ) کیا وہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے اگر یہ کتاب غیر اللہ کی طرف سے نازل ہوتی تو اس میں بہت اختلاف پاتے۔"

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔ "کتاب انزلناہ الیک مبارک لیدبروا ایاتہ[2]" (ترجمہ) ہم نے آپ کی طرف بابرکت کتاب اتاری تاکہ اس کی آیات میں غور و فکر کریں۔" اس قسم کی بہت سی آیات ہیں جن میں تدبّر کی دعوت دی گئی ہے اگر تفسیر بالرائے کا دروازہ علی الاطلاق بند کر دیا جائے تو پھر تفکر اور تدبّر کے لیے کہاں گنجائش رہے گی۔

۲۔ جہاں تک روایات کا تعلّق ہے ان کے متعدد جوابات ہو سکتے ہیں۔

۱۔ ان حدیثوں میں متشابہاتِ قرآنی کی تفسیر بالرائے سے روکا گیا ہے۔ نہ کہ محکمات کی تفسیر سے (۲) یہاں پر رائے سے مراد اپنا نظریہ ہے۔ یعنی اپنی رائے اور نظریے کو اصل بنا کر قرآن کو اس کے تابع کر دینا۔ یہ حرام ہے نہ کہ مطلقاً رائے کا استعمال

۳۔ یہاں پر تفسیر بالرائے سے مخالفت اس صورت میں ہے جب کہ آدمی آثار و سنن میں مہارت حاصل کئے بغیر تفسیر شروع کر دے یا ظاہر تفسیر کو سمجھے بغیر باطن معنی کے اشارات بیان کرنا شروع کر دے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص دروازے

---

[1] ۔ سورۃ النساء ۔ آیت : ۸۲
[2] ۔ سورۃ ص ۔ آیت : ۲۹

Marfat.com

سے گزرے بغیر وسط مکان تک پہنچنے کا دعویٰ کرے[۱]۔ صحابہ کرام اور تابعین سے جو تفسیر بالرائے کی مذمت مروی ہے اس کا مفہوم بھی یہی ہے کہ ظاہر تفسیر کو سمجھے بغیر محض ظن و تخمین سے قرآن مجید کی تفسیر کرنا ان حضرات کو پسند نہیں تھا نہ یہ کہ رائے اور فکر کا استعمال ممنوع ہے۔

محاکمہ

ہمارے خیال میں تفسیر بالرائے کے جواز و عدم جواز میں علماء مفسّرین کا اختلاف محض رسمی اور لفظی ہے۔ جو حضرات تفسیر بالرائے کے مخالف ہیں وہ اس رائے کے خلاف ہیں جو نقلِ صحیح کے مخالف ہو اور جو حضرات تفسیر بالرائے کے حق میں ہیں ان کے نزدیک تفسیر بالرائے سے مقصود قرآن فہمی کے لئے عقل و رائے کا صحیح استعمال ہے۔

تفسیر بالرائے کے حسب ذیل اقسام کے ممنوع ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

۱۔ علوم ضروریہ میں مہارت حاصل کئے بغیر تفسیر کرنا۔

۲۔ آیات متشابہات کی اپنی رائے سے تفسیر کرنا ایسی رائے کو قرآن نے اہلِ زیغ (ٹیڑھے دل والے) کا حصہ قرار دیا ہے۔

۳۔ اپنی رائے کو اصل قرار دے کر قرآن کو اس کے تابع بنا کر تفسیر کرنا۔ جیسا کہ دورِ حاضر کے بعض نام نہاد مفسّرین کا وطیرہ ہے۔

آخر میں اس بات کا ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ نواب صدّیق حسن مرحوم نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں تفسیر بالرائے کے مذکورہ بالا اقسام تو اتقان اور کشف الظنون وغیرہ سے نقل کئے ہیں لیکن ان کے بعد تفسیر بالاستحسان والھوی والتقلید کہہ کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ ائمہ کرام کی پیروی کرنے والے جن لوگوں نے قرآنی آیات کی تشریح کی ہے وہ بھی تفسیر بالرائے کے زمرے میں داخل ہیں حالانکہ انصاف کی بات

---

[۱] ۔ احیاء العلوم ۔ ص: ۲۶۲، جلد اوّل

Marfat.com

یہ ہے کہ اگر ائمہ اربعہ کے مقلدین نے آیات احکام کی تشریح میں اپنے اپنے امام کے اصول استنباط کی پیروی کی ہے۔ تو نواب صاحب موصوف نے بھی اپنی تفسیر میں علامہ شوکانی صاحب فتح القدیر (تفسیر) کی تقلید فرمائی ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی تفسیر قاضی شوکانی کی تفسیر کی تلخیص ہے۔ اور اس میں سلفی علماء کے اصول کو اپنانے کا التزام کیا گیا ہے لہذا ائمہ اربعہ کے مقلدین پر نواب صاحب کی برہمی اور خفگی بے معنی اور بے مقصد ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم

علومِ قرآنِ حکیم

قرآنی علوم کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ کوئی نہ تو ان کا احاطہ کر سکتا ہے نہ ہی ان کی فہرست تیار کر سکتا ہے۔ البتہ ان علوم کے اصول و انواع کو بیان کیا جا سکتا ہے ہم اس بارے میں علما کی چند آراء پیش کرنے کی سعی کریں گے۔ اور آخر میں اپنے قول مختار کی وضاحت کریں گے۔ ہم نے اس سلسلے میں علّامہ زرکشی کی البرہان اور شاہ ولی اللہ کی الفوز الکبیر کو پیشِ نظر رکھ کر بحث کی ہے تفصیل مطلوب ہو تو البرہان اور الفوز الکبیر کی طرف رجوع کیا جائے۔

۱۔ مشہور مفسّر محمّد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) نے کہا ہے کہ قرآن کے بنیادی مضامین تین ہیں۔ ۱۔ توحید ۲۔ اخبار ۳۔ دیانات

۲۔ قاضی ابوبکر ابن العربی المالکی (متوفّٰی ۵۴۲ھ) نے کہا ہے کہ ویسے تو قرآنی علوم ستّر ہزار چار سو پچاس (۷۰۴۵۰) ہیں لیکن ان کے بنیادی انواع تین ہیں۔ ۱۔ توحید ۲۔ تذکیر ۳۔ احکام

۳۔ علّامہ ابوالحکم بن برجان (متوفی ۶۲۷ھ) نے کہا ہے کہ قرآن کے بنیادی مضامین تین ہیں۔ ۱۔ علم اسماء وصفات ۲۔ علمِ نبوت و براہین نبوّت ۳۔ علم تکالیف شرعیہ"

۴۔ علی بن عیسٰی رمانی (متوفّٰی ۳۸۴ھ) نے علوم کی تقسیم اس طرح کی ہے۔ اعلام، تنبیہ، امر، نہی، وعد و وعید، وصف جنّت و نار، اسماء وصفاتِ الٰہیہ کا اقرار،

Marfat.com

انعاماتِ الٰہیّہ کا اقرار، مخالفین اور ملحدین کا رد، فساق و فجار کی مذمت وغیرہ۔

مذکورہ بالا چار اقوال کے علاوہ اور بھی بہت سے اقوال ہیں، لیکن ان سب میں یہی نقص ہے کہ اِن میں بعض اہم علوم کو چھوڑ دیا گیا ہے اور نسبتاً کم اہم علوم کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

ان تمام اقوال میں قاضی ابُوبکر ابن العربی کا قول زیادہ قرین صواب ہے لیکن اس میں بھی جامعیت نہیں۔ عقائد میں سے صرف توحید کا نام لیا گیا ہے اس کے علاوہ رسالت و نبوّت اور آخرت کے عقیدے کا ذکر نہیں کیا گیا۔

علمائے متاخرین میں سے حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق اس قابل ہے کہ اسے قدرے تفصیل سے بیان کیا جائے۔

ولی اللّٰہی تقسیم

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے الفوز الکبیر میں علومِ قرآنیہ کے حسب ذیل اقسام شمار کئے ہیں۔

۱۔ علم الاحکام ۲۔ علم المخاصمہ بالکفّار ۳۔ علم التذکیر بآلاء اللہ ۴۔ علم التذکیر بایام اللہ ۵۔ علم التذکیر بالموت وما بعد الموت۔

۱۔ علم الاحکام

احکام سے مُراد ان تمام مسائل کا بیان ہے جن کا تعلّق عبادت، معاملات، تہذیبِ نفس، تدبیرِ منزل اور سیاست مدنیہ سے ہے قرآن مجید نے ان احکام کو متفرق طور پر بیان کیا ہے۔ فقہاءِ کرام کی تحقیق کے مطابق تقریباً پانچ سو آیات ایسی ہیں جن میں احکام کو بیان کیا گیا ہے۔

Marfat.com

۲۔ علم المخاصمہ

علم المخاصمہ یہ بھی قرآن کا اہم موضوع ہے۔ قرآن مجید نے مشرکین، یہود ونصاریٰ اور منافقین کے عقائد واعمال کا رد کیا ہے اور ان کے خود ساختہ دلائل کی تردید کی ہے۔

۳۔ علم التذکیر بالآء اللہ

علم التذکیر بالآء اللہ سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلاکر اسکی ربوبیت اور توحید کو ثابت کیا ہے یہ موضوع قرآن مجید کی متفرق آیات میں موجود ہے۔ خاص طور پر سورہ رحمٰن کا موضوع ہی تذکیر بالآء اللہ ہے۔

۴۔ علم التذکیر بایام اللہ

علم التذکیر بایام اللہ سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید نے قوموں کے عروج وزوال کا حال بیان کیا ہے منکرین کی تباہی وبربادی کا منظر پیش کرکے عبرت پر زور دیا ہے

۵۔ علم التذکیر بالموت وبما بعد الموت

علم التذکیر بالموت وبما بعد الموت اس موضوع پر بھی قرآن مجید نے موت اور اس کے بعد پیش آنے والے احوال کو انتہائی مؤثر اور عبرت آموز انداز میں پیش کیا ہے اور یہ بھی قرآن حکیم کا مستقل موضوع ہے۔ ہمارے خیال میں محدث دہلوی کی یہ تقسیم نسبتاً جامع اور آسان ہے۔ لیکن اس پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس تقسیم میں بنیادی عقائد توحید، رسالت اور آخرت کا ذکر نہیں؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے علم المخاصمہ کا نام لیا ہے

Marfat.com

قرآن مجید جب مُشرکین اور کفار کے ساتھ مباحثہ فرماتا ہے تو ان کے کُفریہ عقائد کی تردید کے ساتھ اسلام کے عقائدِ حقّہ کو بھی بیان کر دیتا ہے۔ شِرک، انکارِ نبوّت اور انکار آخرت کی تردید کے ساتھ توحید، رسالت اور اقرار آخرت کا بیان بھی موجُود ہے۔ اِس لِئے یہ تقسیم کافی حد تک جامع و مانع ہے۔

رہی مکمل طور پر جامع و مانع تقسیم تو وہ اِنسان کے اِختیار میں نہیں کیُونکہ قرآنی علوم کا احاطہ ناممکن ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں آتا ہے۔ لا تشبع منہ العلماء ولا یخلق عن کثرۃ الرد ولا ینقضی غرائبہٗ "علماء اس کتاب سے شکم سیر نہیں ہوں گے۔ بار بار کے تکرار سے یہ کتاب بوسیدہ نہیں ہوگی اور اس کے غرائب ختم نہیں ہوں گے۔ بقول شاعر:

جمیع العلم فی القرآن لکن تقاصر عنہ افہام الرجال

قُرآن میں تمام علُوم موجُود ہیں لیکن ان کے ادراک سے انسانی عقول عاجز ہیں۔

صحیح اُسلُوبِ تفسیر

علماء و مفسّرین نے تفسیر قرآنی کے صحیح اُسلُوب کے لِئے کچھ اصول و ضوابط بیان فرمائے ہیں قُرآن مجید کی تفسیر کرتے وقت ان کی رعایت ضروری ہے۔ تاکہ اِنسان تفسیر قرآن میں قدم قدم پر ٹھوکریں کھانے سے بچ جائے۔

۱۔ مفسّر کو چاہیئے کہ سب سے پہلے قرآن کی تفسیر خُود قرآن سے تلاش کرے۔ قُرآن ایک جگہ اجمال سے کام لیتا ہے تو دُوسری جگہ تفصیل فرما دیتا ہے۔

مثلاً۔ سورۃ فاتحہ میں تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرو۔" اھدنا الصّراط المستقیم۔" اے اللہ ہمیں سیدھی راہ پر چلا ان لوگوں کی راہ جن پر تُو نے انعام کیا ہے۔" یہاں پر انعام یافتہ لوگوں کی تفصیل بیان نہیں کی گئی۔ سورۃ نساء میں اس کی وضاحت فرما دی گئی ہے کہ یہ چار گروہ ہیں۔ ۱۔ انبیاء کرام ۲۔ ان کی سب سے

Marfat.com

پہلے تصدیق کرنے والے صدیقین ۳- اللہ کی راہ میں جان کا نذرانہ پیش کرنے والے شہداء کرام ۴- نیکو کار صالحین۔ اس طرح سورۂ نساء کی آیت سے سورۂ فاتحہ کے مضمون کی تفصیل معلوم ہوگئی۔

۲- کتاب اللہ میں تشریح نہ ملے تو سُنّت نبویّہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف رجوع کیا جائے۔ سُنّت نبویّہ قرآن حکیم کی تفسیر ہے۔

احادیث طیبہ میں قرآن حکیم کی تفسیر مل جاتی ہے اس سے یہ مقصود نہیں کہ صرف صحیح بخاری اور ترمذی کی کتاب التفسیر کو تفسیر قرآن قرار دیا جائے۔ بلکہ انصاف کی بات یہ ہے کہ تمام ذخیرۂ احادیث میں آیات قرآنی کی تشریح و تفصیل طلب کی جائے۔ مثلاً آیت وضو کی تفسیر میں وہ ساری احادیث آجاتی ہیں جن کا تعلق وضو اور طہارت سے ہے اسی طرح واقیموا الصّلوٰۃ کی تفسیر میں وہ ساری احادیث آجاتی ہیں جن کا تعلق نماز کے فرائض، شرائط سنن، آداب و مستحبات وغیرہ سے ہے۔ آیاتِ حج کی تفسیر میں وہ ساری احادیث آجاتی ہیں جو کتب حدیث میں کتاب الحج کے عنوان کے تحت جمع کر دی گئیں ہیں۔ (اس کی مزید تفصیل تفسیر ماثور کے باب میں ملاحظہ فرمائیں)

۳- سنت مرفوع کے بعد مفسّر کو چاہیئے کہ وہ اقوال صحابہ سے مدد لے۔ صحابۂ کرام کی آنکھوں کے سامنے قرآن مجید کا نزول ہُوا۔ اسبابِ نزول ان کے سامنے تھے۔ وہ فیض صحبت کی برکت سے قرآنی حقائق کو بہتر جانتے تھے۔ اس لیئے ان کے اقوال کی طرف رجوع کرنا فہم قرآن کے لیے ضروری ہے۔

۴- اقوالِ صحابۂ کرام کے بعد تابعین اور تبع تابعین کی تفاسیر کی طرف رجوع کیا جائے اور فہم قرآن میں ان سے مدد لی جائے۔ یہاں پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ اقوال تابعین کو فقہاء نے احکام فرعیہ میں حجّت نہیں مانا تو وہ تفسیر میں کیونکر حجت بن سکتے ہیں۔؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اقوال تابعین کی طرف رجوع کرنے کا مقصد فہم قران میں ان سے مدد لینا ہے نہ یہ کہ ان کے اقوال کو مسائل و احکام کے لیے حُجّت قطعیہ تسلیم کیا جائے۔

Marfat.com

چونکہ تابعین عظام نے صحابہ کرام سے استفادہ کیا ہے اس لیے تفسیر قرآن میں ان کے قول کو ضرور اہمیت حاصل ہے اگرچہ اسے حجت قطعی کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔

۵۔ قرآنی مفردات کی تحقیق بھی فہم قرآن کے لیے ضروری ہے۔ اس سلسلے میں شعراء عرب کے کلام سے بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے کہ خالص عربی شاعر ان مفردات کو کن مضامین میں استعمال کرتے تھے۔ نیز مفردات پر علماء نے جو کتابیں لکھی ہیں ان کی طرف بھی مراجعت ضروری ہے مثلاً مجاز القرآن ابو عبیدہ اور مفردات امام راغب اصفہانی وغیرہ

۶۔ مفسر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسباب نزول کا علم رکھتا ہو کیونکہ قرآن حکیم کا نزول جس تاریخی پس منظر میں ہوا اس کو سمجھے بغیر تفسیر کرنا مشکل کام ہے۔ علماء نے اسی ضرورت کے پیش نظر اسباب نزول کے موضوع پر کتابیں لکھی ہیں مثلاً لباب النقول علامہ سیوطی اور اسباب النزول علامہ واحدی وغیرہ۔

۷۔ مفسر کے لیے ضروری ہے کہ وہ ناسخ و منسوخ کا علم رکھتا ہو۔ تاکہ تفسیر آیات میں صحیح راہ سے بھٹک نہ جائے۔ ناسخ و منسوخ کو سمجھے بغیر تفسیر کرنے سے بہت سی گمراہیوں کا دروازہ کھل سکتا ہے۔ اس لیے علماء مفسرین نے ناسخ و منسوخ کے علم کو مفسر کے لیے لازمی قرار دیا۔ اور ان تمام شبہات کا ازالہ بھی کیا جو یہود و نصاریٰ اور بعض مستشرقین نے مسئلہ نسخ پر وارد کیے ہیں ان کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد تفسیر کی طرف رخ کرنا چاہیے

ہم نے اس مقدمہ میں تفسیر کا مفہوم، مختصر تعارف، تاویل و تفسیر کا فرق اور تفسیر بالرائے پر مختصر بحث کی ہے۔ آخر میں شرائط تفسیر کو بیان کیا ہے۔

اس مقدمہ سے علم تفسیر کے بارے میں پڑھنے والے کے ذہن میں اجالا کرنا مقصود ہے۔ تاکہ آئندہ آنے والی بحثیں با آسانی سمجھ آ جائیں۔

ہم اس کے بعد تفسیر بالماثور پر کلام کریں گے۔ تفسیر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور تفسیر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کا ذکر کریں گے۔ اس طرح تفسیر کے پہلے دور کی حسین

Marfat.com

تجلّی پڑھنے والے کے دل و دماغ کو مزید جِلا بخشے گی۔

مُشتاق احمد چشتی عفی عنہٗ
خادم حدیث شریف و نائب مہتمم
مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم۔ مُلتان

Marfat.com

باب اوّل

تفسیر بالماثور

تفسیر بالماثور تفسیرِ قرآن حکیم کا پہلا دور ہے جو زمانۂ نزولِ قرآن حکیم سے لیکر تقریباً تیسری صدی ہجری تک پھیلا ہُوا ہے۔ تیسری صدی ہجری کے بعد فلسفہ یونان کے اثر سے مناہجِ تفسیر میں بھی تبدیلی آگئی۔ تفسیر ماثور کے دور پر تفصیلی تبصرہ سے پہلے ہم اسے حسب ذیل حصّوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

(ا) عہدِ رسالت مآب صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم جس میں قرآن مجید کا نزول ہُوا اور شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام نے اپنے قول و عمل سے قرآن کی تشریح فرمائی۔

(ب) صحابۂ کرام اور تابعین کا دور۔ صحابۂ کرام نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے جو علوم قرآنیہ حاصل کئے اور اُنھیں تابعین عظام تک پہنچایا اسی دور کے تفسیری کام پر تبصرہ کیا جائے گا۔ انشاء اللہ العزیز

(ج) تفسیر ماثور کی باقاعدہ تدوین کا دور جب علم تفسیر نے کتابی شکل اختیار کی اور اسے ایک مستقل اور باقاعدہ فن کی حیثیت حاصل ہوگئی۔

تفسیر ماثور عہدِ رسالت مآب علیہ الصلٰوۃ والسلام میں

یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ خاتم النبیین صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نظمِ قرآن پہنچانے

Marfat.com

کے ساتھ معنیٰ قرآن بھی اُمت تک پہنچایا۔ اسی حقیقت کی طرف قُرآن مجید میں ان الفاظ کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے: "ان علینا جمعہ وقرآنہ فاذا قرأناہُ فاتبع قرآنہ ثم ان علینا بیانہ[۱]"۔ بیشک قُرآن کو آپ کے سینے میں محفوظ کرنا اور آپ کا اسے پڑھنا ہمارے ذمہ ہے تو جب ہم اسے پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں پھر ہمارے ذمہ ہے اس کا بیان"

یہاں پر بیان قرآن کو نظمِ قرآن کی طرح اللہ نے اپنے ذمہ لیا ہے لہٰذا نظم قرآن کی طرح بیان قرآن بھی حُجت شرعیہ ہے۔

قرآن مجید میں ایک مقام پر ارشاد فرمایا۔ "وانزلنا الیك الذکر لتبین للناس ما نزل الیهم ولعلهم یتفکرون[۲]"

(ترجمہ) ہم نے آپ کی طرف ذکر کو نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے بیان فرمائیں جو ان کی طرف اُتارا گیا ہے تاکہ وُہ خود بھی غور و فکر سے کام لیں"

یہاں پر قرآن مجید کی تشریح کو منصب پیغمبر صلّی اللہ علیہ وسلّم قرار دیا گیا ہے ساتھ ہی اُمّت کو غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔ یعنی نظمِ قرآن اور تشریح رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وسلّم کی روشنی میں اُمّت بھی غور و فکر کر کے مسائل کا استنباط کر سکتی ہے۔ غرضیکہ یہ حقیقت ناقابل تردید ہے کہ حضُور شارع علیہ الصّلوٰۃ والسّلام قُرآن مجید کے سب سے پہلے مفسّر ہیں۔ آپ کا بیان آپ کا قول۔ آپ کی سُنّت۔ آپ کی احادیث تمام تفاسیر کی صحت جانچنے کے لیے کسوٹی کا درجہ رکھتی ہیں سُنّت رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم اور قُرآن مجید کے گہرے ارتباط کے پیشِ نظر صحابۂ کرام نے تشریح سُنّت کو حُکم قرآن سے تعبیر فرمایا۔ چنانچہ مشہور روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت

۱۔ سُورۃ قیامہ۔ آیت: ۱۷تا ۱۹، پارہ ۲۹۔
۲۔ سُورۃ النحل۔ آیت: ۴۴۔

Marfat.com

میں ایک عورت حاضر ہوئی اُس نے پُوچھا سُنا ہے کہ آپ ان عورتوں پر لعنت بھیجتے ہیں جو اپنے جسم میں نیل بھراتی ہیں یا دُوسروں کے جسم میں نیل بھرتی ہیں آپ نے فرمایا میں ان پر لعنت کیوں نہ کروں جن پر قرآن نے لعنت کی ہو۔ مسلمان خاتون نے عرض کیا قرآن مجید تو میں نے بھی پڑھا ہے لیکن ان عورتوں پر لعنت کا ذکر کہیں نہیں آیا۔ آپ نے فرمایا اگر تم سوچ سمجھ کر قرآن مجید پڑھتی تو میری بات کی تصدیق کرتی۔ کیا قرآن حکیم نے یہ نہیں فرمایا کہ تمھیں اللہ کا رسُول جو کچھ عطا کرے لے لو اور جس چیز سے منع کرے رُک جاؤ۔ لہٰذا رسُولِ خدا کی نہی اللہ کی نہی ہے اور رسُول پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کا ان عورتوں پر لعنت فرمانا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا لعنت فرمانا ہے[1]۔"

اسی طرح عبدالرحمٰن بن یزید کا واقعہ ہے انھوں نے ایک شخص کو احرام کی حالت میں سلے ہُوئے کپڑے پہنے دیکھا تو منع فرمایا۔ اس نے پُوچھا قرآن مجید میں کہاں ہے آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ ما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوا[2]۔" اللہ کا رسُول جو کچھ تمھیں عطا کرے لے لو اور جس چیز سے منع کرے باز آجاؤ[3]۔"

ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی تشریحات کو اسی طرح حجت مانتے تھے جس طرح نظمِ قرآن کو۔ انھیں اگر فہم قرآن حکیم میں دشواری پیش آتی تو بارگاہِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف رجوع کرتے اور جواب شافی پاکر مطمئن ہوتے۔

تفسیر رسُول مقبُول صلی اللہ علیہ وسلّم کی چند مثالیں

صحیح بخاری میں ہے جب سورۃ انعام کی آیت "الذین آمنوا ولم

---

[1] ۔ الموافقات للشاطبی۔ ج: ۴، ص: ۲۵۔
[2] ۔ سُورۃ الحشر۔ آیت: ۷، پارہ ۲۸۔
[3] ۔ الموافقات للشاطبی۔ ج: ۴، ص: ۲۵۔

Marfat.com

یلبسوا ایمانھم بظلم اولئك لھم الامن وھم مھتدون۔"
نازل ہوئی (ترجمہ) جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کو نہ ملایا تو ان کے لئے امن ہے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ اس پر صحابہ کرام کو تشویش لاحق ہوئی کہ تھوڑا بہت ظلم تو ہر انسان سے ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں امن اور ہدایت سے محرومی ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنا اشکال عرض کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہاں[1] ظلم سے مراد شرک ہے جیسا کہ سورۂ لقمان میں ہے۔

"ان الشرك لظلم عظيم" یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

۲۔ جب سورۂ برأت کی یہ آیت " والذین یکنزون الذھب والفضة ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم۔"
نازل ہوئی (ترجمہ) جو لوگ سونا چاندی جمع رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خبر سنادیں۔" صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا کیا مطلب ہے تو جواب ملا کہ جمع رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ نہ دی جائے پھر مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔" ان اللہ لم یفرض الزکوٰۃ الا لیطیب بھا ما بقی من اموالکم[2]۔"
اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اس لئے فرض کی ہے تاکہ باقی مال بھی پاک ہو جائے۔

۳۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن جس کا حساب ہوگا سمجھ لو کہ وہ ہلاک ہو گیا۔ اس پر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن تو کہتا ہے۔ فاما من اوتی کتابہ بیمینہ۔ فسوف یحاسب حسابا یسیراً[3]۔" (ترجمہ) جس کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ

---

[1] صحیح بخاری۔ ج:۲، ص: ۶۶۲
[2] تفسیر ابن کثیر۔ ج: ۲، ص: ۳۵۱
[3] سورۃ الانشقاق۔ آیت: ۷، ۸

Marfat.com

میں دیا گیا تو اس کا حساب آسان ہوگا مگر آپ فرماتے ہیں کہ جس کا حساب ہُوا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ حضور رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وسلّم نے آیت قرآنی کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ عرض اعمال ہے اس میں مومن کافر سب برابر ہیں۔ البتہ حساب میں مناقشہ صرف کفار سے ہوگا۔ اور وہ ہلاک ہوں گے[1]۔

اس طرح آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عائشہ صدیقہ کے اشکال کا جواب بھی عطا فرمایا اور آیت کریمہ کے مفہوم کی وضاحت بھی فرمادی۔

۴۔ مسند احمد میں ہے حضرت سیّدنا صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ کو آیت کریمہ "من یعمل سوءً یجز بہ[2]" جس نے بُرا عمل کیا اسے سزا دی جائے گی۔ کے بارے میں اشکال ہُوا کہ یہاں پر سوءً فرمایا گیا ہے۔ اس میں چھوٹی بڑی غلطی آجاتی ہے۔ اس طرح اُمّت کو ہر چھوٹے بڑے گناہ پر سزا ملے گی جو شانِ رحمت و مغفرت کے منافی ہے۔ حضور رحمۃ اللعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا یہاں پر جزا سے اخروی سزا مُراد نہیں بلکہ دُنیاوی تکلیفیں، پریشانیاں، بیماریاں وغیرہ مُراد ہیں۔ جو انسانی گناہوں کے لِئے کفارہ بن جاتی ہیں[3]۔

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم قرآن مجید کے مجملات کی تفصیل و تفسیر بھی بیان فرمادیتے تھے۔ چُنانچہ سورۂ بقرہ میں خیط ابیض و اسود کے بارے میں فرمایا کہ یہاں پر رات کی تاریکی اور دن کی سفیدی مُراد ہے[4]۔

سورۂ انعام میں "او یأتی بعض آیات ربك" سے مُراد سُورج کا مغرب سے طلُوع کرنا ہے۔[5]

۱۔ صحیح بخاری (مجتبائی) ج: ۲، ص: ۳۶۰

۲۔ سورۃ النساء۔ آیت: ۱۲۳

۳۔ مسند احمد۔ ج: ۱، ص: ۱۸۔ کنز العمال۔ ج: ۲، ص: ۲۴۹

۴۔ فتح الباری۔ ج: ۸، ص: ۱۴۲ ۵۔ ترمذی۔ ج: ۲، ص: ۱۳۸

Marfat.com

للذین احسنوا الحسنیٰ و زیادۃ" میں زیادہ سے مُراد دیدارِ الٰہی ہے۔[1]"

تفسیرِ رسُولِ مقبُول صلی اللہ علیہ وسلم کی خصُوصیات

۱۔ صحابۂ کرام کو جہاں کہیں قرآن فہمی میں دقت پیش آتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو نہایت عمدہ انداز میں حل فرما دیتے تھے۔ اور اُنھیں قرآنی آیات کی تفسیر عام فہم انداز میں سمجھا دیتے۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تفسیر آیات میں اطناب اور طوالت کی بجائے جامعیت اور اختصار سے کام لیتے اور مخاطبین کی اِستعداد کو مدِّ نظر رکھتے۔

۳۔ بعض اوقات ایسا ہوتا کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اولاً ایک مسئلہ بیان فرماتے پھر آخر میں آیت پڑھ دیتے اس طرح وہ آیت اس مسئلے کے لئے دلیل بھی بن جاتی اور وہ مسئلہ آیت کی تفسیر بن جاتا۔

حضرت علی مُرتضےٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار رسُولِ پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام جنت البقیع میں تشریف فرما تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی دیر چھڑی سے زمین کو کریدا اور پھر سر اُٹھا کر یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کا ٹھکانہ پہلے سے لکھ دیا گیا ہے۔ اور یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ کون جنتی ہوگا اور کون ناری ہوگا۔ صحابۂ کرام نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر ہم اپنے نوشتے پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں۔ جو سعادت مند ہے وہ از خود سعادت مند بن جائے گا۔ اور جو شقی ہے وہ از خود شقی ہو جائے گا۔ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ "اعملوا فکل میسرٌ لما خلق لہ" عمل کیے جاؤ ہر شخص کے لئے وہی عمل آسان کیا جاتا ہے جس کے لئے وہ پیدا ہوا۔ اہلِ سعادت کو نیک اعمال

---

[1] اعلام الموقعین۔ ج:۲، ص:۲۹۵ و ترمذی۔ ج:۲، ص:۱۴۲

Marfat.com

کی توفیق ملتی ہے اور اہل شقاوت کا میلان برے اعمال کی طرف ہوتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ اللیل کی یہ آیات تلاوت فرمائیں "فاما من اعطی واتقی وصدق بالحسنیٰ فسنیسرہ للیسریٰ واما من بخل و استغنیٰ وکذب بالحسنیٰ فسنیسرہ للعسریٰ (ترجمہ) جس نے اللہ کی راہ میں مال دیا، خدا سے ڈرا اور ہر اچھے کلمے کی تصدیق کرتا رہا اس کے لئے ہم جنت کا راستہ آسان کردیں گے اور جس نے بخل کیا اور اللہ سے بے پرواہ بنا اور ہر اچھے کلمے کو جھٹلاتا رہا تو اس کے لئے جہنم کا راستہ آسان بنا دیں گے"[ل] اس سے مسئلہ تقدیر پر قرآن مجید سے استدلال فرمایا اور اپنی حدیث سے آیت قرآنی کی تفسیر و تشریح کردی۔

۴۔ علماء مفسرین کا اتفاق ہے کہ سند صحیح کے ساتھ جب حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی آیت کی تفسیر منقول ہو۔ تو اسے چھوڑ کر کوئی اور تفسیر کرنا درست نہیں۔ تفسیر کی تمام اقسام میں سے یہ خصوصیت صرف تفسیر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ اس کے مقابلے میں کوئی دوسری تفسیر تسلیم نہیں کی جاسکتی۔

تفسیر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کتابی شکل میں؟

تفسیر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کتابی شکل میں مرتب و مدون ہونا ثابت نہیں۔ صحابۂ کرام دوسری احادیث کی طرح تفسیری روایات کو بھی اپنے سینوں میں محفوظ رکھتے تھے۔ یہ روایات طبقۃً بعد طبقۃٍ کتب حدیث میں جمع ہوئیں ارباب صحاح میں سے امام بخاری اور امام ترمذی نے الگ کتاب التفسیر کے عنوان کے تحت مختلف سورتوں کی تفسیری روایات کو جمع کیا۔ امام مسلم نے بھی کتاب التفسیر کا عنوان قائم کیا لیکن

ل۔ فتح الباری۔ ج: ۸، ص: ۵۰۵

Marfat.com

نسبتاً کم حدیثیں لے آئے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ" امام بخاری نے کتاب التفسیر میں پانچ سو اڑتالیس
ایسی احادیث روایت کی ہیں جو مرفوع ہیں یا حکم مرفوع میں ہیں ان میں سے چار سو پینسٹھ
روایات موصول ہیں باقی معلق ہیں[1]۔

امام حاکم نے بھی مستدرک میں کتاب التفسیر کے تحت احادیث جمع کی ہیں جن میں موقوف
مقطوع، معضل، مرسل، تمام قسم کی روایات ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اتقان کے
آخر میں تفسیری روایات مرفوعہ کو چھانٹنے کی کوشش کی ہے لیکن اس مجموع میں بھی صحیح، حسن
ضعیف تمام اقسام کی روایات ہیں[2]"

علامہ واحدی نے تفسیر النبی کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اسی طرح سید
بن ابراہیم المعروف بابن الوزیر (متوفی ۸۴۰ھ) نے بھی تفسیری روایات مرفوعہ کو تفسیر النبی
کے عنوان سے جمع کیا ہے۔ صاحب کشف الظنون نے ثعلبی کے حوالے سے تفسیر النبی
ذکر کیا ہے۔ یہ ابوالحسن محمد بن قاسم کی تالیف ہے۔

لیکن آج تک کوئی ایسی مرتب شدہ کتاب ہمارے علم میں نہیں جس میں صرف
احادیث مسندہ مرفوعہ کے ساتھ قرآن مجید کی تفسیر کی گئی ہو کتب تفسیر میں احادیث
کے ساتھ موقوف اور مقطوع روایات بھی ملتی ہیں اور جو روایات مرفوعہ ملتی ہیں ان
صحت سند کا التزام نہیں کیا گیا غالباً اسی بنا پر امام احمد نے فرمایا تھا" تین قسم کی
ایسی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں۔ ۱۔ مغازی ۲۔ ملاحم ۳۔ تفسیر۔ علامہ بدر الدین زرکشی
علماء حنابلہ کے حوالے سے کہا ہے کہ اس سے امام احمد کی مراد یہ ہے کہ تفسیری کتب
کی اسناد صحیحہ متصلہ ہوں کم ہیں ورنہ فی الجملہ روایات صحیحہ تو کافی ہیں[3]"

---

[1] فتح الباری۔ ج: ۸، ص: ۶۰۵

[2] الاتقان۔ ج: ۲، ص: ۲۰۵

[3] البرھان۔ ج: ۲، ص: ۱۵۹

Marfat.com

متفرق طور پر احادیث ماثورہ دیکھنا ہوں جن کا تعلق تفسیر سے ہے تو تفسیر ابن جریر، ابن ابی حاتم، مسند احمد، مستدرک حاکم، اور معجم طبرانی میں متفرق طور پر ایسی احادیث بکثرت موجود ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے تفسیر ابن جریر میں روایت منقول ہے "ماکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یفسر شیئاً من القرآن الا آیات بعدد علمھن جبریل ایاہ" حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی انہی معدودے چند آیات کی تفسیر فرماتے تھے جن کی تعلیم جبریل نے دی تھی۔ اس روایت سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے سوائے معدودے چند آیات کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی تفسیر ثابت نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو یہ روایت سند کے اعتبار سے قابل اعتماد نہیں اس کی سند میں ایک صاحب جعفر بن محمد زبیری ہیں جن کے متعلق ابن جریر خود کہتے ہیں۔ "لان راویہ ممن لا یعرف فی اھل الآثار"[1]

اس کا راوی اہل آثار میں معروف نہیں (بلکہ منکر ہے) حافظ ابن کثیر نے امام بخاری سے نقل کیا ہے "لا یتابع فی حدیثہ" حدیث میں اس کی متابعت و موافقت نہیں کی جاتی۔ اگر اس روایت کو باوجود منکر ہونے کے تسلیم کیا جائے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ بواسطہ وحی جبریل صرف معدودے چند آیات کی تفسیر فرماتے تھے جن کی تفسیر جبریل علیہ السلام سے سیکھی تھی اس کے علاوہ باقی قرآن مجید کی تفسیر اس وحی خفی سے فرماتے تھے جس میں جبریل علیہ السلام کا واسطہ نہیں تھا۔ بلکہ فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ[2]

---

[1] مقدمہ تفسیر ابن جریر۔ ص: ۸۹

[2] سورہ النجم۔ آیت: ۱۰، پارہ: ۲۷

Marfat.com

کے تحت بلا واسطہ القاء کیا گیا تھا۔

اس کا دُوسرا جواب یہ ہے کہ از رُوئے درایت بھی یہ بات قابل قبول نہیں جب اللہ تعالیٰ نے "ثم ان علینا بیانہ[1]" فرما کر بیان و شرح قرآن کی ذمہ داری خود اُٹھالی تو اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جبریل علیہ السّلام کے ذریعے صرف چند آیات کی تعلیم دے کر باقی قرآن سے اپنے نبی کو بے خبر رکھا ہو۔ یہ چیز مقصد بعثت کے منافی ہے اور نزولِ قرآن حکیم کی غایت و حکمت سے بھی بہت دُور ہے۔

صحیح بات تو یہ ہے کہ حضور شارع علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی پُوری زندگی قرآن حکیم کی تفسیر تھی۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا قول و فعل بلکہ سکوت بھی قرآنی ضوابط کی تشریح کرتا تھا ان ہی اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے "کان خلقہ القرآن[2]" اس ذات مقدس کی پاکیزہ سیرت قرآن تھی یعنی قرآنی تعلیمات کی عملی تفسیر تھی۔

اگر بعض تفسیری روایات صحت سند کے ساتھ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم تک نہ پہنچ سکیں یا ان کا کوئی صحیح مجموعہ ہمارے سامنے نہ ہو۔ تو اس سے اصل مقصد میں کوئی فرق نہیں آتا۔ حضور رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی کے مختلف پہلو جو قرآنی آیات کی تشریح و تفسیر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہمارے سامنے سیرت، تاریخ اور کتب حدیث میں یہ ذخیرہ متفرق طور پر موجود ہے۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا تیّار کردہ معاشرہ صحابۂ کرام کی پاکیزہ جماعت اور ان کے علمی کارنامے ہمارے سامنے ہیں۔ حضرات صحابۂ کرام نے جو کچھ بھی فہم قرآن ہم تک پہنچایا وہ حضور رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وسلّم کا علمی فیضان تھا جو ہم تک پہنچا۔ لہٰذا۔ اس کی روشنی میں ہم قرآن مجید کو خوب سمجھ سکتے ہیں۔ اور

---

[1] ۔ سورۃ القیامہ۔ آیت : ۱۹، پارہ : ۲۹۔

[2] ۔ صحیح مسلم۔ ص : ۲۵۶، جلد اوّل۔

Marfat.com

اپنے شبہات کا ازالہ کر سکتے ہیں۔

تفسیر ماثورہ کا دوسرا مرحلہ

(صحابۂ کرام اور تابعین عظام کا دور)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل تربیت سے جس معاشرے کی تشکیل ہوئی تھی اس نے تعلیمات نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کو مختصر سے عرصے میں اس طرح پھیلایا کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس مقدس جماعت نے ایک طرف تو ان روایات کو محفوظ رکھا جن سے انھیں فہم کتاب میں مدد ملتی تھی دوسری طرف اس خداداد بصیرت کو فہم قرآن حکیم میں صرف کیا۔ جو انھیں اللہ عزوجل کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے گہری وابستگی، اسلامی عقائد اور اعمال صالحہ میں پختگی کی بنا پر حاصل ہوئی تھی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے مختصر سے عرصے میں قرآن و سنت کی جو خدمت کی اسے دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان تاریخی اور فطری عوامل پر مختصراً روشنی ڈال لی جائے جو صحابۂ کرام کے لیے کتاب و سنت کی حفاظت کا باعث بنے۔

۱۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ صحابۂ کرام کی جماعت ان نفوس قدسیہ پر مشتمل تھی جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی اشاعت اور اپنی کتاب کی حفاظت کے لیے منتخب کیا تھا۔ قرآن مجید نے ان نفوس قدسیہ کے بارے میں فرمایا کہ "یہ لوگ اللہ کا گروہ ہیں۔" "ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان لکھ دیا ہے۔" کہیں ارشاد ہے "اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لیے اچھی طرح جانچ لیا ہے۔" ان طرح پر ور بشارتوں سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ صحابۂ کرام کی جماعت صداقت اور اخلاص ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ اگر ہمیں انتخاب الٰہی

Marfat.com

کی درستی اور موزونیت پر اعتماد ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم قرآن فہمی میں صحابۂ کرام کی خداداد بصیرت سے انکار کر سکیں

۲۔ تمدّن عرب کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ تمام عرب میں صحابۂ کرام خصوصی طور پر زبردست ذہانت اور قوّت حافظہ کے مالک تھے۔ انھیں شعراء عرب کے دیوان کے دیوان یاد تھے۔ انساب عرب نوکِ زبان تھے، محاورات اور امثال میں یدِطولےٰ حاصل تھا۔ پھر یہ کہ وہ اُمّی تھے۔ کتابت وقراءت کُتب سے عموماً ناآشنا تھے اس لئے ان کا مدار حافظہ اور یادداشت پر ہوتا تھا۔ جب ان پر ایک ایسی کتاب نازل ہوئی جو فصاحت و بلاغت میں حدِ اعجاز کو پہنچی ہوئی تھی تو لازماً ان کے ذوقِ سلیم نے اس کتاب کو تیزی سے قبول کیا اور اُن کے حافظہ نے فوراً اپنا دامن بچھادیا۔ چنانچہ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ قرآن کریم فطری اسلوب کے ساتھ اُترا اور ان کے دل کی گہرائیوں میں پیوست ہوگیا۔ ع فصادف قلبا خالیا فتمکنا

۳۔ صحابۂ کرام کو قرآنِ حکیم سے اس لئے بھی گہری دلچسپی تھی کہ یہ ان کے ماحول کا تجزیہ کرتا تھا، عرب معاشرے میں پھیلی ہوئی بُرائیوں پر تنقید کرتا تھا ان کے روزمرّہ کے واقعات اور احساسات کو بھی قرآن مجید اپنے انداز سے پیش کرتا تھا۔ اِس لئے صحابۂ کرام آیاتِ قرآنیہ کے نزول کے ساتھ اُنھیں یاد کرلیتے اور ان پر عمل کرنا شروع کردیتے تھے۔

عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم میں کچھ صحابۂ کرام دُنیاوی مصروفیات سے آزاد ہوکر اصحاب صفہ بن گئے تھے جن کا کام شب و روز قرآن و سُنّت کا علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا تھا۔ جو لوگ اس طرح نہیں کرسکتے تھے۔ اُنھوں نے آپس میں باریاں مقرر کر رکھی تھیں جیسا کہ امام بخاری نے "باب التناوب فی العلم"[1]

---

[1] صحیح بخاری۔ ج: ۱، ص: ۱۹

میں ذکر کیا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک انصاری صحابی کے ساتھ یہ بات طے کر رکھی تھی کہ ایک دن وہ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر رہ کر دین کا علم حاصل کریں گے اور حضرت عمرؓ تک علم کی باتیں پہنچائیں گے دُوسرے دن حضرت عمرؓ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر رہ کر انوارِ علم کو جمع کریں گے۔ اور اپنے ساتھی تک پہنچائیں گے۔

حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ان ہی بزرگ صحابۂ کرام کی طرف رجُوع کر کے کتاب و سُنّت کا علم حاصل کیا جاتا تھا۔

تفسیر صحابۂ کرام کی اہمیّت

مفسّرین کرام نے صحابۂ کرام کی علمی خدمات کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا اور صحابۂ کرام کی قرآن فہمی کو بطور سند تسلیم کیا بعض محققین علماء نے تفسیرِ صحابہ کو تفسیر مرفوع کا درجہ دیا۔ جیسا کہ امام حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے " ان تفسیر الصحابی الذی شهد الوحی والتنزیل عند الشیخین حدیث مسند[1] " صحابی کی تفسیر جو نزولِ وحی اور نزولِ قُرآن کے موقع پر حاضر ہو شیخین کے نزدیک تفسیر مسند کی حیثیّت رکھتی ہے۔

حافظ ابن صلاح اور دُوسرے علماء نے حاکم کی اس رائے سے اختلاف کیا۔ لیکن اتنا تو سب مانتے ہیں کہ شان نزول اور بیان نسخ میں صحابی کا قول بالکل حدیث مسند کی طرح ہے۔ البتہ دُوسرے امُور میں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ شاید صحابی نے اپنی رائے سے کام لیا ہو یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ یہ اختلاف تفسیرِ صحابی کو مرفوع ماننے یا نہ ماننے میں ہے ورنہ صحابی کی تفسیر کو حجّت ماننے میں کوئی اختلاف نہیں۔ تفسیرِ صحابی

---

[1] ۔ مستدرک حاکم ۔ ج: ۲، ص: ۲۵۸

Marfat.com

سب کے نزدیک حجت ہے چاہے وہ اس کا اسناد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرے یا نہ کرے۔ صحابۂ کرام اگر تفسیر ماثورہ کے بجائے قرآنی سیاق و سباق اور اسلوب کا جائزہ لے کر تفسیر کریں تو بھی اہلِ لسان ہونے کی بنا پر ان کا قول حجت ہے۔ حافظ ابن تیمیہ اور دوسرے علماء نے کہا ہے کہ صحابۂ کرام میں تفسیری اختلافات بہت کم ہیں۔ جہاں کہیں اختلاف نظر آئے وہ محض تعبیر کا اختلاف ہے۔ حقیقی اختلاف نہیں۔ مثال کے طور پر حضرت ابن عباس نے " اھدنا الصراط المستقیم " میں صراطِ مستقیم کی تفسیر حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کے طریق سے کی ہے جب کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری نے اس کی تفسیر دین اسلام سے کی ہے۔ ظاہر ہے کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کا طریقہ دین اسلام ہی ہے اسی بنا پر کہا گیا۔ "لیس فی تفسیر القرآن اختلاف انما ھو کلام جامع یراد بہ ھذا و ھذا۔[1]"

"تفسیر قرآن میں حقیقتاً کوئی اختلاف نہیں وہ ایک جامع کلام ہے اس سے ایک معنی بھی مراد ہو سکتا ہے اور دوسرا بھی"۔

صحابۂ کرام کے متعلق ایک بات خصوصی طور پر قابل توجہ ہے کہ وہ آپس کے تفسیری و فقہی اختلاف کو قابلِ برداشت سمجھتے تھے۔ اپنی رائے سے اختلاف کی بنا پر ایک دوسرے کی تکفیر و تفسیق نہیں کرتے تھے اور نہ ہی یہ دعویٰ کرتے تھے کہ حق صرف ان کے قول میں بند ہے اور اس سے اختلاف کرنا حرام ہے۔ اگر یہی وسعت نظری آج اُمت کے علماء میں پیدا ہو جاتے تو بہت سے اختلافات کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

صحابۂ کرام کا ذوقِ تفسیر (علم و عمل ایک ساتھ)

صحابۂ کرام کے ذوق تفسیر میں یہ بات خصوصی طور پر نوٹ کرنے کے قابل ہے۔

---

[1] تفسیر دُر منثور۔ ص: ۱۵، جلد اوّل

Marfat.com

کہ وہ مطالب قرآنی کا علم حاصل کرنے کے ساتھ اس پر عمل شروع کر دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کان الرجل منا اذا تعلم عشر آیات لم یجاوزھن حتی یعرف معانیھن والعمل بھن[1] ہم میں سے کوئی آدمی جب دس آیتیں پڑھ لیتا تو اس وقت تک آگے نہ پڑھتا تھا جب تک ان کے معانی سمجھ کر عمل نہ کر لیتا۔

اسی طرح مشہور تابعی ابو عبدالرحمٰن سُلَمی کا قول ہے۔ "حدثنا الذین کانوا یقرءوننا انھم کانوا یستقرءون من النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا اذا تعلموا عشر آیات لم یخلفوھا حتی یعلموا بما فیھا من العمل فتعلمنا القرآن جمیعا[2]"

ہم سے ان لوگوں نے بیان کیا جو ہمیں قرآن مجید پڑھاتے تھے کہ وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید پڑھا کرتے تھے اور جب دس آیتیں پڑھ لیتے تو اس پر عمل کا طریقہ سیکھے بغیر آگے نہ پڑھتے تھے۔

یہی وجہ تھی کہ ہمیں علم و عمل ایک ساتھ حاصل ہُوا۔

صحابۂ کرام علم تفسیر کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے "جو شخص اولین اور آخرین کے علوم کو جمع کرنا چاہے اُسے چاہیئے کہ قرآن میں اچھی طرح غور و فکر کرے[3]"

صحابۂ کرام کا اندازِ تفسیر

صحابۂ کرام کی تفسیری آرا، پڑھنے سے واضح ہوتا ہے کہ وہ آیات قرانی کی

---

[1] مقدمہ تفسیر ابن جریر۔ ج: ۱، ص: ۸۰۔
[2] مقدمہ تفسیر ابن کثیر۔ ص: ۳۔
[3] البرھان۔ ج: ۲، ص: ۱۵۴۔

Marfat.com

سیدھی سادی تشریح پر اکتفا کرتے تھے۔ زیادہ کھود کرید اور بال کی کھال اُتارنے کے درپے نہیں ہوتے تھے۔ حضرت اُبوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کا یہ قول (پہلے گزر چکا ہے) کہ آپ نے فرمایا تھا۔ کونسی زمین میرا بوجھ اُٹھائے گی اور کونسا آسمان میرے اُوپر سایہ کرے گا اگر میں کتاب اللہ کی تفسیر صحیح علم کے بغیر کروں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے سورۂ عبس میں واقع لفظ "ابّا" پر بحث چل نکلی تو آپ نے فرمایا "ھوالتکلف فما علیك ان لا تدریه"۔ لفظ ابّ (مشدّد) میں زیادہ کھود کرید محض تکلف ہے"۔ اس کا یہ مقصد نہیں کہ وہ الفاظ قرآنی کی تحقیق کو اہمیت نہیں دیتے تھے۔ الفاظ کی تحقیق حتّی الوسع ضرور فرماتے تھے لیکن جہاں عقل کام نہ کرتی اور معاملہ تحقیق سے نکل کر تکلف میں جا پڑتا تو اس سے آگے گریز فرماتے تھے۔

۲۔ صحابۂ کرام الفاظ قرآنی کی تحقیق کے لئے شعراء عرب کے کلام کی طرف بھی رُجوع کرتے تھے۔ چنانچہ اتقان میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے کہ خارجی سردار نافع بن الازرق کے سوالوں کے جواب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے شعراء جاہلیت کے کلام سے استشہاد کر کے مفردات قرآنی کی تحقیق فرمائی۔

۳۔ صحابۂ کرام کی تفسیر تین صورتوں سے خالی نہیں ہوتی تھی۔ ۱۔ اس کا تعلق سمعیات سے ہوتا۔ مثلاً عقائد، احکام اور ناسخ و منسوخ کا علم۔ اس صورت میں اُن کی تفسیر کا ماخذ ارشادات نبوّت صلّی اللہ علیہ وسلّم ہوتے تھے۔ جو یقیناً حجت شرعیہ ہیں۔ ۲۔ ان کی تفسیر و تشریح قرآنی مفردات و مرکبات کی تحقیق پر مشتمل ہوتی۔ اس صورت میں اہل زبان ہونے کی بنا پر ان کا قول حجت ہے۔ ۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ وہ واقعات اور اسباب نزول کا مشاہدہ کر کے قرآن حکیم کی تفسیر کریں اس صورت میں بھی ان کی تفسیر کو بعد والوں کی تفسیر پر فوقیت حاصل ہے۔ کیونکہ صحابۂ کرام نے واقعات نزول کا مشاہدہ

لہ۔ مستدرک حاکم۔ ج: ۲، ص: ۲۹۰

Marfat.com

کیا ہے اور بعد والوں نے نہیں کیا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اصحابِ مشاہدہ کی بات زیادہ قوی اور وزنی ہوتی ہے۔ اسبابِ نزول کے مشاہدہ کے سلسلے میں دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن سے انشاء اللہ ہمارے دعوے کو تقویت پہنچے گی۔ مفسرین و محدثین روایت کرتے ہیں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ، قسطنطنیہ میں جہاد فرما رہے تھے۔ رومیوں کے ساتھ زبردست معرکہ تھا ایک مسلمان صفوں کو چیرتا ہوا آگے نکلا اور اس نے تنہا کفار کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ کچھ مسلمان سپاہی یہ آیت پڑھنے لگے "ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ[1]" اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ، نے جب یہ بات سنی تو ارشاد فرمایا اس کی تفسیر ہم سے پوچھو جو نزول کے وقت حاضر تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب کئی غزوات میں فتح ہوئی اور اسلام کو غلبہ نصیب ہوا تو ہم لوگوں نے خیال کیا کہ اب کھیتی باڑی اور باغبانی کی طرف توجہ دینی چاہیئے۔ اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ "یعنی جہاد سے رُخ پھیر کر اسبابِ دُنیا میں مشغول ہونا ہلاکت ہے۔ تم اسی آیت کو مجاہد پر چسپاں کر رہے ہو۔ جو جان اپنی ہتھیلی پر رکھ کر اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے جا رہا ہے[2]۔"

اسی طرح امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے متعلق روایت ہے کہ ان کے بھانجے عروہ بن زبیرؓ نے عرض کیا۔ ام المؤمنین۔ اگر کوئی صفا، مروہ کے درمیان سعی نہ کرے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ قرآن مجید نے کہا ہے "فلا جناح علیہ ان یطوف بھما[3]" کوئی حرج نہیں کہ صفا و مروا کے درمیان چکر لگائے۔ اُمّ المؤمنین نے فرمایا اے عزیز۔ تو نے غلط سمجھا ہے۔ اگر وہ بات ہوتی جو تم کہہ رہے ہو تو یوں ارشاد ہوتا

---

[1] سورۃ البقرہ۔ آیت: ۱۹۵، پارہ ۲:

[2] مستدرک حاکم۔ ج ۲، ص: ۲۷۵ و تفسیر روح المعانی۔ ج: ۲، ص: (امدادیہ ملتان)

[3] سورۃ البقرہ۔ آیت: ۱۵۸

Marfat.com

"فلاجناح علیه ان لا یطوف بهما" یعنی چکر نہ لگانے میں کوئی حرج نہیں۔
پھر آپ رضی اللہ عنہا نے شانِ نزول کے حوالے سے وضاحت فرمائی کہ انصارِ مدینہ جو مناۃ کے لئے احرام باندھ کر اسلام سے پہلے آیا کرتے تھے اور صفا مروہ کے درمیان اساف اور نائلہ نامی دو بُتوں کی بنا پر سعی کرنے میں حرج سمجھتے تھے اُنھیں سمجھانے کے لئے فرمایا گیا کہ صفا اور مروہ اللہ کے دین کے شعائر میں سے ہیں جو شخص بیت اللہ کا حج کرے یا عُمرہ کرے اس پر کوئی حرج نہیں کہ ان دونوں مقاموں کے درمیان سعی بھی کرے[1]،،

اس طرح شانِ نزول کے حوالے سے جناب عروہ کا شُبہ زائل ہو گیا۔ اور آیتِ کریمہ کی تفسیر بھی واضح ہو کر سامنے آگئی۔ اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ صحابۂ کرام تفسیرِ آیات میں اپنے مُشاہدے اور اسبابِ نزول کے مطالعے سے بالکل صحیح تفسیر فرماتے تھے اور بعد میں آنے والوں کے لئے آیات قرآنی کی تشریح و تفسیر کو آسان فرما دیتے تھے۔

۴۔ صحابۂ کرام تفسیرِ آیات میں تعددِ وجوہ کے قائل تھے وہ سمجھتے تھے کہ قرآنی آیات اپنی وسعت کی بنا پر کئی تفاسیر کی محتمل ہو سکتی ہیں بشرطیکہ یہ تعدد تعارض اور کج بحثی کا باعث نہ بنے۔

حضرت ابُوالدرداء انصاری رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے "لا تفقه کل الفقه حتی تری للقرآن وجوهاً[2]" جب تک تم قرآن میں متعدد وجُوہ تاویل کا علم حاصل نہ کر لو اس وقت تک فقیہہ کامل نہیں بن سکتے۔ اگر تعددِ احتمال کی بنا پر تفسیر قرآنی کو سمجھنے میں دقت پیش آتی تو اسے کتاب و سُنّت کی روشنی میں حل فرماتے یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خوارج کے ساتھ مباحثہ کرنے کے لئے بھیجا تو اُنھیں ارشاد فرمایا "لا تخاصمهم بالقرآن

لہ۔ تفسیر بیضاوی۔ ص: ۱۱۸ و صحیح بخاری۔ ج: ۱، ص: ۲۲۲
ٹہ۔ طبقات ابن سعد۔ ج: ۲، ص: ۳۵۷۔

Marfat.com

فانه ذو وجوه ولکن خاصمهم بالسنۃ[1]" خوارج کے ساتھ قرآن پر مباحثہ نہ کرنا کیونکہ قرآن میں کئی احتمالات کی گنجائش ہوتی ہے تم سُنّت وحدیث کی روشنی میں مباحثہ کرنا کیونکہ نظمِ قرآنی کے مختلف احتمالات میں قوی اور راجح قول کو سُنّت ہی متعین کرتی ہے۔ سُنّت وحدیث کے ذریعے نظمِ قرآنی کا مفہوم متعین ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ جس کے بعد جھگڑے کی گنجائش نہیں رہتی۔

۵۔ صحابۂ کرام تفسیر آیات میں سیاق وسباق کا خیال رکھتے تھے اور سیاق و سباق کی روشنی میں قرآنی مفہوم کو واضح فرماتے تھے۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ ایک شخص کو سورۂ نساء کی اس آیت میں اشکال پیدا ہُوا کہ ارشادِ خداوندی ہے" ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا" اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے مُسلمانوں کو مغلوب کرنے کا کوئی راستہ نہیں بنائے گا۔ اشکال یہ تھا کہ کئی بار کفار مُسلمانوں پر غالب آجاتے ہیں اس صورت میں قرآنی آیت کا مفہوم کیا ہوگا؟

حضرت علی نے اسے اپنے قریب بلا کر فرمایا اس آیت کا ماقبل دیکھو" فاللہ یحکم بینکم یوم القیامۃ ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا" اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمھارے درمیان فیصلہ کر دے گا اور کافروں کے لیے مُسلمانوں کو مغلوب کرنے کا کوئی راستہ نہیں بنائے گا" یعنی یہ آخرت کی بات ہے نہ کہ دُنیا کی[2]"۔ اس طرح ماقبل کے حوالے سے سائل کا اشکال دُور ہوگیا۔

مفسّرین صحابہ کرام

روایت حدیث کی طرح تفسیر قرآن میں صحابۂ کرام کے دو طبقے تھے ایک طبقے

---

[1]۔ مقدمہ تفسیر فتح القدیر للشوکانی: ص: ۳۔

[2]۔ کنز العمال۔ ج: ۲، ص: ۲۵۱۔

Marfat.com

میں تو وہ حضرات شامل تھے جو تفسیرِ قرآن سے روایت حدیث کی طرح بہت گریز کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تفسیرِ قرآن حکیم میں یا تو روایت سے کام لیا جاتا ہے یا عقل و رائے سے۔ روایت کے بارے میں ان کے سامنے یہ وعید تھی "من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار[1]" جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے وہ اپنا گھر جہنم میں بنالے۔ اسی طرح تفسیرِ قرآن میں عقل و رائے استعمال کرنے سے بھی وہ ڈرتے تھے۔ کیوں کہ ان کے سامنے یہ وعید تھی۔ "من قال فی القرآن برایہ فاصاب فقد اخطأ[2]" جس نے تفسیرِ قرآن حکیم میں رائے سے کام لیا چاہے اس نے درست بات کی پھر بھی خطا کی۔ ان ارشادات کی بنا پر یہ حضرات تفسیرِ قرآن سے بہت کتراتے تھے۔ ان کے مقابلے میں دوسرا گروہ ایسا تھا جو یہ سمجھتا تھا کہ اسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو علم حاصل ہوا ہے اسے اُمت تک پہنچانا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ عزوجل نے فہم قرآن کی جو دولت عطا کی ہے اسے لوگوں میں پھیلانا بہت ضروری ہے۔ ان کے پیشِ نظر یہ ارشاد تھا۔ "بلغوا عنی ولو آیۃ[3]" میری طرف سے لوگوں کو پہنچادو چاہے ایک آیت کا علم ہو۔ یہ دونوں گروہ اپنی اپنی جگہ انتہائی مخلص اور بے لوث خادم اسلام تھے۔ دونوں نے اسلام کی خدمت کی دونوں کی نیت میں خلوص تھا۔ دونوں کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول تھا۔ جس میں وہ کامیاب رہے۔ اس وقت ہمارے پیشِ نظر ان نفوس قدسیہ کا ذکر خیر ہے۔ جنھیں تفسیرِ قرآن حکیم میں اہم مقام حاصل تھا اور مشکلات قرآنی کے حل کے لئے ان کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ ان میں خلفائے راشدین علیہم الرضوان سرفہرست ہیں۔ خلفائے راشدین میں حضرت علی مرتضٰے رضی اللہ عنہ،

---

[1] مقدمہ صحیح مسلم

[2] سنن ابی داؤد۔ ص: ۱۵۸، ج: ۲

[3] مقدمہ تفسیر ابن کثیر۔ ص: ۴

Marfat.com

سے زیادہ تفسیری روایات مروی ہیں۔ جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ خلفائے ثلاثہ علیہم الرضوان پہلے دُنیا سے تشریف لے گئے۔ نیز اُنھیں فتوحات اور تدبیر مملکت سے اتنی فُرصت ہی نہ ملی کہ باقاعدہ درس تفسیر قُرآن کا اہتمام فرماتے حضرت علی رضی اللہ عنہٗ بعد میں زندہ رہے انہیں تفسیر قرآن کا موقع مل گیا۔ نیز خلفائے ثلاثہ علیہم الرضوان کے بعد انہی کی ذات مرجع خاص وعام تھی۔ لہٰذا لوگوں نے ان کی طرف رجُوع کر کے قُرآن مجید کی تفسیر کا علم حاصل کیا۔ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو علومِ قُرآنیہ میں جو تبحّر حاصل تھا اس کا اندازہ ان کے خطبات وارشادات سے ہو سکتا ہے۔ نیز ان کے تاریخی فیصلے شاہد ہیں کہ وہ کس طرح آیات قُرآنی سے مسائل کا استنباط کرتے تھے۔ صرف اتنی بات ہے کہ ان کے تفسیری اقوال کو الگ مرتب کرنے کی طرف کسی نے توجہ نہ دی اس لئے بحیثیّت مفسّرِ قُرآن ان کی زیادہ شہرت نہ ہُوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ اپنے دَور میں علمی مرکز کی حیثیّت رکھتے تھے۔ سب لوگ مُشکلات قرآنی کا علم حاصل کرنے کے لیے ان کی طرف رجُوع کرتے تھے اور وُہ بھی تحدیثِ نعمت کے طور پر اپنی قرآن دانی و قُرآن فہمی کا بار بار ذکر کرتے تھے اِس لیے اُنھیں بحیثیّت مفسّرِ قُرآن زیادہ شہرت نصیب ہُوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ لوگوں کو بار بار دعوت دیتے تھے کہ وُہ ان سے علُومِ تفسیر میں استفادہ کریں۔ آپ کا مشہُور ارشاد ہے۔" سلونی عن کتاب اللہ فانہ لیس فیہ آیۃ الا وقد عرفت بلیل نزلت ام بنہار فی سہل ام فی جبل واللہ ما نزلت آیۃ الا وقد علمت فیما نزلت واین نزلت .... ان ربی وھب لی قلبا عقولا ولسانا ناطقا۔"[1]

" مجُھ سے کتاب اللہ کے بارے میں سوال کرو اس میں کوئی آیت نہیں جس کے بارے میں مَیں نہ جانتا ہُوں کہ یہ رات میں نازل ہُوئی تھی یا دن میں۔ میدانی

---

[1] طبقات ابن سعد۔ ج: ۲، ص: ۳۲۸

Marfat.com

علاقے میں نازل ہوئی یا پہاڑی علاقے میں ہر آیت کے بارے میں جانتا ہوں کہ کس بارے میں نازل ہوئی اور کہاں ہوئی۔ میرے رب نے مجھے سوچنے والا دل اور حقائق کھولنے والی زبان عطا فرمائی ہے۔"

۲۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ابو جحیفہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ آپ کے پاس کوئی ایسی چیز ہے جو قرآن میں نہ ہو؟۔ تو حضرت علی نے فرمایا۔ "لا والذی فلق الحبۃ وبرء النسمۃ الا فہم یوتیہ اللہ عزجل رجلا فی القرآن"[۱] نہیں اس ذات کی قسم جس نے دانہ اگایا اور نفس کو پیدا فرمایا۔ ہمارے پاس یہی قرآن ہے اور فہم قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو عطا فرما دیتا ہے۔"

۳۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بار بار لوگوں کو ترغیب دیتے تھے کہ وہ ان سے تفسیر قرآن حکیم کا علم حاصل کریں۔ ایک بار آپ نے اپنے دور خلافت میں منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا۔ الا احد یسألنی عن القرآن فواللہ لو اعلم ان احدا اعلم بہ منی وان کان من وراء البحور لاتیتہ[۲]" کوئی ایسا شخص نہیں جو مجھ سے قرآن کے بارے میں سوال کرے۔ خدا کی قسم اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ اس وقت کسی کو مجھ سے زیادہ قرآن کریم کا علم ہے تو میں ضرور اس کے پاس جاؤں چاہے سات سمندر پار جانا پڑے۔"

۴۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا علم تفسیر میں امتیازی مقام مسلّم ہے مگر وہ بھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، کے بارے میں فرماتے ہیں۔ "ماعندی من تفسیر القرآن فھو من علی بن ابی طالب[۳]" میرے پاس جتنا بھی

---

[۱]۔ صحیح بخاری۔ ج:۱، ص:۲۱ و مسند احمد۔ ج:۱، ص:۱۰۲

[۲]۔ کنز العمال۔ ج:۲، ص:۲۸۳

[۳]۔ مقدمہ کتاب التسہیل لعلوم التنزیل۔ ص:۱۰

Marfat.com

تفسیر کا علم ہے وہ جناب علی کا عطا کردہ ہے۔

۵۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، کو قرآن کریم کے ظاہر و باطن پر اتنا گہرا عبور تھا کہ وہ فرمایا کرتے تھے۔ "لو شئت ان اوقر سبعین بعیراً من تفسیر الفاتحۃ لفعلت[1]" اگر میں چاہوں تو صرف سورۃ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ لاد دوں۔

۶۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ[2] فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آیاتِ قرآنی کے ظاہر و باطن دونوں کا علم حاصل تھا۔ آپ سے بکثرت تفسیری روایات کتب اہل سنت میں مروی ہیں۔ خصوصاً مستدرک حاکم، مسند احمد، تفسیر ابن ابی حاتم، تفسیر ابن جریر میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفسیری روایات کا بہت بڑا عنصر پایا جاتا ہے۔ علماء اہل سنت نے جس روایت کو سنداً متناً صحیح یا حسن سمجھا اسے اپنی کتابوں میں درج کرنے میں قطعاً بخل سے کام نہیں لیا۔ البتہ جہاں پر صراحت ہو گئی کہ یہ شیعہ حضرات نے اپنے غلو اور مخصوص افکار کی ترویج کے لیے مولائے کائنات کی طرف غلط روایتیں منسوب کی ہیں انھیں مفسرین اہل سنت نے کوئی اہمیت نہ دی۔ ان کے مقابلے میں ان روایات کو جگہ دی جو نسبتاً صحیح یا حسن تھیں۔ لہٰذا مفسرین اہل سنت پر یہ الزام غلط ہے کہ انھوں نے بنو امیہ اور بنو عباس کے زیر اثر ہونے کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ، کی تفسیر و حدیث سے متعلقہ روایات کو در خور اعتنا نہیں سمجھا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ علماء اہل سنت کے علمی ذخیرے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے ائمہ اہل بیت عظام کی روایات سے پُر ہیں اور انھوں نے کبھی بھی حضرات اہل بیت عظام کی صحیح یا حسن روایت کو نظر انداز نہیں کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تفسیر کتابی شکل میں۔؟

اس میں شک نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بکثرت تفسیری روایات

---

[1] ۔ احیاء العلوم ۔ جزء اوّل ۔ باب چہارم ۔ ص: ۲۶۰

[2] ۔ الاتقان ۔ ج: ۲، ص: ۱۸۷

Marfat.com

کُتب تفسیر و حدیث میں مروی ہیں۔ لیکن یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی کہ آپ نے باقاعدہ قرآن حکیم کی تفسیر لکھی یا کسی شاگرد کو املاء کرائی تھی۔

فاضل معاصر (تذکرۃ المفسّرین کے مؤلف قاضی زاہد الحسینی) کو صحیح بُخاری کی حدیث۔ الا فهم يؤتيه الله عز وجل فی القرآن سے یہ شُبہ ہُوا ہے کہ اس تفسیر قُرآن کی طرف اشارہ ہے جو کسی صحیفہ میں لکھی ہوئی تھی۔ حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے الا فهم کے بعد ذکر فرمایا۔ وما فی هذه الصحيفة۔ یعنی فہم قُرآنی تو خدا داد ملکہ ہے اس کے علاوہ صحیفے میں دیت اور قصاص کے مسائل لکھے ہُوئے ہیں۔ اِس سے یہ مفہوم نہیں نکلتا کہ فہم قُرآن صحیفہ میں لکھی ہُوئی تھی۔

صاحب موصُوف کی دُوسری دلیل یہ ہے کہ ابن ندیم نے الفہرست میں کُتب تفسیر کے نام گنلتے ہُوئے یہ تصریح کی ہے "كتاب التفسير ابی حمزة الثمالی واسمهٔ ثابت بن دينار وكنية دينار ابو صفية وكان ابو حمزة من اصحاب علی عليه السلام من النجباء الثقات وصحب ابا جعفر"۔ [1]

ابن ندیم کی اس عبارت سے صاحبِ موصُوف نے یہ سمجھا ہے کہ ابُو حمزہ ثمالی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد خاص تھے۔ اِس لِئے اُنھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی تفسیر املاء کرائی ہو گی۔

یہ بھی ایک واضح غلط فہمی ہے حالانکہ ابُو حمزہ ثمالی حضرت علی (زین العابدین) کے خدام سے ہیں اور امام ابُو جعفر محمّد باقر کے صحبت یافتہ ہیں نہ کہ ان کے جدِّ امجد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے۔ پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ عُلمائے فن

---

[1] الفہرست لابن الندیم۔ ص: ۵۶

Marfat.com

کے نزدیک ان کا کوئی خاص علمی مقام نہیں۔ بلکہ وہ رفض کے ساتھ متہم ہیں۔ چنانچہ ذہبی نے لکھا ہے کہ امام احمد اور یحییٰ بن معین نے اسے لیس بشیٔ قرار دیا ہے ابو حاتم نے لین الحدیث کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔ نسائی کہتے ہیں لیس بثقة اور سلیمان کہتے ہیں کہ وہ رافضی ہے۔[1]

لہٰذا۔ ان کے مجموعے کو مکمل طور پر تفسیر علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سمجھ لینا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ یہ بات تو کافی حد تک معقول اور قابلِ تسلیم ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بعض تفسیری روایات ان کے عہد میں ضبطِ تحریر میں آگئی ہوں۔ لیکن اس کا ثبوت مشکل ہے کہ آپ نے مستقلاً کتابی شکل میں قرآن پاک کی تفسیر خود لکھی تھی یا املا کرائی تھی۔

اسی طرح یہ بات بھی محلِ نظر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ترتیبِ صحابہ کے برعکس قرآن مجید کو جمع کیا تھا اور پھر اسے اپنے پاس چھپائے رکھا۔ جیسا کہ ابنِ ندیم نے لکھا ہے کہ آپ نے تین دن میں مصحف جمع کر کے لکھا تھا یہ سب سے پہلا مصحف تھا۔ ابن ندیم نے ابی یعلیٰ حمزہ حسینی کے ہاں اس کی زیارت کا دعویٰ کیا ہے اس میں سورتوں کی ترتیب مختلف تھی۔[2]

ابن ندیم کی یہ دونوں باتیں ان کے مخصوص مذہبی افکار کا نتیجہ ہیں۔ اور انھیں آنکھیں بند کر کے تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک اس بارے میں دوسرے تاریخی دلائل اور شواہد موجود نہ ہوں ہم انھیں ماننے سے قاصر ہیں۔ البتہ جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل، علوم قرآن میں ان کا تبحر اور تفسیر کتاب اللہ میں ان کی مہارت تامہ کا تعلق ہے ہم اسے بسر و چشم تسلیم کرتے ہیں اور اس بارے میں ہر قسم

---

[1] میزان الاعتدال۔ ج: ۱، ص: ۱۲۹
[2] الفہرست۔ ص: ۴۸

Marfat.com

کی تنگ نظری اور تعصب کو ناروا سمجھتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بحیثیت مفسرِ قرآن

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، سے بکثرت تفسیری روایات منقول ہیں۔
حضرت مسروق راوی ہیں کہ جناب عبداللہ بن مسعود فرمایا کرتے تھے۔ "ما انزلت سورۃ الا وانا اعلم فیما انزلت ولو اعلم ان احدا اعلم منی بکتاب اللہ تبلغہ الابل والمطایا لاتیتہ"[1]
قرآن مجید کی ہر سورت کے متعلق میں جانتا ہوں کہ وہ کس بارے میں نازل ہوئی اگر مجھے علم ہو جائے کہ کسی شخص کے پاس مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کا علم ہے اور اس تک اونٹ اور دوسری سواریاں پہنچ سکتی ہیں تو میں ضرور سفر کر کے جاؤں"

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔ علم القرآن والسنۃ وانتھی وکفی بذلک علما[2]
ابن مسعود نے قرآن و سنت کا علم حاصل کیا اور پھر بس کر دی اور ان کے عالم ہونے کے لیے یہی کافی ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، کو دیکھ کر فرماتے تھے۔ کنیف ملئی فقھا[3]" وہ علم فقہ سے بھرا ہوا مکان ہے۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، سے کوفہ میں جہاں علم فقہ کا دور دورہ ہوا علم قرأت اور علمِ تفسیر کا ذوق بھی پیدا ہوا۔ آپ نے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ، کے دورِ خلافت میں ۳۲ھ یا ۳۳ھ ہجری میں وفات پائی۔

---

[1] طبقات ابن سعد۔ ص: ۳۴۲، ج: ۲ و مستدرک حاکم۔ ص: ۱۴۸، ج: ۳
[2] اتقان۔ ج: ۲، ص: ۱۸۷
[3] طبقات ابن سعد۔ ج: ۲، ص: ۳۴۴

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بحیثیت مفسرِ قرآن

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جنھیں ترجمان القرآن اور حبر اُمّت کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے علم تفسیر میں بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے لیے خصوصی دُعا فرمائی۔ اللّٰھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل۔ [1]

اے اللہ۔ ابن عباس کو دین کی سمجھ اور تاویل قرآن کا علم عطا فرما۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بجا طور پر رئیس المفسّرین اور ترجمان القرآن ہیں آپ کے شاگردوں نے آپ سے علم تفسیر حاصل کر کے دُور دراز علاقوں تک پہنچایا۔ یہی وجہ ہے کہ تفسیر کے ہر دَور میں آپ کے اقوال کی اہمیت مسلّم رہی ہے مشکل آیات کی تفسیر کے لیے آپ کی طرف رجُوع کیا جاتا تھا۔ آپ کے شاگرد سعید بن جبیر روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میرے دِل میں قرآن کریم سے متعلق کچھ شبہات ہیں۔ آپ نے فرمایا اُنھیں بیان کرو اس نے عرض کیا۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وکان اللہ علیٰ کل شئ قدیرا ،، گویا اللہ تعالیٰ زمانۂ ماضی میں قادر تھا اور اب نہیں؟۔

اسی طرح سورۂ المؤمنون میں ارشاد ہوتا ہے" فلا انساب بینھم یومئذ ولا یتساءلون یہ آیت اقبل بعضھم علیٰ بعض یتساءلون۔ کے معارض ہے کیونکہ پہلی آیات سے انساب کی نفی ہوتی ہے اور ایک دُوسرے کا حال پُوچھنے کی بھی نفی ہوتی ہے جب کہ سورۂ صافات کی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل محشر ایک دُوسرے کا حال پُوچھیں

---

[1] طبقات ابن سعد۔ ج: ۲، ص: ۳۶۵

Marfat.com

گے۔ اس تعارض کا جواب کیا ہے؟۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فی البدیہہ جواب دیا کہ فعل کَانَ استمرار کیلئے
اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے قادر رہے اور ہمیشہ قادر رہے گا۔ انساب اور دوسرے سے سوال کی نفی
اس وقت ہے جب نفخۂ اولیٰ ہوگا اور زمین پر کوئی باقی نہ بچے گا۔ سورۃ صافات میں ایک
دوسرے سے حال پوچھنے کا ذکر اس وقت ہے جب بہشتی بہشت میں داخل ہو جائیں
گے تو ایک دوسرے کا حال پوچھیں گے۔" [1]

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خصوصی مجلس
میں شیوخ بدر کے ساتھ جگہ دیا کرتے تھے۔ اس پر بعض حضرات نے محسوس کیا کہ یہ تو ہمارے
لڑکوں کے برابر ہیں۔ اس پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے امتحاناً پوچھا کہ آیت کریمہ
"اذا جاءَ نصر الله" کی تفسیر کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے۔ اس پر کچھ
حضرات خاموش رہے اور بعض نے کہا کہ یہ استغفار اور اللہ کی حمد بجالانے کے لئے نازل
ہوئی۔ حضرت عمر جناب ابن عباس کی طرف متوجہ ہوئے کہ تمھارا کیا خیال ہے۔

ابنِ عباس نے کہا کہ اس آیت کریمہ میں حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے
قرب وصال کی طرف اشارہ ہے گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتا دیا گیا کہ جب نصرت
اور فتح کا وعدہ پورا ہو چکا تو آپ کا وقت وصال قریب ہے۔ اب آپ استغفار اور تسبیح
میں وقت صرف کیجئے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بھی یہی کچھ جانتا
ہوں"۔ [2]

اس پر سب صحابہ کرام کے سامنے آپ کی عظمت اور جلالتِ علمی پر روشن دلیل
قائم ہو گئی۔

---

[1] ۔ مستدرک حاکم۔ ج: ۲، ص: ۳۹۵

[2] ۔ صحیح بخاری۔ ج: ۲، ص: ۷۴۳

Marfat.com

ایک بار ابن عُمر رضی اللہ عنہما سے سُورۂ انبیاء کی اس آیت کی تفسیر پُوچھی گئی۔ "ان السمٰوٰت والارض کانتا رتقا ففتقنٰھما۔" آسمان و زمین پہلے بند تھے پھر ہم نے اُنھیں کھول دیا۔" سائل رتق اور فتق کا مفہوم سمجھنا چاہتا تھا۔ حضرت ابنِ عُمر رضی اللہ عنہما نے اسے جناب ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی طرف بھیج دیا حضرت ابن عباس نے فرمایا آسمان سے بارش بند تھی اور زمین سے نباتات نہیں اُگتی تھیں یہ رتق ہے۔ بعد میں کلمۂ الٰہی سے اِدھر سے نزول باراں ہُوا اِدھر سے نباتات اگئی تو یہ فتق ہُوا۔ حضرت ابنِ عُمر کو یہ تفسیر بہت پسند آئی اور فرمانے لگے کہ پہلے میں ابن عباس کی جُرأت تفسیر پر متعجب ہوتا تھا اب مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ واقعی اسے علم دیا گیا ہے۔" [1]

خطیب بغدادی نے جناب عطار سے روایت کیا ہے "مارأیت قط اکرم من مجلس ابن عباس اکثر فقہا واعظم خشیۃ ان اصحاب الفقہ عندہ واصحاب القرآن عندہ و اصحاب الشعر عندہ یصدرھم کلھم من وارد واسع۔" [2]

'میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے زیادہ کسی کی مجلس میں علم اور خشیت کا اثر نہیں دیکھا۔ علم فقہ، قرآن اور اشعارِ عرب کا علم حاصل کرنے والے سب آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے سب کو آپ اپنے چشمۂ فیض سے سیراب کرتے تھے۔

مسروق نے ابن مسعُود سے روایت کیا ہے کہ اگر ابن عباس عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم میں ہمارے ہم عمر ہوتے تو کوئی ان کا ہمسر نہ ہو سکتا۔" [3]

---

[1] ۔ اصابہ فی تمییز الصحابہ۔ ص: ۳۲۲ تا ص: ۳۲۶ ۔ جلد دوم

[2] ۔ تاریخ بغداد ۔ ج: ۱، ص: ۱۷۵

[3] ۔ تاریخ بغداد ۔ ج ۔ ۱، ص: ۱۷۴ و طبقات ابن سعد ۔ ج: ۱، ص: ۳۶۵

Marfat.com

سلیمان اعمش ابو وائل سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت علی نے حضرت ابن عباس کو امیر الحج بنا کر بھیجا۔ آپ نے خطبہ میں سورۂ نور یا سورۂ بقرہ پڑھی پھر اس کی ایسی تفسیر کی کہ اگر روم اور فارس کے کافر حاضر ہوتے تو وہ بھی مسلمان ہو جاتے۔[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی وفات کے بارے میں تین اقوال ہیں ۱۔ ۶۵ھ ۲۔ ۶۶ھ ۳۔ ۶۸ھ۔ حافظ ابن حجر نے آخری قول ۶۸ھ کو ترجیح دی ہے[2] اور خطیب بغدادی نے امام احمد بن حنبل اور مصعب سے یہی قول نقل کیا ہے۔[3] اس طرح آپ کی عمر شریف اکہتر سال قرار پاتی ہے۔ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت آپ کی عمر صحیح قول کے مطابق تیرہ برس تھی جیسا کہ صحیحین میں روایت ہے۔ **ناهزت الاحتلام والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی بمنیٰ**۔[4]

"میں سن بلوغ کے قریب تھا جب کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو (حجۃ الوداع میں) منیٰ میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اس روایت سے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ آپ وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت قریب بلوغ یعنی تیرہ سال کے تھے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

جرمن مستشرق گولڈ زیہر نے اپنی کتاب مذاہب التفسیر الاسلامی میں اس بات پر بڑے تعجب کا اظہار کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما تیرہ یا دس برس کی عمر میں کیسے علم تفسیر میں لوگوں کے لیے مرجع بن گئے"۔[5]

---

[1] مقدمہ تفسیر ابن کثیر۔ ص: ۵

[2] الاصابہ۔ ج: ۲، ص: ۳۲۶

[3] تاریخ بغداد۔ ج: ۱، ص: ۱۷۵ (اول)

[4] صحیح بخاری۔ ج: ۱، ص: ۱۷

[5] مذاہب التفسیر الاسلامی۔ ص: ۸۵

Marfat.com

پھر ابن جریر کے حوالے سے یہ بات لکھی ہے کہ ایک بار ابن عباس نے ابوالجلد غیلان ازدی سے تفسیر قرآن کے سلسلے میں رجوع کیا تھا جو اہل کتاب سے تھا۔ اس سے گولڈزیہر نے یہ خیالی عمارت کھڑی کی ہے کہ ابن عباس تفسیر میں اہل کتاب کے شاگرد تھے۔ اور انھوں نے سب کچھ اہل کتاب سے حاصل کیا ہے۔

ہمیں گولڈزیہر کے اس تعجب پر کوئی تعجب نہیں کیونکہ مستشرقین یورپ ایسے ہی پادر ہوا عمارتیں کھڑی کرتے ہیں جن کی بنیاد محض مفروضے اور گمان پر ہوتی ہے۔ اگر ابن جریر کی اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی صرف اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ ایک بار جناب ابن عباس نے غیلان ازدی سے رعد و برق کا لغوی مفہوم دریافت کیا تھا۔ اس سے یہ کیسے لازم آتا ہے کہ وہ تفسیر میں اہل کتاب کو اپنا مرجع و ماوی سمجھتے تھے؟۔ الفاظ قرآنی کی تحقیق کے لیئے اگر شعراء جاہلیت کے کلام کی طرف رجوع کرنا جائز ہے تو اگر جناب ابن عباس نے ایک غیر مسلم سے رعد و برق کا مفہوم پوچھ لیا تو اس سے کون سی بجلی ٹوٹ پڑی۔ گولڈزیہر نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ جناب ابن عباس لوگوں کو اہل کتاب کے پاس جانے سے روکتے تھے اور فرماتے تھے کہ جب تمھارے پاس کتاب اللہ صحیح شکل میں موجود ہے جس میں کسی قسم کی تحریف اور ملاوٹ کے بغیر صحیح احکام موجود ہیں۔ تو ایسی جامع کتاب کے ہوتے ہوئے تم اہل کتاب کی طرف کیوں رجوع کرتے ہو۔ جن کے بارے میں تمھیں قرآن نے بتلا دیا ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کی کتاب میں تحریف کی اور دنیا کے معمولی معاوضے پر اللہ کی کتاب کو بدل دیا۔ گولڈزیہر نے یہاں پر ابن عباس سے جو بات نقل کی ہے وہ صحیح ہے اور صحیح بخاری جلد چہارم صفحہ ۱۸۳ مطبوعہ مصر میں یہ روایت موجود ہے اس سے گولڈزیہر کے شبہ کا خود بخود ازالہ ہو جاتا ہے اور یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیری مہارت کا سبب ان کا علمی ذوق، اعلیٰ درجے

Marfat.com

کی ذہانت، زبردست قوت حافظہ اور حضور رسُول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خصوصی دعا تھی جس میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے اللہ تعالیٰ سے حکمت اور کتاب کا علم طلب فرمایا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خُود بھی حضور رسُول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے قرآن و حدیث کا علم حاصل کیا اور دیگر اکابر صحابہ مثلاً فاروق اعظمؓ اور حضرت علیؓ بن ابی طالب سے بھی استفادہ کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول بمع حوالہ گزر چکا ہے کہ وُہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے پاس تفسیر کا جو علم ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، کا علمی عطیہ ہے۔ خُود حضرت علی رضی اللہ عنہ، جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ، کے علمی کمال کے معترف تھے اور ان کی تعریف میں فرمایا کرتے تھے۔ "کانما ینظر الی الغیب من ستر رقیق"۔ [1]

گویا ابن عباس ایک لطیف پردے سے غیب کی طرف نظر فرماتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیری خصُوصیات

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے تفسیری اقوال میں حسب ذیل خصُوصیات پائی جاتی ہیں۔

۱۔ آپ آیات قرآنیہ کی تفسیر انتہائی سلیس اور سُلجھے ہُوئے انداز میں کرتے تھے۔
۲۔ قرآنی الفاظ کی تحقیقِ لغوی کے لئے کلام عرب سے شواہد پیش کرتے تھے۔
۳۔ اسبابِ نزول اور ناسخ و منسوخ کی تعیین کرتے تھے۔
۴۔ آپ ابہام کو رفع کرکے اجمال کی بہترین تفصیل بیان فرماتے۔
۵۔ آیات قرآنیہ پر وارد ہونے والے شبہات اور اشکالات کا بڑے احسن طریقے سے ازالہ فرماتے تھے۔

---

[1] ۔ التسہیل لعلوم التنزیل۔ ص:۱۰

Marfat.com

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تفسیری اسناد

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بکثرت تفسیری طرق مروی ہیں۔ ان میں سے بعض صحیح ہیں بعض ضعیف اور بعض بالکل واہی اور ناقابل اعتماد ہیں۔ سب سے زیادہ ناقابل اعتماد طریق ابو نصر محمد بن سائب کلبی کا ہے جو ابو صالح اور وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں۔ اس طریق کے ناقابلِ اعتماد ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس میں ابو نصر محمد بن سائب کلبی پر کاذب ہونے کا الزام ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ وہ بیمار ہوا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ کل شئی حدثتکم عن ابی صالح فھو کذب۔" [۱]

"میں نے ابو صالح (مولیٰ ام ہانی) سے جو کچھ روایت کیا ہے وہ سب جھوٹ ہے۔

اسی طرح مقاتل بن سلیمان اور ضحاک بن مزاحم کے طریق اسناد بھی منقطع ہیں۔ جیساکہ امام سیوطی نے الاتقان میں تصریح کی ہے۔" [۲]

ابن عباس رضی اللہ عنہ تک پہنچنے والی اسناد میں سب سے عمدہ طریق قیس عن عطا بن السائب عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے۔ یہ طریق شرط شیخین (بخاری و مسلم) پر ہے۔" [۳]

اسی طرح ابن اسحاق عن محمد بن ابی محمد آل زید بن ثابت عن سعید بن جبیر او عکرمہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے یہ طریق سند بھی علمائے مفسرین کے نزدیک صحیح ہے۔ سب سے زیادہ متداول اور مستعمل طریق معاویہ بن صالح عن علی بن ابی طلحہ عن ابن

---

[۱] در منثور۔ ج: ۶، ص: ۴۲۴

[۲] الاتقان۔ ج: ۲، ص: ۱۸۹

[۳] مناھل العرفان۔ ج: ۱، ص: ۴۸۵

Marfat.com

عباس رضی اللہ عنہما کا ہے۔ لیکن اس سند پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ علی بن ابی طلحہ کی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مُلاقات ثابت نہیں اِس لیے یہ طریق سند بھی منقطع ہے۔

حافظ ابن حجر اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ چُونکہ علی بن ابی طلحہ صدوق اور صالح ہے اور اس نے ابن عباس کے ثقہ راویوں (سعید بن جبیر یا مُجاہد بن جبر رضی اللہ عنہم) کے واسطے سے روایات لی ہیں۔ اِس لِئے اس کی روایتیں قابل اعتماد ہیں۔" [1]

امام بُخاری نے نسخہ تفسیر پہ اعتماد کیا ہے اور اپنی صحیح میں اس نسخہ سے روایات لی ہیں۔ چُونکہ یہ صحیفہ تفسیر قرآن حکیم کے لئے اہم ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لِئے مناسب معلُوم ہوتا ہے کہ اس پر مفصّل بحث کی جائے۔

تفسیر قرآنی کا قدیم ترین نسخہ

ابُو جعفر نحاس نے امام احمد بن حنبل کا قول ذکر کیا ہے۔ "بمصر صحیفۃ فی التفسیر رواھا علی بن ابی طلحۃ لو رحل رجل فیھا الی مصر ما کان کثیرا" [2]

مصر میں تفسیر قرآن حکیم کا ایک قلمی نسخہ ہے جسے علی بن ابی طلحہ نے روایت کیا ہے اگر اس کے حصُول کے لِئے مصر کا سفر کیا جائے تو کوئی بڑی بات نہیں۔ (یعنی اس نسخے کی اہمیت کے پیشِ نظر یہ سفر معمولی حیثیت رکھتا ہے)

صاحب تہذیب التہذیب نے علی ابن ابی طلحہ کے نسخہ تفسیر کا ذکر کیا ہے

---

[1] - در منثور - ج: ۶، ص: ۴۲۴

[2] - اتقان - ج: ۲، ص: ۱۸۸ و مفتاح السعادۃ - ج: ۱، ص: ۴۰ و کتاب الناسخ والمنسوخ - ص: ۱۴

Marfat.com

اور یہ صراحت بھی کی ہے کہ امام بخاری نے اس نسخۂ تفسیر سے تراجم ابواب وغیرہ میں بہت سی تفسیری روایات لی ہیں لیکن امام بخاری واسطے کو چھوڑ کر تعلیقاً ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نام لیتے ہیں"۔[1]

جیساکہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری کتاب التفسیر میں کئی مقامات پر نشاندہی کی ہے۔ بخاری نے اپنی صحیح میں اس پر بہت اعتماد کیا ہے۔ ابن جریر ابن ابی حاتم رازی اور ابن منذر نے کئی وسائط کے ساتھ اس نسخے سے تفسیری روایات لی ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے طرق ابن عباس میں سب سے اصح قرار دیا ہے"۔[2]

علمائے اسلام کے ان ارشادات سے ثابت ہوتا ہے کہ صحیفہ علی بن ابی طلحہ مرویات ابن عباس میں سے قدیم ترین نسخہ ہے۔ سب سے پہلے امام بخاری اور پھر ابن جریر نے اس صحیفہ سے تفسیری روایات لی ہیں لیکن صحیح بخاری سے پہلے کتب حدیث یا کتب تفسیر میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ چنانچہ ابن ندیم نے اپنے دور تک تقریباً پینتالیس تفاسیر کا ذکر کیا ہے لیکن اس میں تفسیر علی بن ابی طلحہ کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

ابن جریر اور سیوطی نے محض بخاری کے اعتماد پر اس صحیفۂ تفسیر کا نام لیا ہے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ علی بن ابی طلحہ ہاشمی سے روایت کرنے والے معاویہ بن صالح اندلس کے قاضی بن گئے۔ تاریخ قضاۃ اندلس میں ان کا تذکرہ موجود ہے انھوں نے زیادہ وقت اندلس اور مغرب میں گزارا۔ ان کے اس صحیفے کی شہرت نہ ہو سکی۔ اگر یہ صحیفہ کسی مشرقی عالم کے پاس ہوتا تو اس کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیل جاتی۔

اس کے عدم شہرت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ جناب علی بن ابی طلحہ ہاشمی حمص کے رہنے والے تھے اس زمانے میں حمص اتنا بڑا علمی مرکز نہیں تھا۔ جیساکہ بغداد،

---

[1] تہذیب التہذیب۔ ج: ۷، ص: ۲۹۹

[2] الاتقان۔ جزء ۴۔ ص: ۲۳۷

Marfat.com

کوفہ و بصرہ وغیرہ تھے۔ اس لیے بھی یہ نسخہ زیادہ مشہور نہ ہو سکا۔

تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ امام بخاری نے اسے علی بن ابی طلحہ کا نام لئے بغیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تعلیقاً لیا ہے۔ اِس لیے بھی اس کی شہرت نہ ہو سکی۔ اس میں زیادہ تر مفردات قرآنی کی تفسیر ہے۔ چونکہ امام بخاری نے علی بن ابی طلحہ کا نام نہیں لیا۔ اس لیے بھی اس کی شہرت نہ ہو سکی علی بن ابی طلحہ اگرچہ صادق اور ثقہ ہیں مگر انھیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ملاقات کا شرف حاصل نہیں۔ ابو جعفر نحاس کا خیال ہے کہ علی بن ابی طلحہ اور ابن عباس کے درمیان مجاہد اور عکرمہ کا واسطہ ہے۔ جب کہ علاّمہ سیوطی سعید بن جبیر کو واسطہ قرار دیتے ہیں۔"[1]

امام احمد بن حنبل نے علی بن ابی طلحہ کی تفسیری روایات کی توثیق کی ہے البتہ دوسری روایات کے بارے میں کہا ہے کہ وہ کبھی کبھی منکرات کو بھی روایت کرتے ہیں۔

ابو بکر بن عیسٰے نے ۱۴۳ھ ہجری میں علی بن ابی طلحہ کی وفات کا قول کیا ہے۔[2]

رجال صحیفہ میں دوسرے نمبر پر معاویہ بن صالح ہیں حمص کے رہنے والے تھے۔ پھر اندلس کے قاضی بن گئے۔ لیث بن سعد کے کاتب عبداللہ بن صالح کا بیان ہے کہ ۱۵۴ھ ہجری میں حج پر جاتے ہوئے وہ مصر میں ٹھہرے ان سے علماء مصر نے روایات لیں۔

رہا یہ امر کہ انہوں نے علی بن ابی طلحہ ہاشمی سے صحیفۂ تفسیر کب حاصل کیا۔ اس بارے میں غالب گمان یہ ہے کہ معاویہ بن صالح نے حمص چھوڑنے سے پہلے غالباً ۱۲۳ھ ہجری میں یہ نسخۂ تفسیر حاصل کیا اس لیے کہ اس کے بعد معاویہ بن صالح کا حمص اور علی بن ابی طلحہ کا اندلس کا سفر کرنا ثابت نہیں۔ لہٰذا قرینِ قیاس یہی ہے کہ

---

[1] ۔ الاتقان ۔ ج: ۲، ص: ۱۸۹

[2] ۔ تہذیب التہذیب ۔ ج: ۷، ص: ۲۹۹

Marfat.com

اندلس جانے سے پہلے معاویہ بن صالح نے علی بن ابی طلحہ ہاشمی سے نسخہ حاصل کیا۔

رجال صحیفہ میں تیسرے شخص ابو صالح عبداللہ بن صالح مصری ہیں جو لیث بن سعد کے کاتب کے نام سے مشہور ہیں ان کے بارے میں امام احمد بن حنبل کہتے ہیں "کان فی اول امرہ متماسکا ثم فسد باخرہ" [1]

اولاً تو خیر یہ مضبوطی سے قائم تھے آخر عمر میں فتور پیدا ہوا۔ ابو صالح کی وفات ۲۲۳ سنہ ہجری میں ہوئی۔

امام بخاری دوبارہ مصر گئے یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ انھوں نے یہ نسخہ تفسیر کب حاصل کیا ہے۔ بہر حال ۲۱۰ سنہ ہجری سے لیکر ۲۲۳ سنہ ہجری کی درمیانی مدت میں اسے حاصل کیا ہے۔ اور عبداللہ بن صالح کا نام لئے بغیر سند معلق کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس سے اسے روایت کیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا کیوں کیا؟۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ سند متصل کے طور پر یہ صحیفہ ان کی شرط پر نہ تھا۔ اس لئے سند معلق کے ساتھ ذکر کیا یہاں پر اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ امام بخاری نے صحیفہ علی ابن ابی طلحہ کے علاوہ دوسری کتابوں سے بھی مفردات قرآنی کے معانی لئے ہیں۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ امام بخاری کے بعد ابن جریر طبری نے یہ صحیفہ ان لوگوں سے حاصل کیا جو عبداللہ بن صالح کاتب لیث سے روایت کرنے والے تھے۔ طبری میں مفردات کے معانی کے علاوہ بعض مفصل روایتیں بھی اس نسخے سے ملتی ہیں۔ جب کہ امام بخاری نے صرف مفردات کی تحقیق اس صحیفے سے لی ہے۔ طبری نے تحویل قبلہ کے شان نزول پر مفصل روایت اس صحیفے سے لی ہے۔" [2]

---

[1] تہذیب التہذیب۔ ج: ۵، ص: ۲۲۲

[2] تفسیر ابن جریر طبری۔ ج: ۳، ص: ۱۳۹

Marfat.com

اسی طرح آیت صبر (وبشر الصابرین) اور آیت وصیّت (کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت) کے ضمن میں بھی مذکورہ صحیفہ سے روایات لی گئی ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ صحیفہ علی بن ابی طلحہ میں صرف مفردات ہی نہیں بلکہ بعض آیات کی مکمل تفسیر بھی تھی۔

اس ساری بحث کے بعد آخر میں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ صحیفہ گردشِ زمانہ سے تلف ہو چکا ہے اور اب تو نوادر و مخطوطات میں بھی اس کا ذکر نہیں ملتا۔ البتّہ تفسیر ابن عباس کے نام سے ایک اور کتاب مشہور ہے جس کا نام تنویر المقیاس ہے۔

تنویر المقیاس

اسے امام مجدالدین فیروز آبادی صاحب قاموس اللغات نے ترتیب دیا ہے۔ اور اس کے شروع میں اپنی سند بھی ذکر کی ہے اسے تفسیر ابن عباس کہتے ہیں۔

ہماری رائے میں اسے اصطلاحی طور پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کہنا مناسب نہیں۔ البتّہ ان سے روایت شدہ تفسیری اقوال ہیں جنھیں علّامہ فیروز آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے ترتیب دیا ہے۔ اس میں صحیح سقیم ہر قسم کی روایات مندرج ہیں۔ اس کی صحت کا التزام نہیں کیا گیا۔

تنویر المقیاس کے علاوہ کتاب غرائب القرآن بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ذاتی تصنیف نہیں بلکہ مفرداتِ قرآنی کی تشریح میں آپ کے متفرق اقوال ہیں جنھیں بعد والوں نے جمع کر کے آپ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

غرضیکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ترجمان القرآن، حبر امت اور امام المفسرین ہیں۔ تفسیرِ قرآنی میں آپ کا مقام بہت بلند ہے لیکن اس موضوع پر آپ کی کوئی تصنیف

Marfat.com

نہیں ملتی۔ بعد میں آنے والے حضرات نے صحیح، سقیم ہر قسم کی روایات کو جمع کر کے آپ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

ہماری رائے کی تائید مشہور مصری عالم احمد امین مصری کے قول سے ہوتی ہے وہ اپنی مشہور کتاب ضحی الاسلام میں لکھتے ہیں "کہ صحابہ کرام کے دور میں تفسیری روایات کو الگ نہیں رکھا گیا۔ بلکہ حدیث، تفسیر اور فقہ کی روایات کو مخلوط رکھا گیا۔ صحابہ کرام کے دور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یا اور کسی صحابی نے تفسیر تصنیف نہیں کی[1]۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب تفسیروں کی حیثیت وہی ہے جو گذشتہ صفحات میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

تابعین کرام اور علمِ تفسیر

گذشتہ صفحات میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ذوقِ تفسیر پر تبصرہ کیا گیا۔ اب حضرات تابعین کرام رحمت اللہ علیہم کا ذکر خیر شروع ہوتا ہے۔ تابعین عظام نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے تفسیر و حدیث کا علم حاصل کیا اور پھر اسے صحیح معنوں میں آگے پہنچایا۔ قرآن مجید نے مہاجرین و انصار کے بعد تابعین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ "[2]۔

وہ لوگ جنھوں نے اخلاص کے ساتھ صحابہ کرام کی پیروی کی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر القرون کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

---

[1] ضحی الاسلام - ج: ۲، ص: ۱۳۹

[2] سورۃ التوبہ - آیت: ۱۰۰

Marfat.com

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم[1]،
سب سے بہتر زمانہ میرا ہے پھر ان لوگوں کا جو اس کے بعد آئیں گے۔ پھر ان کا جو ان کے بعد تشریف لائیں گے۔"

اسی طرح امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے صحابۂ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے زمانے کو خیر و برکت کا زمانہ قرار دیا۔ تابعین کرام نے علم و عمل، اخلاق، جہاد اور فتوحات اِسلامیہ کے میدان میں جو عظیم کارنامے انجام دیئے نہ ان کا استیعاب ممکن ہے نہ یہاں پر مقصود۔ حضرات تابعین نے قرآن فہمی کے لیۓ صحابۂ کرام کے علمی ذوق کو برقرار رکھا۔ اُنھوں نے صحابۂ کرام کی طرح علم تفسیر و حدیث کے حصول کے لیۓ سفر بھی کیۓ۔ حضرت مسروق بن اجدع تابعی کا مشہور واقعہ ہے۔ کہ اُنھوں نے ایک آیت کی تفسیر کے لیۓ بصرہ کا سفر کیا پھر معلوم ہُوا کہ وہ تفسیر شام کے ایک عالم کے پاس ہے۔ وہاں سے پھر شام کا سفر کیا اور اس آیت کی تفسیر معلوم کی۔ جناب عکرمہ کا قول ہے کہ میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ سورۂ نسار کی آیت۔ ومن یخرج من بیتہ مھاجرا الی اللہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ" جو اپنے گھر سے اللہ اور رسُول کی راہ میں ہجرت کرنے کے لیۓ نکلا پھر راستے میں اسے موت آگئی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ثابت ہوگیا"۔ کس کے حق میں نازل ہُوئی ہے۔ میں نے چودہ سال اس کی تلاش میں گزارے تب جاکر کہیں معلوم ہُوا کہ وہ ضمرہ بن جبیب تھے[2]"۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تابعین حضرات بھی صحابۂ کرام کی طرح تفسیر قرآن حکیم کے دلدادہ تھے۔

---

[1] سنن ابی داؤد - ج: ۲، ص: ۲۸۴

[2] مقدمہ تفسیر فتح القدیر (علّامہ شوکانی) تفسیر ابن کثیر - ج: ۲، ص: ۵۴۳

Marfat.com

صحابۂ کرام اور تابعین عظام کے ذوق میں تھوڑا سا فرق نظر آتا ہے۔ صحابۂ کرام کو تفسیری روایات الگ رکھنے کی عادت نہ تھی ان کے ہاں تفسیر و حدیث کی روایات ایک ساتھ لکھی جاتی تھیں جب کہ تابعین عظام نے تفسیری روایات کو حدیث سے الگ کر دیا۔ اس طرح علمِ تفسیر کا تشخص قائم ہو گیا۔ اور مستقل طور پہ اہلِ علم کی توجّہ کا مرکز بن گیا۔

تابعین عظام میں سعید بن جبیر، ابوالعالیہ، عطا بن ابی رباح اور زید بن اسلم ایسے حضرات ہیں جنھوں نے علم تفسیر کو مستقل فن کی حیثیت سے متعارف کرایا۔ حضرات تابعین نے علمِ تفسیر کے مجموعے مرتّب کیے اور بعد میں آنے والے مفسّرین کے لیے مشکل کام کو آسان کر دیا۔ آج بھی اگر کوئی شخص اس نقطۂ نظر سے قرآن کا مطالعہ کرنا چاہے کہ اسے صحابۂ و تابعین نے کس طرح سمجھا تو وہ ان حضرات کی علمی کاوشوں کی روشنی میں مفہوم قرآن حکیم کو صحیح طور پہ سمجھ سکتا ہے۔

تفسیر تابعین کی حیثیّت

علّامہ بدرالدّین زرکشی لکھتے ہیں کہ تابعین اگر صحابۂ کرام یا رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم سے تفسیر روایت کریں تو ان کی تفسیر بلا شک و شُبہ حجّت ہے۔ اگر حضرات تابعین اپنے طور پہ قُرآن کی لغوی تحقیق و تشریح کریں، ناسخ و منسُوخ کا قول کریں یا اسبابِ نزول بیان کریں تو بھی ان کی بات کو ترجیح دی جائے گی۔ اگر ان کے اقوال میں تعارض پایا جائے تو پھر اجتہاد سے کام لے کر کسی ایک قول کو ترجیح دی جائے گی۔" [1]

تعارض اور اختلاف تفسیر کے بارے میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ بعض اوقات صِرف تعبیر میں اختلاف ہوتا ہے یا ایک ہی امر کے مختلف پہلو اور

---

[1] - البرھان۔ ج : ۲ ۔ ص : ۱۷۲ ۔

Marfat.com

مختلف لوازم کو ذکر کیا جاتا ہے۔ تو یہ تعارض مضر نہیں وہاں پر کسی بھی پہلو کو سامنے رکھ کر تفسیر کر سکتے ہیں۔ اس مسئلے کی نشاندہی کرتے ہوئے جناب سفیان نے فرمایا۔

لیس فی تفسیر القرآن اختلاف انما هو کلام جامع یراد به هذا و هذا۔" [1]

تفسیر قرآن میں درحقیقت کوئی اختلاف نہیں وہ ایک جامع کلام ہے اس سے کبھی ایک معنی مُراد ہوتا ہے اور کبھی دُوسرا" حضرت ابُوالدرداء کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے تم اس وقت تک کامل فقیہ نہیں بن سکتے جب تک قُرآن میں متعدّد وجُوہ تفسیر کا علم حاصل نہ کرلو۔ یہ اختلاف تحقیقی نوعیت کا ہے اُمّت کے لِئے مضر نہیں۔ وہ اختلاف مضر ہے جو بنیادی عقائد میں پایا جائے تابعین کرام کا تفسیری اختلاف اُمّت کے لِئے فہم القُرآن کی راہیں کُشادہ کرتا ہے۔ اس سے قرآن حکیم کی ہمہ گیری اور جامعیّت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے تابعین کرام اور بعد کے مفسرین کے مابین تعبیری اختلاف پایا جاتا تھا۔ لیکن وہ ایک دُوسرے کی تکفیر و تفسیق نہیں کرتے تھے۔ یہ بات ان کی وسعت علمی اور وسیع النظری کی روشن دلیل ہے۔

ایک شُبہ کا ازالہ

یہاں پر ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب تابعین کرام کا قول فروع میں حُجّت نہیں تو پھر تفسیر قرآن میں کیسے حجّت ہوگا۔؟ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ مشہُور مفسّر حافظ ابن کثیر کے الفاظ میں اس شُبہ کا ازالہ کیا جائے۔ حافظ ابنِ کثیر لکھتے ہیں۔

اذا جمعوا علی شئ فلا یرتاب فی کونه حجة فان اختلفوا فلا یکون قول بعضهم حجة علی بعض

---

[1] مقدمه تفسیر فتح القدیر۔ ص: ۳

Marfat.com

ولا علی من بعدهم ویرجع فی ذٰلك الی لغة القرآن او السنة او عموم لغة العرب او اقوال الصحابة فی ذٰلك" ؎۱

جس وقت تابعین کسی بات پر اجماع کر لیں تو اس کے حجت ہونے میں کوئی شبہ نہیں اگر اختلاف کریں تو اس صورت میں ان میں سے بعض کا قول دوسرے بعض اور بعد میں آنے والوں کے لئے حجت قطعی نہیں رہتا ایسی صورت میں لغت قرآن سنت نبوی اور اقوال صحابہ کی طرف رجوع کر کے اختلاف ختم کرنا چاہیئے اور تحقیق و اجتہاد کی روشنی میں جو قول راجح ہو اسے تفسیر قرآن کا درجہ دینا چاہیئے۔

غرضیکہ اتفاق اقوال کی صورت میں تابعین کی تفسیر حجت ہے اور اختلاف کی صورت میں تحقیق و اجتہاد کا دروازہ کشادہ ہے۔

تابعین کے طبقات ثلاثہ

علامہ جلال الدین سیوطی نے الاتقان اور حافظ ابن تیمیہ نے اپنے رسالہ اصول التفسیر میں مفسرین تابعین کے تین طبقات ذکر کیئے ہیں جو ان کے علمی مراکز سے تعلق رکھتے ہیں۔ ؎۲

۱۔ مفسرین مکہ۔ مثلاً مجاہد بن جبر مکی (متوفی سنہ ۱۰۱ ہجری) عطا بن ابی رباح (م سنہ ۱۱۴ھ) عکرمہ مولی ابن عباس (م سنہ ۱۰۵ھ) طاؤس بن کیسان (م سنہ ۱۰۶ھ) سعید بن جبیر (م سنہ ۹۵ھ)

۲۔ مفسرین کوفہ۔ ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ میں سے علقمہ، مسروق، اسود بن یزید وغیرہ مشہور مفسر ہیں۔

؎۱۔ مقدمہ تفسیر ابن کثیر۔ ص: ۵

؎۲۔ الاتقان۔ ج: ۲، ص: ۱۸۹ و اصول تفسیر ابن تیمیہ۔ ص: ۴۷

Marfat.com

۳۔ مفسرین مدینہ۔ ان میں زید بن اسلم (م ۱۳۶ھ) یا بقول بعض (۱۳۰ھ) ابوالعالیہ (م ۹۰ھ) اور محمد بن کعب القرظی (م ۱۱۸ھ) ہیں۔ مفسرین مکہ کی تفسیری خدمات نسبتاً زیادہ ہیں۔

چند مشہور مفسرین کرام

تابعین میں سے چند مشہور مفسرین کا تذکرہ درج ذیل ہے۔

۱۔ مُجاہد بن جبر مکی۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ہونہار شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ میں نے حفظ و تجوید کے لیے حضرت عبداللہ بن عباس پر تین بار قرآن مجید پیش کیا۔[۱]

دُوسری روایت میں ہے کہ تفسیر اور قرآن فہمی کے لیے تیس بار پیش کیا۔[۲]

سفیان ثوری کہتے ہیں کہ جب تمہارے پاس مُجاہد کی تفسیر آجائے تو قرآن فہمی کے لیے وہی کافی ہے۔"[۳]

مُجاہد کی تفسیری روایات تفسیر ابن جریر، ابن ابی حاتم اور مستدرک حاکم میں بکثرت موجود ہیں اور ان کے حوالے سے دُوسرے مفسرین بھی نقل کرتے ہیں۔ امام بخاری نے کتاب التفسیر میں کہیں کہیں جناب مُجاہد کے اقوال بغیر سند کے ذکر کیے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ ان کے تفسیری مجموعے سے اخذ کیے ہوں گے۔

۲۔ عکرمہ مولیٰ ابن عباس۔ آپ کا شمار بھی حضرت عبداللہ بن عباس کے لائق شاگردوں میں ہوتا ہے آپ کا طریق سند حسن بن واقد عن یزید النحوی معروف ہے۔"[۴]

---

[۱]۔ تفسیر ابن کثیر۔ ص: ۵

[۲]۔ طبقات ابن سعد۔ ج: ۵، ص: ۴۶۱

[۳]۔ تفسیر ابن کثیر۔ ص: ۵

[۴]۔ درمنثور۔ ج: ۶، ص: ۴۲۴

Marfat.com

جناب عکرمہ فرماتے ہیں کہ ابن عباس میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر مجھے قرآن وحدیث کی تعلیم دیتے تھے"۔ [۱]

سلام بن مسکین کا کہنا ہے۔ **كان عكرمة اعلم الناس بالتفسير**[۲] عکرمہ لوگوں میں تفسیر کے سب سے بڑے عالم تھے۔

۳۔ <u>ابوالعالیہ</u>۔ ان کا پورا نام رفیع بن مہران ریاحی ہے۔ ابوبکر بن ابی داؤد نے کہاہے کہ صحابہ کرام کے بعد ابوالعالیہ سب سے زیادہ تفسیر جاننے والے تھے۔ آپ کے بعد پھر سعید بن جبیر، شیخ سدی اور پھر سفیان ثوری کا نمبر آتا ہے"۔ [۳] آپ کا سن وصال ۹۰ھ ہے۔

۴۔ <u>سعید بن جبیر</u>۔ آپ کا شمار ائمہ تابعین میں ہوتا ہے آپ حجاج بن یوسف کی تیغ ظلم کے آخری شہید ہیں۔ آپ نے حجاج کے سامنے جرأت ایمانی اور حاضر جوابی کا جو انداز پیش کیا وُہ اپنی مثال آپ ہے۔ آپ نے سیدنا ابن عباس سے تفسیر اور دُوسرے علوم دینیہ حاصل کئے۔ آپ باقاعدہ درس تفسیر کا اہتمام فرماتے تھے آیات کے شانِ نزول اور ان کی تفسیر و تاویل پر آپ کی گہری نظر تھی۔

حافظ شمس الدین ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھاہے کہ عبدالملک بن مروان اموی خلیفہ نے آپ سے استدعا کی کہ قرآن مجید کی تفسیر لکھیں آپ نے خلیفہ کے کہنے پر قرآن مجید کی تفسیر لکھی۔ اس طرح خلیفہ وقت کے حکم پر سب سے پہلے لکھی جانے والی تفسیر غالباً آپ ہی کی ہے"۔ [۴]

صاحب کشف الظنون نے علامہ ابواسحاق ثعالبی (م ۴۲۷ھ) کے حوالے سے

۱۔ طبقات ابن سعد۔ ج: ۲، ص: ۳۸۶

۲۔ طبقات ابن سعد۔ ج: ۲، ص: ۳۸۵

۳۔ مفتاح السعادۃ۔ ج: ۱، ص: ۴۱۱، تذکرۃ الحفاظ۔ ج: ۱، ص: ۶۲

۴۔ میزان الاعتدال۔ ج: ۲، ص: ۱۹۷

Marfat.com

لکھا ہے کہ اس دور میں محمد بن کعب قرظی اور عطا بن ابی رباح نے بھی قرآن مجید کی تفسیریں لکھیں۔" [1]

۵۔ **قتادہ بن دعامہ**۔ علمی اعتبار سے آپ کا شمار بھی جلیل القدر تابعین میں ہوتا ہے آپ ۶۱ھ میں پیدا ہوئے علمی ذوق بچپن سے بڑھاپے تک غالب رہا۔ قوت حافظہ میں بے مثل تھے۔ جو روایت ایک دفعہ سن لیتے دوبارہ سننے کی ضرورت نہ رہتی۔ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن میں کوئی ایسی آیت نہیں جس کی تفسیر کے بارے میں میں نے کچھ نہ سنا ہو۔ امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ قتادہ تفسیر کے بڑے عالم تھے۔ یہی رائے ابن حبان کی ہے۔ آپ نے ۱۱۷ھ میں وفات پائی۔" [2]

۶۔ **زید بن اسلم مدنی**۔ علمائے مدینہ میں سے بڑی شہرت کے مالک ہیں ان کے والد اسلم امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم کے آزاد کردہ غلام اور تربیت یافتہ شاگرد تھے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے شبانہ گشت میں عموماً جناب اسلم کا ساتھ ہوتا۔ زید بن اسلم سے آپ کے فرزند عبد الرحمٰن بن زید کے علاوہ امام علی زین العابدین نے بھی استفادہ کیا۔ ابو زہرہ مصری لکھتے ہیں کہ امام زین العابدین پر نافع بن جبیر نے اعتراض کیا کہ آپ آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو کر ایک غلام زادے کی مجلس میں کیوں جاتے ہیں۔ امام نے جواباً فرمایا۔ انما یجلس الرجل حیث ینتفع وان العلم یطلب حیث کان۔" [3]

آدمی وہیں بیٹھتا ہے جہاں اسے نفع محسوس ہو اور علم وہاں سے طلب کیا جاتا ہے جہاں سے ملنے کی اُمید ہو۔

جناب زید بن اسلم کو تفسیر کے علاوہ فقہ میں بلند مقام حاصل تھا۔ حافظ ابن حجر

---

[1]۔ کشف الظنون۔ ص: ۴۵۳، کالم ۱۔

[2]۔ تذکرۃ الحفاظ۔ ج: ۱، ص: ۱۰۹، تہذیب التہذیب۔ ج: ۸، ص: ۳۵۵۔

[3]۔ الامام الصادق تالیف شیخ ابو زہرہ مصری: ص: ۸۷

Marfat.com

حافظ شمس الدین ذہبی اور علامہ نووی نے آپ کو بالاتفاق فقیہ مدینہ قرار دیا ہے۔
آپ کا وصال ۱۳۶ھ میں ہوا۔

مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ جناب مسروق امام حسن بصری، عطار بن ابی مسلم خراسانی، مُرۃ ہمدانی، محمد بن کعب قرظی، سعید بن مسیب، طاؤس بن کیسان اور نافع بن جبیر کو بھی علم تفسیر و حدیث میں بلند مقام حاصل تھا۔ رحمہم اللہ اجمعین۔

تفسیر ماثورہ میں اسرائیلیات کا اختلاط اور اُس کا سدِّباب

اس میں شک نہیں کہ تابعین کرام نے صحابۂ کرام سے قرآنی تفسیر سُن کر اسے ضبط کیا اور مختلف صحیفوں میں مرتب کیا یہ ایک انتہائی مفید علمی کام تھا۔ لیکن افسوس کہ اس کے ساتھ ساتھ ایک اور عنصر نے تفسیر ماثورہ میں جگہ لے لی۔ اس عنصر سے ہماری مُراد وہ اسرائیلی روایات ہیں جنھوں نے قرآن فہمی کو پیچیدہ بنا دیا۔ لوگ قرآن فہمی کے ذوق سے ہٹ کر غیر ضروری اور غیر متعلقہ قصوں میں اُلجھ کر رہ گئے اس عنصر کی سرایت پر کلام فرماتے ہُوئے حافظ ابن خلدون اپنی تاریخ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ

" اہل عرب اپنی بدویت اور اُمیت (اَن پڑھ ہونا) کی وجہ سے اسباب تکوین ابتدا تخلیق اور اسرارِ وجُود وغیرہ کے مسائل اہل کتاب سے پُوچھتے تھے۔ اہل کتاب بھی اہلِ بادیہ میں سے تھے۔ اور ان میں سے اکثر حمیری تھے۔ جنہوں نے یہودی مذہب اختیار کیا ہُوا تھا۔ جیسا کہ کعب الاحبار، وہب بن منبہ وغیرہ۔ چُونکہ ان روایات کا تعلق احکام سے نہیں تھا۔ اِس لئے زیادہ چھان بین ضروری نہ سمجھی گئی"۔[1]

جیسا کہ ابن خلدون نے کہا ہے چونکہ ان روایات کا تعلق احکام سے نہیں تھا اس لیے زیادہ چھان بین ضروری نہ سمجھی گئی۔ یہ شروع شروع کی بات ہے ورنہ بعد میں ایسی

---

[1] مقدمہ تاریخ ابن خلدون۔ جلد اوّل۔ باب: ۴، فصل: ۵

Marfat.com

اسرائیلی روایات بھی آگئیں جو مسلمانوں کے بنیادی عقائد سے متصادم تھیں۔ اور ان روایات کو صحیح مان لینے سے عصمتِ انبیاء علیہم السّلام پر سے ایمان اُٹھ جاتا تھا اس لیے ایسی روایات کو تفاسیر میں درج کرنا سنگین غلطی تھی جس کی آج تک تلافی نہیں ہو سکی۔ اسرائیلی روایات لینے یا نہ لینے کے بارے میں مختلف روایات ملتی ہیں کہیں تو فرمایا گیا۔ حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج"۔ ؎۱

بنی اسرائیل سے روایات لیا کرو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کہیں یہ روایت ملتی ہے کہ اہلِ کتاب کی تصدیق کرو نہ تکذیب۔ یہی کہو ہمارا اللہ اور رسُول پر ایمان ہے"۔ ؎۲

حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ البدایہ والنہایہ اور تفسیر ابن کثیر میں اس مسئلے پر محققانہ بحث کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ اہلِ کتاب کی روایات تین قسم کی ہیں ایک وہ جن کی تائید کتاب و سُنت سے ہوتی ہے یہ بالکل صحیح ہیں اور ان کے بارے میں فرمایا گیا بنی اسرائیل سے روایتیں بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں۔ دُوسری قسم کی وہ روایات ہیں جو کتاب و سُنّت کے خلاف ہوں اور عصمتِ انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسلام میں قادح ہوں ایسی روایات کو بیان کرنا سخت حرام و قبیح ہے۔ تیسری قسم کی وہ روایات جن کے بارے میں شریعت خاموش ہے۔ کتاب و سُنّت ان کی تصدیق کرتی ہے نہ تکذیب۔ انہی روایات کے متعلق فرمایا گیا کہ تم اہلِ کتاب کی تصدیق کرو نہ تکذیب"۔ ؎۳

حافظ ابن کثیر کے اس تحقیقی قول سے یہ مسئلہ واضح ہو جاتا ہے کہ کن صُورتوں میں اسرائیلی روایات لی جائیں اور کن میں نہیں۔ بعض مفسّرین کا طرزِ عمل کچھ ایسا ہے کہ وہ بعض غیر ضروری اور غیر متعلقہ مباحث کو اسرائیلیات سے لے کر ایک نزاعی مسئلہ بنا دیتے ہیں۔

؎۱۔ سنن ابو داؤد۔ ج: ۲، ص: ۱۵۶۔

؎۲۔ صحیح بخاری۔ ج: ۲، ص: ۶۴۴۔

؎۳۔ البدایۃ والنہایۃ۔ ج: ۲، ص: ۱۳۳

و مقدمہ تفسیر ابن کثیر۔

Marfat.com

مثلاً آدم و حوا نے گندم کا دانہ کھایا تھا یا کوئی اور چیز کھائی تھی، اصحاب کہف کے
کا نام کیا تھا اور اس کا رنگ کیسا تھا؟ وغیرہ ظاہر ہے کہ ان باتوں کو قرآن فہمی سے
ئی تعلق نہیں۔ مگر مفسّرین ایک دُوسرے کی تقلید میں ان مباحث کو بیان کرتے آتے
ں تاہم مفسّرین کی ایک جماعت ایسی بھی ہے جو ان مباحثِ لایعنی کی سختی سے تردید
تی ہے اور اُنھوں نے قرآن حکیم کے اصل مقاصد کو اُجاگر کیا۔ ان میں حافظ ابن جریر
ابن کثیر، قاضی بیضاوی، امام قرطبی اور علّامہ محمُود آلوسی کے نام خصُوصی طور پر قابلِ ذکر ہیں۔
وں نے اسرائیلی روایات کا علمی محاسبہ کیا اور تفسیر قرآن کے اصل مقاصد کو واضح کیا۔
ر یہ ثابت کیا کہ مستشرقین کا یہ اعتراض بالکل غلط ہے کہ مُسلمانوں نے علم تفسیر میں جو کام
ہے وُہ علماء یہوُد و نصاریٰ سے مستعار ہے۔ اہل کتاب کے عُلماء اپنی مذہبی کتابوں کی
اظت نہ کر سکے تو علماء اسلام کو قرآن حکیم کی تفسیر کیا سمجھاتے؟۔ یہ تو ایک فتنہ تھا جو
سرائیلی روایات کی صُورت میں پھیل گیا۔ اللہ تعالیٰ نے علماء حق کو یہ توفیق دی کہ اُنھوں
ماسرائیلی روایات پر علمی تنقید کی اور ان کا سختی سے محاسبہ کیا اور فہم قرآن کے بند دروازے
بارہ سے مُسلمانوں پر کھول دیئے۔ اسرائیلی روایات کو حذف کرنے کے بعد ہمارے اکابر
صحیح روایت و درایت کی روشنی میں قرآنی تفسیر کو دُنیا کے سامنے پیش کیا اور یہ
بت کیا کہ قرآن حکیم ہر دور کے مسائل کو حل کر سکتا ہے وہ اپنی تفسیر میں یہوُد و نصاریٰ
روایات کا محتاج نہیں بلکہ یہوُد و نصاریٰ اگر ہدایت کے خواہاں ہوں تو قرآن مجید
ہیں تورات و انجیل کی اصل تعلیمات سے آگاہ کرتا ہے اور قیامت تک آنے والے
سانوں کے لیۓ مکمّل ضابطۂ حیات اور ابدی نجات کا پیغام ہے۔

تفسیرِ ماثور کی باقاعدہ تدوین

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مختلف شہروں میں رہنے والے تابعین کرام نے اپنے

Marfat.com

علاقے کے مفسرین صحابہ کے اقوال کو جمع کیا۔ اہل مدینہ نے عبداللہ بن عمر، ابی ابن کع
اور زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہم کے تفسیری اقوال کو جمع کیا اہلِ کوفہ نے حض
علی اور حضرت ابن مسعود کے تفسیری اقوال کو مرتب کیا۔

تبع تابعین نے تمام تفسیری اقوال کو جمع کر کے کتب تفسیر میں عمومیت پیدا کی
تابعین کے دور میں عام طور پر تفسیر و حدیث کو ایک ساتھ لکھا جاتا تھا۔ تبع تابعی
تفسیری روایات کو الگ جمع کرنے کی کوشش کی اس طرح تفسیرِ ماثور کی باقاعدہ تدو
میں لائی گئی۔ ابن ندیم نے اپنے دور (۳۸۵ھ) تک تقریباً پینتالیس تفاسیر ک
گنائے ہیں جو اکثر ناپید ہیں۔ جن میں سے چند مشہور کتب تفسیر کے نام درج ذ

۱۔ کتاب التفسیر امام باقر ۲۔ تفسیر ابن عباس بروایت مجاہد ۳۔ کتاب التف
ابی حمزہ ثمالی (اس کو ابن ندیم نے حضرت علی کی تفسیر قرار دیا ہے۔ لیکن حضرت علی
کی طرف اس کی نسبت درست نہیں۔ گذشتہ صفحات میں ہم مکمل بحث کر چکے ہیں
۴۔ تفسیر عکرمہ عن ابن عباس ۵۔ تفسیر امام حسن بصری ۶۔ تفسیر سفیان بن
۷۔ کتاب التفسیر وکیع بن جراح ۸۔ کتاب التفسیر شیخ سدی ۹۔ کتاب التف
مقاتل بن سلیمان ۱۰۔ کتاب التفسیر مقاتل بن حیان ۱۱۔ کتاب التفسیر سعید بن
۱۲۔ کتاب التفسیر اسماعیل بن ابی زیاد۔ وغیرہ

مصنف ابن ندیم نے صرف پینتالیس کتب تفسیر کا نام لیا ہے جس سے
ہوتا ہے کہ اس دور میں تفاسیر کثرت سے لکھی گئیں۔ ابن ندیم کی یہ فہرست جا
حتمی نہیں۔ بہت سی تفاسیر کے نام اس میں نہیں۔ مثلاً ۱۔ تفسیر سفیان بن سع
جس کا ایک ناقص قلمی نسخہ رام پور کی لائبریری میں تھا۔ مولانا امتیاز علی عرشی ن
کی تصحیح اور تعلیقات قلم بند کیں اب یہ نسخہ رام پور سے ۱۹۶۵ء میں شائع ہو چکا
اس میں سورۂ بقرہ سے سورۂ طور تک مختصر تفسیر ہے۔

Marfat.com

۲۔ تفسیر ابو العالیۃ (متوفی ۹۰ھ) ۳۔ تفسیر عطاء بن ابی رباح (متوفی ۱۱۴ھ)
۔ تفسیر عبید بن حمید (متوفی ۲۴۹ھ) ۵۔ تفسیر بقی بن مخلد (متوفی ۲۷۶ھ) وغیرہ۔
غرضیکہ ابن ندیم کی فہرست نمونے کی فہرست ہے اسے کامل فہرست کا نام نہیں
یا جا سکتا۔

اسی دور میں علمائے لغت اور علماء نحو نے بھی تفسیر قرآن مجید پر کام کیا۔ قرآن مجید
لغوی اور نحوی تحقیق کی اور اپنی فنی مہارت سے قرآن کے ادبی پہلو کو نمایاں کیا۔
ان میں سے ابان بن تغلب (متوفی ۱۴۱ھ) نوح بن عمر (متوفی ۱۷۴ھ) محمد بن مستنیر
۲۰۶ھ) یحییٰ بن زیاد فراء (متوفی ۲۰۷ھ) ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ (متوفی ۲۱۰ھ)
ابن حمزہ کسائی (متوفی ۱۸۲ھ) نضر بن شمیل (متوفی ۲۰۳ھ) وغیرہ خصوصی طور پر
ل ذکر ہیں۔

ہم ان میں سے معانی القرآن (الفراء) اور مجاز القرآن (معمر بن مثنیٰ) کا ذکر
رے تفصیل سے کریں گے۔

۱۔ معانی القرآن۔ یہ کتاب یحییٰ بن زیاد (م ۲۰۷ھ) کی تالیف ہے۔ علامہ فراء
ولادت کوفہ میں ہوئی۔ آپ کے حافظے کا یہ عالم تھا کہ تفسیر، حدیث اور لغت کے
ے میں کوئی بات ہوتی تو فوراً یاد کر لیتے۔ تاریخ بغداد میں آپ کے علمی فضائل کا
صیلی ذکر ہے۔ آپ کی تصانیف میں معانی القرآن کے علاوہ آلۃ الکتاب،
ایام واللیالی، الجمع والتثنیۃ فی القرآن، المشکل الصغیر،
لمشکل الکبیر، النوادر وغیرہ کا نام بھی لیا گیا ہے۔ [1]

معانی القرآن کی وجہ تالیف میں ابن ندیم نے لکھا ہے عمرو بن بکیر نے فراء کی
ف لکھا کہ لوگ مجھ سے تفسیر قرآن کے بارے میں سوال کرتے ہیں مجھے ایک کتاب

---

[1] تقدیم معانی القرآن۔ ص : ۱۲

Marfat.com

لکھ بھیجو تاکہ میں لوگوں کے سوالات کا جواب دے سکوں۔ اس پر فراء نے اس
تلامذہ اور احباب سے کہا کہ تم نماز کے بعد جمع ہو جایا کرو میں تمہیں تفسیر لکھا دو
چنانچہ نماز کا وقت آتا تو نماز سے فارغ ہو کر فراء قرآنی آیات کی تفسیر شروع کر
شاگرد اسے قلم بند کر لیتے۔ اس طرح یہ تفسیر فراء نے اپنی یاد داشت سے لکھ
مشہور نحوی ابو العباس مبرد نے فراء کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا
لم یعمل احد قبلہ ولا احسب ان احدًا یزید علیہ" لہ
کسی نے اس سے پہلے ایسی تفسیر نہیں لکھی اور میرا خیال ہے کہ کوئی اس پر (نحو و لغت
اعتبار سے) زیادتی بھی نہیں کر سکے گا۔ یہ کتاب ۲۰۳ھ یا ۲۰۴ھ میں لکھی گئی۔ اس
میں قراءات اور وجوہ اعراب پر بھی کلام کیا گیا ہے۔ کہیں کہیں معمر بن مثنیٰ پر تنقید
کی گئی ہے۔ چنانچہ فراء نے تفسیر فاتحہ میں غیر المغضوب علیھم ولا الض
میں غیر کو معنی لا قرار دینے پر معمر بن مثنیٰ پر تنقید کی ہے۔ ۲ہ

اس کتاب میں بعض مقامات پر شان نزول کا بیان بھی ہے۔ تفسیر ماثور کی جھ
کہیں کہیں نظر آتی ہیں لیکن تفسیر کا اصل اسلوب لغوی اور نحوی ہے۔ اسی اسلو
پر مصنف نے زیادہ زور صرف کیا ہے۔ یہ کتاب غالباً ۱۹۵۵ء میں دار الکتب
سے تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ ہم نے اس کی پہلی جلد پنجاب پبلک لائبریری
۱۹۶۵ء میں دیکھی تھی۔

۲۔ مجاز القرآن۔ یہ بھی قرآن کے لغوی منہاج پر لکھی گئی ہے۔ اس کے مؤ
ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ لغت اور نحو کے امام ہیں پیدائش ۱۱۱ھ اور وفات ۲۰۹ھ
ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ امام بخاری نے مفردات قرآ

لہ الفہرست۔ ص: ۱۰۵

۲ہ معانی القرآن۔ ج: ۱، ص: ۸

Marfat.com

تحقیق کے لیے اس کتاب کی طرف رجوع کیا۔ اسی طرح امام ابُوجعفر، ابن جریرطبری نے بھی آپ کی کتاب سے استفادہ کیا۔ جاحظ جیسے نقاد نے یہاں تک کہہ دیا۔ لم یکن

فی الارض خارجی ولا جماعی اعلم بجمیع العلوم من ابی عبیدہ۔ [1]

ابُوعبیدہ کے زمانے میں خوارج یا اہلسنّت والجماعت میں ابُوعبیدہ سے بڑھ کر تمام علوم کا عالم کوئی نہیں تھا۔ امام اصمعی اور ابُوزید ابُوعبیدہ کے معاصر ہیں ان میں معاصرانہ چشمک بھی تھی کچھ علماء نے تو ابوعبیدہ کی کتاب نقل کرنے کو ناجائز قرار دیا جن میں ابُوحاتم کا نام سرفہرست ہے۔ زجاج، نحاس اور ازہری نے اس کی مخالفت کی علی بن حمزہ بصری نے بھی مجاز القرآن پر سخت تنقید کی۔ لیکن ان باتوں کے باوجُود اس کتاب کو ہمیشہ علمی مرجع و ماخذ کی حیثیت حاصل رہی ہے جیسا کہ اس کی وضاحت گزُر چکی ہے۔ امام بُخاری اور ابوجعفر۔ ابن جریرطبری جیسے اکابر ائمہ نے اس کتاب کی طرف مراجعت کی ہے۔

ابن ندیم نے معمر بن مثنیٰ کی طرف مجاز القرآن، غریب القرآن، معانی القُرآن اور اعراب القُرآن کے نام سے کئی کتابیں منسُوب کی ہیں۔ [2]

لیکن قرین قیاس یہی ہے کہ ایک ہی کتاب کو مجاز القرآن کو مختلف ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔ مجاز کا مفہوم ابُوعبیدہ کے نزدیک عام ہے۔ مجاز ان تمام طرق عبارت کو شامل ہے جنھیں قرُآن اپنی تعبیرات میں پیش کرتا ہے ظاہر ہے کہ یہ مجاز کے اصطلاحی مفہوم سے بہت عام ہے۔

ابن قتیبہ نے تاویل مُشکل القرآن میں مصنّف کی اسی عام اصطلاح کو اپنایا ہے

---

[1] البیان والتبیین للجاحظ۔ ج :۱، ص: ۳۳۱

[2] الفہرست۔ ص: ۸۵

Marfat.com

ابُوعبیدہ کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اس نے قرآن کے لغوی پہلوُ سے بہت زیادہ اعتنا کیا اور اشعارِ عرب سے شواہد پیش کیے۔ مصنّف نے قصص القرآن اور اسبابِ نزول سے عام طور پر خاموشی اختیار کی ہے۔ البتّہ جہاں اسبابِ نزول کی اہمیت زیادہ ہو اور اس کے بغیر آیات کا مفہوم سمجھ میں نہ آسکے وہاں پر ابُوعبیدہ شانِ نزول بھی بیان کر دیتے ہیں۔

ابُوعبیدہ کے بعد زجاج کسائی اور ابُوعبید قاسم بن سلام نے بھی لغوی اور نحوی انداز میں قُرآن کی تفسیر کی۔ زمخشری اور بیضاوی نے بھی اسی رنگ کو اپنانے کی کوشش کی ہے لیکن ان کی تفسیروں پر اپنے اپنے مسلک کے علم کلام کا رنگ غالب آگیا۔ انشاءاللہ العزیز اس کی تفصیل ہم دُوسرے باب میں بیان کریں گے۔

اب ہم تفسیر مأثور کے اس اہم علمی کارنامے کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو امام المفسرین ابُوجعفر ابن جریر طبری کا علمی شاہکار ہے۔

تفسیر مأثور کا عظیم شاہکار

(تفسیر جامع البیان ابوجعفر محمّد بن جریر الطبری۔ متوفی ۳۱۰ھ)

تفسیر جامع البیان بجا طور پر تفسیر مأثور کا عظیم علمی شاہکار ہے۔ امام ابن جریر نے یہ تفسیر تصنیف کر کے بعد میں آنے والوں کے لیے بہت بڑا علمی ورثہ چھوڑا ہے بعد میں آنے والے تقریباً ہر مفسّر نے اس تفسیر کو اپنے لیے مأخذ و مرجع کی حیثیت دی ہے اور ابن جریر کے روایت کردہ آثار کو اپنی تفسیر میں جگہ دی۔

۱۔ تفسیر ابنِ جریر کے بارے میں ابُوحامد اسفرائنی کا قول مشہور ہے جسے صاحب کشف الظنون کے علاوہ حافظ شمس الدین ذہبی نے بھی تذکرۃ الحفاظ میں ذکر کیا ہے کہ علّامہ اسفرائنی فرماتے تھے۔ "لو سافر رجل الی الصین حتی یحصل له کتاب التفسیر محمّد بن جریر لم یکن ذلك کثیرا"۔[۱]

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج ۲، ص ۲۵۲ و کشف الظنون۔ ج ۱، ص: ۳۰۳

Marfat.com

اگر ایک آدمی تفسیر ابن جریر کے حصول کے لیے چین کا سفر کرے (تو مقصد کی اہمیت کے پیشِ نظر) یہ سفر معمولی اور مختصر سمجھا جائے گا۔

۲۔ علامہ نووی شارح مسلم فرماتے ہیں: "کتاب ابن جریر فی التفسیر لم یصنف احد مثله" [۱]

تفسیر ابن جریر کی مثل کسی نے تفسیر تصنیف نہیں کی۔

۳۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ اگر تم مجھ سے اس بات میں راہنمائی طلب کرو کہ کون سی تفسیر سب سے زیادہ مفید اور قابل مطالعہ ہے تو میں تمھیں امام ابن جریر کی تفسیر کا مشورہ دوں گا۔ تمام معتبر علما کا اجماع ہے کہ اس جیسی تفسیر نہیں لکھی گئی۔" [۲]

۴۔ ابن ندیم نے الفہرست میں لکھا ہے: "کتاب التفسیر لم یعمل احسن منه وقد اختصره جماعة منهم ابوبکر بن الاخشید" [۳]

ابن جریر کی کتاب التفسیر سے احسن تفسیر عمل میں نہیں آئی۔ علماء کی ایک جماعت نے اس کا اختصار کیا ہے جن میں ابوبکر بن اخشید بھی شامل ہے۔ علماء کرام کے ان اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ تفسیر ابن جریر فہم قرآن حکیم کے لیے معدن و مخزن کی حیثیت رکھتی ہے۔

تفسیر ابن جریر غیروں کی نظر میں

مفسر اعظم ابن جریر کی اس عظیم علمی کاوش پر انھیں مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم محققین نے بھی خراج تحسین پیش کیا ہے۔ مشہور مستشرق نولڈکہ (NOELDEKA)

۱۔ الاتقان۔ ج: ۲، ص: ۱۹۰ و کشف الظنون۔ ج: ۱، ص: ۳۰۲

۲۔ الاتقان۔ ج: ۲، ص: ۱۹۰

۳۔ الفہرست۔ ص: ۳۴۱

Marfat.com

نے ۱۸۶۰ء میں تفسیر ابن جریر کی طباعت سے پہلے اس کے متفرق اجزاء دیکھے تو بول اٹھا: "لوحصلت علی هذا الکتاب لا ستطعنا ان نستغنی عن کل کتب التفسیر المتاخرة ۔ ولکن یبدو للاسف مفقودا بالکلیة ولقد کان مثل کتاب التاریخ الکبیر لنفس المؤلف منبعا لا ینضب استمد من المتاخرون کلمتهم" [1]

اگر ہمیں یہ تفسیر حاصل ہو جاتی تو ہم متاخرین کی تمام تفسیروں سے بے نیاز ہو جاتے لیکن افسوس یہ بالکل مفقود نظر آتی ہے۔ (یہ بات اس کی طباعت سے پہلے کی ہے) حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب مصنف کی تاریخ کبیر کی طرح ایک نہ خشک ہونے والا چشمہ ہے جس سے بعد میں آنے والے حکمت حاصل کر سکتے ہیں۔

مشہور جرمن مستشرق گولڈ زیہر نے بھی ایسے ہی تاثرات کا اظہار کیا ہے وُہ ایک جگہ لکھتا ہے: "ولدینا فی هذا الکتاب دائرة معارف غزیرة الثروة من التفسیر المأثوره" [2]

ہمارے لئے یہ تفسیر مأثور کا بے بہا انسائیکلو پیڈیا ہے۔ دُوسری جگہ لکھتا ہے: "فکتاب الطبری الکبیر فی تفسیر القرآن هو جماع التفسیر المأثورة ومنتهٰی ذروته" [3]

امام ابن جریر طبری کبیر کی تفسیر تفسیر مأثور کا مجموعہ ہے اور فن تفسیر کی بلند ترین چوٹی ہے۔ اسی طرح دیگر اقوال بھی ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ غیر مسلم محققین بھی اِس کتاب کو تفسیر مأثور کا انسائیکلو پیڈیا سمجھتے ہیں۔

---

[1] مذاهب التفسیر الاسلامی۔ ص: ۱۰۸

[2] مذاهب التفسیر الاسلامی۔ ص: ۱۱۵

[3] " " " "

Marfat.com

مفسّر ابن جریر

امام کبیر، محدّث جلیل علامہ ابوجعفر ابن جریر طبری ۲۲۴ھ میں پیدا ہوئے آپ نے اسحاق بن اسرائیل، اسماعیل بن محمّد فزاری، ابوکریب، محمّد بن حمید کے علاوہ دیگر بہت سے محدثین و مفسّرین سے حدیث و تفسیر کا سماع فرمایا۔ آپ کے تلامذہ میں ابوشعیب حرانی، طبرانی، عبدالغفار حصینی اور ابوخلاد کے نام مشہور ہیں۔

آپ کی تصانیف میں تاریخ الامم والملوک (جو تاریخ طبری کے نام سے مشہور ہے) کتاب اختلاف العلما، تاریخ الرجال من الصحابۃ والتابعین، کتاب احکام شرائع الاسلام اور تہذیب الآثار کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ تہذیب الآثار میں عشرہ مبشرہ، اہل بیت کرام رضوان اللہ علیہم اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایات کا بہت بڑا حصہ پایا جاتا ہے اس میں صرف روایات کو جمع کرنے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ علل اور اختلاف علما کو بھی مع دلائل ذکر کیا گیا ہے خطیب بغدادی نے آپ کے بارے میں لکھا ہے"۔ کان ابن جریر احد الائمۃ یحکم بقولہ و یرجع الی رائیہ لمعرفتہ وفضلہ جمع من العلوم مالم یشارکہ فیہ احد من اہل عصرہ فکان حافظاً لکتاب اللہ بصیرا بالمعانی فقیہا فی احکام القرآن عالما بالسنن وطرقہا صحیحہا وسقیمہا و ناسخہا ومنسوخہا عارفا باقوال الصحابۃ والتابعین ومن بعد ھم من المخالفین فی الاحکام ومسائل الحلال والحرام عارفا بایام الناس واخبار ھم"۔ [۱]

---

[۱] المنتظم لابن جوزی۔ ص: ۱۷۱، ج: ۶
و تاریخ الکامل لابن اثیر۔ ص: ۴۶، ج: ۸

Marfat.com

"ابن جریر ان ائمہ میں سے ہیں جن کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے اور ان کی رائے کی طرف رجوع کیا جاتا ہے ابن جریر نے اپنے زمانے میں اتنے علوم جمع کئے کہ ان کا کوئی معاصر اس میں شریک نظر نہیں آتا۔ آپ کتاب اللہ کے حافظ اور معانی کتاب کے شارح و مفسّر تھے احکام قرآن کے فقیہہ تھے سنن نبویہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے عالم تھے صحیح سقیم، ناسخ و منسوخ کا علم رکھتے تھے۔ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے اقوال کے جامع تھے مسائل حلال و حرام میں فقہا کے اختلاف پر تحقیقی نظر رکھتے تھے زمانہ کے حوادث اور اہم واقعات کے عارف تھے۔"

آپ کی کثرت تصانیف کا یہ عالم تھا کہ آپ کے شاگردوں نے وصال کے بعد اندازہ لگایا تو وقت بلوغ سے لیکر وقت وصال تک چودہ ورق یومیہ آپکی تصانیف کی اوسط نکلی۔ قلم سیال اور رواں تھا۔ آپ کو تفسیر لکھنے کا شوق پیدا ہوا تو شاگردوں سے فرمایا کہ میں تیس ہزار اوراق پر مشتمل تفسیر لکھنا چاہتا ہوں۔ شاگردوں نے عرض کی۔ اس کے پڑھنے میں لوگوں کی عمریں فنا ہو جائیں گی۔ پھر آپ نے اختصار سے کام لیتے ہوئے تین ہزار اوراق میں تفسیر لکھی۔ اس کے بعد تاریخ کے معاملے میں بھی ایسا ہی کیا۔ [1]

حسینک بن علی نیشاپوری کا کہنا ہے کہ مجھ سے امام ابن خزیمہ نے سب سے پہلے یہ سوال کیا کہ تم نے ابن جریر سے کچھ روایات لی ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ ایسا نہیں کر سکا اس لیئے کہ وہ خود کو ظاہر نہیں کرتے تھے اور حنابلہ ان کے ہاں جانے سے روکتے تھے۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ علامہ ابن جریر نے اپنی کتاب اختلاف العلماء میں امام احمد بن حنبل کا ذکر نہیں کیا۔ لوگوں کے پوچھنے پر صرف اتنا کہا کہ احمد بن حنبل حدیث کے امام ہیں مگر فقیہہ اور مجتہد نہیں تھے۔ اس پر حنابلہ نے ان کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ ابن سبکی صاحب طبقات کہتے ہیں کہ حنابلہ میں اتنی شوکت

---

[1] المنتظم لابن جوزی۔ ج: ۶، ص: ۱۷۱

Marfat.com

نہیں تھی کہ وہ لوگوں کو ابن جریر کے پاس جانے سے روکیں۔ بات دراصل یہ تھی کہ ابن جریر خود گوشۂ عافیت میں رہنا پسند کرتے تھے اور خاموشی کے ساتھ دین کی خدمت انجام دینے کو ترجیح دیتے تھے۔ فقہی طور پر خود صاحبِ مذہب تھے۔ ابن ندیم نے الفہرست میں آپ کے مقلدین فقہا کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ [1]

رفع اشتباہ

آپ کے دو ہم نام شیعہ عالم بھی تھے لوگوں کو اس سے اشتباہ پڑ جاتا ہے کہ شاید ابن جریر شیعہ تھے۔ حالانکہ آپ صحیح العقیدہ سُنّی ہیں اور اہلِ سُنّت کے امام ہیں البتّہ دو ہم نام شیعہ عالموں کی وجہ سے کچھ شک پڑ جاتا ہے۔ ان میں ایک شیعہ عالم محمد بن جریر بن رستم الطبری الآملی تھا۔ وہ بھی ۳۱۰ھ میں فوت ہوا۔ اس کی تصانیف میں مناقب فاطمة وولدها، نور المعجزات فی مناقب الائمہ اثنی عشر کا نام لیا جاتا ہے۔ [2]

دُوسرا محمد بن جریر الطبری یہ بھی غالباً امامیہ سے تھا۔ اس کی تصانیف میں کتاب الامامة، مناقب فاطمة کا نام لیا جاتا ہے۔ بہرحال صاحب التفسیر اور صاحب التاریخ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری کی ذات شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ آپ راسخ العقیدہ سُنّی متبحر عالم دین ہیں۔ آپ کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی ہے امام ابن جریر طبری کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں آپ کے علمی کارنامے آپ کی فقید المثال تاریخ اور تفسیر آپ کی شہرت کے لئے بہت کافی ہے۔ آپ کی وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی۔

---

[1] الفہرست۔ ص: ۳۴۲

[2] معجم المؤلفین۔ ج: ۹، ص: ۱۴۷

Marfat.com

تفسیر ابن جریر کی طباعت و اشاعت

سب سے پہلے اس کتاب کی مکمل طباعت ۱۹۱۱ء میں قاہرہ سے ہوئی اس میں اسی نسخے پر اعتماد کیا گیا جو امیر حائل کے مکتبہ میں موجود تھا۔ ۱۳۷۴ھ ہجری میں دار المعارف مصر سے اس کا بہترین ایڈیشن شائع ہوا ہے اس میں احادیث کی تحقیق و تخریج احمد محمد شاکر نے کی ہے اور اس پر تعلیقات آپ کے بھائی محمود محمد شاکر نے لکھی ہیں یہ بھی انتہائی قابل قدر علمی کام ہے یہ کتاب تیس جلدوں پر مشتمل ہے۔

نوٹ: ہم نے یہاں زیادہ تر اسی نسخے سے حوالے دیئے ہیں کہیں کہیں بیروت میں طبع ہونے والے نسخے سے بھی حوالے لئے ہیں دونوں میں امتیاز کے لئے بیروت والے نسخے کی پہچان کے لئے ب اور تعلیقات والے نسخے کے لئے ج (جدید) اشارہ لگا دیا ہے۔

اُسلوب تالیف

امام ابن جریر نے مقدمہ میں اُسلوب تالیف کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"نحن فی شرح تاویله وبیان ما فیه من معانیه منشون ان شاء الله ذالك كتاباً مستوعباً لكل ما بالناس الیه الحاجة من علمه جامعا ومن سائر كتب غیره فی ذالك كافیاً ومجزون فی كل ذالك بما انتهی الینا من اتفاق الحجة فیما اتفقت علیه منه واختلافها فی ما اختلفت فیه منه ومبینوا علل كل مذهب من مذاهبهم و

Marfat.com

موضحوا الصحيح لدينا من ذالك باوجز ما امكن عن الايجاز فی ذالك واختصر ما امكن من الاختصار فیہ۔ ؎

ابن جریر فرماتے ہیں کہ ہم آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر و تشریح میں ایک ایسی کتاب لکھنے والے ہیں جو ان تمام علوم متعلقہ کی جامع ہو۔ جن کی لوگوں کو ضرورت ہے نیز وہ کتاب دُوسری کتابوں سے مستغنی کر دے اس کتاب میں اتفاق حجت اور اختلافِ حجت دونوں پہلوؤں کو بیان کریں گے۔ ہر مذہب کے علل بھی لکھیں گے اور ہمارے نزدیک جو قول راجح ہو گا اس کی وضاحت بھی کریں گے۔ اس میں ہر ممکن اختصار اور ایجاز کو ملحوظ نظر رکھیں گے۔

خصُوصیات تفسیر ابن جریر

۱۔ امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حسب ذیل امُور کو مدّ نظر رکھا ہے۔ جہاں کہیں حضُور رسول کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے کوئی سندِ صحیح کے ساتھ تفسیر مرفوع مل جائے اسے تمام تفسیروں پر ترجیح دیتے ہیں۔ چُنانچہ سُورۃ بقرہ کی آیت ” الطلاق مرتان فامساك بمعروفٍ او تسریح باِحسان۔

طلاق دو بار ہے اس کے بعد دستور کے موافق روک لینا ہے۔ یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہاں پر سُدی اور ضحاک نے یہ قول کیا ہے کہ عورت کو اس کے حال پر چھوڑ دو“

اگرچہ ظاہر تنزیل میں اس معنی کا احتمال ہے لیکن جب حضُور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

؎۔ مقدمہ تفسیر ابن جریر۔ ص: ۷

Marfat.com

نے اس کی تفسیر طلاق سے کر دی تو اب کوئی اور معنی مراد لینا درست نہیں۔ [1]

پُوری تفسیر میں اتباع حدیث اور تفسیر نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم کو راجح قرار دینے کا اصُول کارفرما نظر آتا ہے۔

۲۔ ابن جریر سلف کی اجماعی تفسیر کو بھی حجت قرار دیتے ہیں اور اس کی مخالفت کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ چنانچہ آیہ کریمہ۔ **لا تسمع فیھا لاغیۃ** ۔ [2] کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تسمع کی ضمیر کا مرجع لفظ وجُوہ ہے۔ اور لاغیۃ کے معنی کلام ذی لغو کے ہیں۔ مفہوم یہ ہُوا کہ اس دن کوئی اِنسان بے ہودہ بات نہیں سُنے گا۔ پھر نحاۃ کوفہ کا قول نقل کیا ہے۔ کہ یہاں پر لاغیۃ سے مُراد جھُوٹی قسم ہے۔ آیت کا مفہُوم یہ ہے کہ آپ وہاں ایسی قوم نہیں پائیں گے جو جھُوٹ پر حلف اُٹھانے والی ہو۔ لیکن اس تاویل کو رد کرتے ہُوئے فرماتے ہیں " **وبھذا الذی قالہ مذھبٌ ووجہ۔ لولا ان اھل التاویل من الصحابۃ والتابعین علی خلاف۔ وغیر جائز لاحدٍ خلافھم فیما کانوا علیہ مجمعین** "۔ [3]

کوفہ کے نحویوں نے جو بات کہی ہے اس کی توجیہ ہو سکتی ہے۔ مگر یہاں پر اہلِ تاویل صحابہ کرام اور تابعین عظام اس کے خلاف ہیں اور ان کی اجماعی بات کی مخالفت کرنا ناجائز ہے۔

۳۔ علامہ ابن جریر مفسّرین میں سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد مجاہد کو عمُوماً ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن جہاں پر مجاہد کا قول جمہُور کے خلاف ہو اسے رد کر دیتے

---

[1] ۔ تفسیر ابن جریر ۔ ج: ۲، ص: ۲۶۰

[2] ۔ سورہ غاشیہ۔ آیت: ۱۱

[3] ۔ تفسیر ابن جریر ۔ مطبوعہ بیروت ۔ ج: ۱۲، ص: ۱۰۲
مع تعلیق احمد محمُود شاکر ۔ ج: ۳۰، ص: ۸۹

Marfat.com

ہیں۔ چنانچہ آیہ کریمہ۔ **ومن الليل فتهجد به نافلةً لك۔** [1]
اور رات کے کچھ حصہ میں تہجد کی نماز پڑھیں۔ یہ خاص آپ کے لئے زیادہ عبادت ہے۔ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ نافلہ بمعنی زائدۃ ہے یعنی تہجد کی نماز خصوصاً آپ کے لئے فرض ہے۔ دوسروں کے لئے نہیں۔

مجاہد کہتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ تہجد کی نماز دوسرے لوگوں کے لئے کفارۂ گناہ ہے۔ چونکہ آپ کو سورۂ فتح میں بشارت دی گئی ہے کہ آپ کے لئے گذشتہ اور آئندہ بظاہر خلاف اولیٰ کام سب معاف کر دیئے گئے ہیں۔ تو اس نص کے بعد مغفرت طلب کرنے کا کوئی مفہوم نہیں۔ لہٰذا امت کے لئے تہجد تو کفارۂ گناہ ہے اور نبی کے لئے نماز تہجد ایک زائد عبادت ہے۔ جو ترقی درجات کا سبب ہے علامہ ابن جریر نے یہاں پر مجاہد کے قول کو رد کر دیا۔ اور ابن عباس کے قول کو ترجیح دی۔ [2]

اسی طرح سورۂ بقرہ میں ہفتہ کے دن شکار کرنے والوں کا قصہ مذکور ہے جس میں ان کی شکل مسخ ہونے کی صراحت موجود ہے۔ مگر جناب مجاہد یہاں بھی تاویل کرتے ہیں اور مسخ روحانی باعتبار صفات کے مراد لیتے ہیں۔ یعنی اس قوم کی صفات بندروں جیسی ہو گئیں۔ یہ نہیں کہ وہ حقیقتاً بندر بن گئے۔ امام ابن جریر نے مجاہد کے قول کو دو وجہ سے رد کیا۔ ایک اس لئے کہ یہ نظم قرآن کے ظاہر مفہوم کے خلاف ہے، دوسرا اس لئے کہ اجماع مفسرین کے خلاف ہے۔ لہٰذا یہ قول مردود ہے۔ [3]

۴۔ علامہ ابن جریر طبری ظاہر تنزیل کو باطن تاویل پر ترجیح دیتے ہیں۔ اگر آیت کے سیاق وسباق میں ظاہر نظم سے ایک معنی سمجھا جا رہا ہے اور ساتھ ہی کسی باطنی تاویل

---

[1] سورہ بنی اسرائیل۔ آیت: ۷۵
[2] تفسیر ابن جریر (ب) ج: ۸: ص: ۹۶
[3] تفسیر ابن جریر۔ مطبوعہ بیروت۔ ص: ۲۶۴، ج: ۱

Marfat.com

کا احتمال ہو تو ایسے موقع پر امام ابن جریر ظاہری اور قریب الفہم معنی کو ترجیح دیتے ہیں چنانچہ سورۂ بقرہ کی آیت ۱۶۷ میں رب تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کذالك يريهم الله اعمالهم حسرات عليهم وماهم بخارجين من النار۔ "اللہ تعالیٰ کافروں کو ان کے اعمال حسرت بنا کر دکھلائے گا۔ اور وہ جہنم کی آگ سے نکل سکیں گے۔" یہاں پر علامہ ابن جریر نے دو قول پیش کئے ہیں ایک تو شیخ سدی کا قول ہے کہ اہل نار کو جنت دکھائی جائے گی اور فرمایا جائے گا اگر تم ایمان لاتے اور اعمال صالحہ کرتے تو تمھیں یہاں جگہ ملتی مگر اب تمھارا ٹھکانہ جہنم میں ہے کیونکہ تم اعمال سے محروم رہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اعمال سے ان کے اعمال خبیثہ مُراد ہیں جو ان کے لئے داخلۂ نار کا سبب بنے اور بار بار حسرت آمیز نگاہوں سے اپنے اعمال کو دیکھ کر نادم ہوں گے لیکن وہاں ندامت نفع نہ دے گی۔ دونوں قول سند کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد ابن جریر فرماتے ہیں۔" فالذی هواولى بتاويل الآية مادل عليه الظاهر دون مااحتمله الباطن الذی لادلالة على انه المعنى بها والذی قال السدی فی ذالك وان كان مذهبا تحتمله الآية فانه منزع بعيد ولا اثر بان ذالك كما تقوم له حجة فيسلم لها ولا دلالة فی ظاهر الآية انه المراد بها فاذا كان الامر كذالك لم يحمل ظاهر التنزيل الى باطن التاويل[1]

یعنی اللہ تعالیٰ کے قول كذالك يريهم الله اعمالهم حسرات کی تفسیر میں یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو ان کے اعمال خبیثہ دکھا کر زیادہ حسرت و ندامت میں مبتلا کرے گا۔ اس کے مقابلے میں شیخ سدی کا قول اگرچہ

---

[1] تفسیر ابن جریر۔ (ب) ج: ۲، ص: ۴۵

Marfat.com

درجۂ احتمال میں صحیح ہے لیکن ظاہر الفاظ سے نسبتاً مردود ہے۔ ظاہر آیت میں اس امر پر کوئی دلالت نہیں پائی جاتی کہ یہی مقصود و مُراد ہو۔ لہٰذا ظاہر تنزیل کو باطن تاویل کی طرف پھیرنا درست نہیں۔"

امام ابن جریر کا اُسلوب تفسیر قابل تحسین ہے کہ جب تک کتاب و سُنّت، یا اجماع اُمت سے کوئی دلیل نہ ملے ظاہر تنزیل کو باطن تاویل کی طرف پھیرنا درست نہیں سمجھتے ایک اور مقام پہ اسی طرح تحریر فرماتے ہیں۔" وغیر جائز احالة ظاھر التنزیل الیٰ باطن التاویل لا دلالة علیہ من نص کتاب ولا خبر لرسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ولا اجماع من الامة ولا دلالة من بعض ھٰذہ الوجوہ۔" [1]

ظاہر تنزیل کو باطن تاویل کی طرف پھیرنا دُرست نہیں جب تک نص کتاب یا حدیث رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم یا اجماع اُمّت سے کوئی دلیل قائم نہ ہو ان وجوہ کے بغیر نظم قرآنی کو ظاہری معنیٰ سے پھیرنا درست نہیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ امام ابن جریر نے یہ ضابطہ قائم فرما کر من گھڑت عقلی تفسیروں کا دروازہ بند کر دیا۔ اسی ضابطے کی روشنی میں اہل حق کی تفسیروں کو اہلِ ھوٰی کی تفسیر سے الگ پہچانا جا سکتا ہے۔

۵۔ تفسیر ابن جریر کی سب سے بڑی خصُوصیت یہ ہے کہ وہ کوئی تفسیری روایت سند کے بغیر ذکر نہیں کرتے ان کا سلسلہ اسناد دیکھ کر ان کے علمی کمال اور قوت حافظہ کی داد دینا پڑتی ہے۔ پُورے قرآن مجید کی تفسیر سند کے ساتھ بیان کرنا ایک محیر العقول کارنامہ ہے۔ امام ابن جریر نے تفسیر کو اسناد سے مربوط کر کے بہت بڑی علمی خدمت انجام

---

[1] ۔ تفسیر ابن جریر۔ (ب) ج: ۱۱، ص: ۱۲

Marfat.com

دی ہے جس کے لئے وہ پوری اُمت کی طرف سے جزائے خیر کے مستحق ہیں۔

امام ابن جریر کے سلاسل اسناد میں حسب ذیل اسناد خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔

۱۔ مثنیٰ بن ابراہیم عن عبداللہ بن صالح عن معاویہ بن صالح عن علی بن ابی طلحہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہم۔ اس سند کے ساتھ وہ صحیفہ علی بن ابی طلحہ کو روایت کرتے ہیں جس پر ہم گذشتہ اوراق میں تفصیل سے یہ بحث کرکے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ ابن عباس کی تفسیری روایات میں اس صحیفہ کو سب سے نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ امام بخاری اور امام ابن جریر نے اس نسخے پر اعتماد کرکے تفسیر قرآن حکیم کی روایات ذکر کی ہیں۔ امام بخاری نے تعلیقاً اور امام ابن جریر نے اسناداً ذکر کیا ہے۔

۲۔ قتادہ مشہور مفسر ہیں ان سے ابن جریر تفسیری روایات لیتے ہیں چنانچہ سورۂ بقرہ کے شروع میں الٓمٓ کی تفسیر میں فرماتے ہیں " حدثنا الحسن بن یحییٰ قال اخبرنا عبدالرزاق قال اخبرنا معمر عن قتادۃ فی قولہ الٓمٓ اسم من اسماء القرآن"۔[۱]

یہاں پر حسن بن یحییٰ، عبدالرزاق اور آخر میں معمر کے واسطے سے قتادہ کی یہ روایت لی ہے کہ الٓمٓ قرآن پاک کا نام ہے"۔

۳۔ ابو العالیہ۔ مشہور تابعی مفسر ہیں حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کے نسخہ تفسیر کے راوی ہیں امام ابن جریر نے ان سے سند کے ساتھ روایات لی ہیں۔ چنانچہ سورۂ بقرہ کی آیت ۸۹ کی تفسیر لکھتے ہوئے فرماتے ہیں" حدثنی المثنیٰ حدثنا آدم قال حدثنا ابوجعفر عن الربیع عن ابی العالیۃ قال کانت الیھود تستنصر بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم"[۲]

---

[۱] تفسیر ابن جریر (ب) ج:۱، ص: ۶۷

[۲] تفسیر ابن جریر (ب) ص: ۳۲۶، ج: ۱

Marfat.com

ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے یہودی آپ کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے تھے لیکن جب وُہ آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو حسد کے مارے مُنکر ہوگئے۔

ان کے علاوہ جناب سعید بن جبیر جناب مُجاہد اور جناب عکرمہ سے بھی بکثرت تفسیری روایات سند کے ساتھ لیتے ہیں۔

رفع اشکال

آپ کے سلسلۂ اسناد میں ایک سند اشتباہ پیدا کرتی ہے اور وُہ یہ ہے کہ جناب سدی سے آپ بواسطہ روایت لیتے ہیں۔ [۱]

جناب سدی پر یہ سند تین حصّوں میں منقسم ہوجاتی ہے ایک سند ابُو مالک اور ابو اسحٰق کے واسطے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما تک جاتی ہے اور دُوسری سند مُرۃ کے واسطے سے ابن مسعُود رضی اللہ عنہ تک جاتی ہے۔ تیسری سند میں جناب سدی بغیر تعیین کے فرماتے ہیں کہ رسُول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب نے روایت فرمایا۔ اس سے یہ اشتباہ پڑتا ہے کہ ان تینوں سندوں میں سے کون سی سند حامل متن ہے چُونکہ سند کا اعتبار شیخ سدی پر ہے اس لئے ان کے بارے میں علما جرح وتعدیل کی رائے معلُوم کرنا ضروری ہے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ سدی اچھی روایت کرتا ہے لیکن تفسیر میں اس نے ایسی سند بنادی ہے جس میں بڑا تکلّف ہے"۔ [۲]

اسی بنا پر صاحب تعلیقات نے امام ابن جریر کا قول نقل کیا ہے۔ وُہ فرماتے ہیں۔

انی کنت فی اسنادہ مرتابا۔ [۳] مجھے خُود اس کی سند میں شک ہے۔

---

[۱] - تفسیر ابن جریر - ج: ۱، ص: ۱۲۱

[۲] - تہذیب التہذیب - ج: ۱، ص: ۲۷۴

[۳] - تعلیقات تفسیر ابن جریر - ج: ۱، ص: ۱۵۲

Marfat.com

ابن ابی حاتم نے بھی سدی (اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن متوفی ۱۲۷ھ) کی توثیق کی ہے۔ علی بن مدینی نے یحیٰی بن سعید سے روایت کیا ہے کہ سدی سے روایت لینے میں کوئی حرج نہیں۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو سدی سے روایت کو جائز نہ سمجھتا ہو۔ سدی سے روایت لینے والے شعبہ اور سفیان بھی ہیں۔ ؎۱

ائمہ کے ان اقوال سے سُدی کی توثیق تو ہو جاتی ہے لیکن سند والا اشتباہ رفع نہیں ہوتا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ سُدی نے اپنے صحیفۂ تفسیر میں حضرت ابن عباس حضرت ابن مسعود اور کچھ دُوسرے صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے روایات یکجا کی تھیں۔ وہ روایت کے بارے میں بالیقین نہیں جانتے کہ وہ ابن عباس سے ہے یا ابن مسعود سے یا دُوسرے صحابہ سے ہیں اسلئے وُہ اپنی وہی مرکب سند ذکر کر دیتے ہیں۔ جو مذکورہ بالا حضرات تک پہنچتی ہے۔ اس طرح وُہ اپنے مجموعۂ تفسیر کو اسی سند کے ساتھ ذکر کرتے ابن جریر نے بہت مقامات پر ان کی اس مرکب سند پر اعتماد کیا ہے لہٰذا اسے صحیفۂ ہمام بن منبہ کی طرح سمجھنا چاہیئے جس میں وہ فرماتے ہیں۔ "هذا ما حدثنا ابو هريرة فذكر احاديث منها وقال" ؎۲

ہمیں یہ نسخہ ابُوہریرہ نے روایت فرمایا اِس میں کئی احادیث ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے۔ پھر وہ مطلوبہ حدیث بیان کر دیتے ہیں۔ امام مُسلم نے ان کے صحیفہ پر اعتماد کیا ہے اور صحیح مُسلم میں ان سے احادیث لی ہیں۔ اسی طرح شیخ سُدی بھی اپنے صحیفۂ تفسیر سے روایت کرتے ہیں اور تینوں سندیں اکٹھی بیان کر دیتے ہیں تاکہ سُننے اور پڑھنے والے کو معلوم ہو جائے کہ یہ تفسیری متن ان تین اسناد سے خالی نہیں یا تو اسے ابن عباس روایت فرمانے والے ہیں یا جناب ابن مسعود ورنہ کچھ اور اصحاب رسُول علیہم الرضوان ایسے ہیں جنھوں نے اسے روایت

؎۱۔ کتاب الجرح والتعدیل۔ ج: ۲، ص: ۱۸۴
؎۲۔ صحیح مسلم کتاب التفسیر۔ ج: ۲، ص: ۴۱۹

Marfat.com

فرمایا ہے (واللہ ورسولہ اعلم)

امام ابن جریر حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے علاوہ دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان مثلاً خلفائے راشدین حضرت ابی ابن کعب، حضرت جابر بن عبداللہ انصاری، حضرت ابوہریرۃ، حضرت ابوسعید خدری و دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان سے بھی اسناد کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ امام ابن جریر نے تنہا اتنا عظیم علمی کارنامہ انجام دیا ہے۔ جسے ایک تحقیقی بورڈ بڑی مشکل سے انجام دیتا۔

۶۔ امام ابن جریر کی تفسیر میں ایک قابل ذکر خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ تفسیر میں مختلف اقوال کے درمیان تطبیق دیتے ہیں اور اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو قول مختار کو دلیل کے ساتھ ذکر کرکے ترجیح دیتے ہیں۔

مثال کے طور پر سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں دیکھئے انھوں نے صراط مستقیم کی تفسیر میں متعدد اقوال روایت کئے ہیں۔ صراط مستقیم سے مراد قرآن ہے۔ صراط مستقیم سے مراد دین اسلام ہے۔ اس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کریمین کا راستہ مراد ہے۔ امام ابن جریر تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہاں الصراط المستقیم کا جامع مفہوم مراد ہے اھدنا الصراط المستقیم سے مقصود یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے جس پر اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ انبیاء کرام، صدیقین، شہداء اور صالحین گامزن رہے ہیں قول وعمل کی درستی اور تصدیق رسل کے ساتھ قرآن کی اتباع، دین اسلام کی پیروی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور اللہ تعالیٰ کے تمام نیک بندوں کی موافقت ہی صراط مستقیم ہے جس کے لئے ہم دعا گو ہیں۔ [۱]

سورۃ یونس میں صالحین کے لئے وعدہ ہے " للذین احسنوا الحسنیٰ وزیادۃ " [۲] "جن لوگوں نے اچھے کام کئے ان کے لئے اچھی جزا ہے اور زیادہ بھی"

---

[۱] ۔ تفسیر ابن جریر (ج) ج: ۱، ص: ۱۷۱

[۲] ۔ سورۂ یونس ۔ آیت: ۲۶۰

Marfat.com

زیادہ کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں۔ اس سے دس گنا اجر مراد ہے یا دس گنا سے لیکر سات سو گنا اجر مراد ہے۔ اس زیادۃ سے مراد دنیوی نعمتیں ہیں یا مغفرت و رضوان ہے ان اقوال کو روایت کرنے کے بعد امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ زیادہ کو اپنے عموم پر رکھنا چاہیئے اس میں جنت کا داخلہ، رب تعالیٰ کا دیدار اور بخشش و رضوان کی زیادتی سب چیزیں داخل ہیں۔ لہٰذا سب سے بہتر قول یہ ہے کہ اسے عام رکھا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عام رکھا ہے؛؛ [۱]

اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو امام ابن جریر تعارض اقوال کی صورت میں ایک قول کو ترجیح دیتے ہیں اور سبب ترجیح بھی عموماً بیان کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر آیۃ الکرسی کی تفسیر میں کرسی کے کئی معانی بیان کئے۔ کرسی سے مراد علم الٰہی ہے۔ کرسی سے مراد قدم رکھنے کی جگہ ہے۔ تمام آسمان زمین کرسی کے جوف میں ہیں۔ کرسی عرش الٰہی کے سامنے قدم رکھنے کی جگہ پر ہے۔

امام ابن جریر نے یہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو ظاہر قرآن سے زیادہ مناسبت کی بنا پر راجح قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ واما الذی یدل علی صحتہ ظاھر القرآن فقول ابن عباس الذی رواہ جعفر بن ابی المغیرۃ عن سعید بن جبیر عنہ انہ قال ھو علمہ؛؛ [۲]

جس قول کی صحت پر ظاہر قرآن دال ہے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اسے جعفر بن ابی مغیرہ نے سعید بن جبیر سے اور انھوں نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ کرسی سے مراد علم الٰہی ہے۔ جس کی وسعت میں تمام زمین و آسمان سمائے

---

[۱] ۔ تفسیر ابن جریر (ب) ج: ۱۱، ص: ۷۶

[۲] ۔ تفسیر ابن جریر (ب) ج: ۳، ص: ۸

Marfat.com

ہوتے ہیں۔

امام ابن جریر ترجیح اقوال میں اس اصول کو پیشِ نظر رکھتے ہیں کہ جو قول حدیث مرفوع یا اجماع اُمّت سے زیادہ مطابقت رکھتا ہو اسے ترجیح دی جائے۔ مثلاً سورۂ آل عمران کی آیت ۵۵ کی تفسیر میں **متوفیك** کے مختلف معانی بیان کئے ہیں۔ توفی سے مُراد نیند ہے۔ توفی سے مُراد حقیقتاً موت ہے۔ چند ساعتوں کے لئے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر موت آئی پھر آسمان پر اُٹھا لئے گئے۔ توفی سے مُراد اپنے قبضے میں لینا ہے۔ جیساکہ محاورہ ہے۔ **توفیت من فلان مالی علیہ**۔ یعنی فلاں کے ذمہ جو میرا مال تھا میں نے پُوری طرح وصُول کر لیا اور اپنے قبضے میں لے لیا امام طبری اسی قول کو ترجیح دیتے ہُوئے لکھتے ہیں۔ **"واولی ھذا الاقوال بالصحۃ عندنا قول من قال معنی ذالك انی قابضك من الارض ورافعك الی لتواتر الاخبار عن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم انہ قال ینزل عیسیٰ ابن مریم فیقتل الدجال"**۔ [1]

ان تمام اقوال میں ہمارے نزدیک زیادہ صحیح قول ان علماء کا ہے جو متوفی کو قابض کے معنی میں لیتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں تجھے اپنے قبضے میں لینے والا ہُوں اور اپنی طرف اُٹھانے والا ہُوں۔ یہ معنی اس لئے راجح ہے کہ حضور رسُول پاک علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے متواتر احادیث آچکی ہیں کہ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام زمین پر اُتریں گے اور دجال کو قتل کر دیں گے۔

بعض اوقات امام ابن جریر طبری اختلاف اقوال سے تعرض کئے بغیر ایک ہی راجح اور مختار معنی بیان کر دیتے ہیں۔ جیساکہ سورۂ مائدہ کی آیت ۱۵ میں ارشاد ہوتا

---

[1] تفسیر ابن جریر۔ مطبوعہ بیروت۔ ج: ۳، ص: ۲۰۳

Marfat.com

ہے "قد جاء کم من اللہ نور" کی تفسیر کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں "یعنی بالنور محمداً صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم الذی انار اللہ بہ الحق واظہر بہ الاسلام ومحق بہ الشرک فھو نور لمن استنار بہ" لہ

نور سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات گرامی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ حق کو منور فرمایا اسلام کو ظاہر فرمایا اور شرک کو مٹا دیا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں ہر اس شخص کے لئے جو آپ سے روشنی حاصل کرنا چاہے۔ یہاں پر تعدد اقوال کی جگہ ایک ہی قول فیصل تحریر فرمایا ہے کہ نور سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔

۷۔ قصص و اخبار کے نقل کرنے میں عام اخباری مفسرین کی طرح محض نقل کرنے کے بجائے ایک محقق ناقد کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ آپ لایعنی تنقید و تدقیق کو پسند نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر حضرات مفسرین کرام کا اختلاف ہے کہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو کس درخت یا پودے کے پاس جانے سے روکا گیا۔ اس میں علماء مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ شجر سے مراد گندم کا پودا ہے یا انگور کا درخت ہے۔ یا انجیر کا درخت ہے آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت صحیحہ میں کوئی دلیل قائم نہیں فرمائی کہ کون سا درخت یا پودا تھا اگر کوئی جان لے تو یہ علم اسے مفید نہیں اور اگر کوئی نہ جانے تو اسے یہ لاعلمی مضر نہیں" ٢ہ

اسی طرح مفسرین میں اختلاف ہے کہ بنی اسرائیل کے مشہور واقعہ قتل میں

لہ۔ تفسیر ابن جریر (ب) ج: ۴، ص: ۱۰۴

٢ہ تفسیر ابن جریر (ج) ج: ۱، ص: ۲۴۸

Marfat.com

قاتل کا سُراغ لگانے کے لیے مقتول کو ذبح شُدہ گائے کے جسم کا کون سا ٹکڑا مارا گیا بعض حضرات نے کہا ران بعض حضرات نے کہا دم تھی۔ بعض نے کہا کندھے کی مرکزی ہڈی تھی۔ علامہ ابن جریر یہاں بھی لطیف انداز میں تنقید کرتے ہُوئے کہتے ہیں کہ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کا جاننا مفید ہو یا نہ جاننا مضر ہو بہرحال اللہ تعالیٰ کے حُکم سے گائے کا بعض حصّہ مقتول کو مارا گیا تو وُہ باذن اللہ زندہ ہو گیا۔ [1]

ابن جریر کے اس اُسلوب نے غیر ضروری مباحث کو کم کر دیا۔ قصص و اخبار لایعنی میں ایک تو وقت ضائع ہو رہا تھا دُوسرا قرآن فہمی کا ذوق غیر ضروری قصّوں کی بھینٹ چڑھ رہا تھا۔ اس طرح ابن جریر کے معقول طرزِ عمل سے اس فتنے میں کمی واقع ہُوئی اور بعد میں آنے والے مفسّرین نے بھی احتیاط سے کام لینا شروع کر دیا۔

ایک شُبہ کا ازالہ

یہاں پر بھی جرمن مستشرق گولڈزیہر نے اعتراض کیا ہے کہ ابن جریر یہُودی مآخذ سے تفسیر کرنے میں وسعت برتتے تھے۔ چُنانچہ ان کے ہاں کعب الاحبار اور وہب بن منبہ کی روایات موجُود ہیں حالانکہ یہ لوگ یہوُدی تھے۔ بعد میں مُسلمان ہُوئے۔ [2]

اس کا جواب واضح ہے کہ ابن جریر بعض اوقات واقعات اور قصص کے سلسلے میں علماءِ اہلِ کتاب کی روایات لے لیتے ہیں تاکہ واقعہ سمجھنے میں آسانی ہو کیونکہ قرآن حکیم کا انداز قصص کی تفصیل بیان کرنے کا نہیں بلکہ اس سے نصیحت و عبرت حاصل کرنے کا ہے قرآنی اختصار کے پیشِ نظر ابن جریر بعض اوقات عُلمائے اہل کتاب کی روایات لے لیتے ہیں لیکن اس پر تفسیر اور قُرآن فہمی کا مدار نہیں سمجھتے۔ قُرآن فہمی اور تفسیر کے لیے ان کا اعتماد خالص

---

[1] تفسیر ابن جریر ۔ ج: ۱، ص: ۲۷۳

[2] مذاهب التفسیر الاسلامی ۔ ص: ۱۱۲

Marfat.com

اسلامی مآخذ پر ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل کے قصوں میں کہیں کہیں اسرائیلی روایات سے آتے ہیں۔ جیسا کہ قرآنی مفردات و مرکبات کی تحقیق کے سلسلے میں شعراء جاہلیت کے کلام سے استشہاد کیا جاتا ہے اس کا یہ معنی نہیں کہ قرآن فہمی جاہلی دور کے شعراء پر منحصر ہے بلکہ اس لئے کہ لغت عرب میں ان الفاظ کا استعمال کن معانی میں ہوتا تھا جیسا کہ گزر چکا ہے کہ حضرت فاروق اعظم، حضرت ابن عباس اور دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان الفاظ قرآنی کی تحقیق کے لئے دواوین عرب کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اسی طرح امام ابن جریر طبری بھی بنی اسرائیل کے واقعات اور قصص کے بارے میں کچھ روایات کعب الاحبار یا وہب بن منبہ سے لے آتے ہیں تاکہ اس واقعہ کے تمام پہلو سامنے آ جائیں ایسا کرنا نہ عقلاً معیوب ہے نہ شرع میں اس کی ممانعت ہے۔ لہٰذا گولڈ زیہر کا یہ اعتراض بے معنی اور لغو ہے اس پہ اسرائیلی روایات کے ضمن میں ضروری بحث گزر چکی ہے۔

۸۔ ابن جریر اور لغوی تحقیق

علامہ ابن جریر کی تفسیر میں دوسری خصوصیات کے علاوہ یہ بات بھی خصوصیت کے ساتھ پائی جاتی ہے کہ الفاظ قرآنی کی تحقیق بڑے احسن انداز میں کرتے ہیں لفظ کا لغوی مفہوم لغت عرب و اشعار عرب کے حوالے سے واضح کرتے ہیں۔ پھر اس کی تائید میں روایات مسندہ لے آتے ہیں مثلاً لفظ "ند" کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انداد ند کی جمع ہے ند عدل و مثل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے چنانچہ حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کا شعر ہے:

اتهجوه ولست له بند　　فشر كما لخير كما الفداء

"تم میرے ممدوح کی ہجو کرتے ہو حالانکہ تم اس کی مثل اور ہمسر نہیں ہو تمہارا برا تمہارے اچھے پر قربان ہو جائے۔" [1]

---

[1] تفسیر ابن جریر: ج ۱، ص: ۳۲۸

Marfat.com

اس طرح شعری استشہاد سے معنی کو واضح کر دیا۔ **لا یسأمون** کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ بیزار اور تنگ آجانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے پھر اس پر لبید کا شعر بطورِ ثبوت پیش کیا ہے۔"

ولقد سئمت من الحیاۃ وطولها وقول الناس کیف لبید [۱]

"میں زندگی میں اس کی طوالت سے تنگ آگیا ہوں نیز لوگوں کی اس بات سے کہ لبید کیسا ہے؟۔ اسی طرح زہیر کے شعر سے استدلال کیا ہے۔

سئمت تکالیف الحیاۃ ومن یعش ثمانین عاما لا ابالك یسأم "

ابن جریر سے پہلے ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ ابو زکریا فرا، اور ابو اسحاق زجاج نے بھی منہج لغوی کو پیش نظر رکھ کر تفسیر کرنے کی کوشش کی ہے لیکن وہ اس ادبی اور لغوی دائرے میں محدود رہے۔ جبکہ امام ابن جریر طبری لغت و ادب کے علاوہ احادیث مرفوعہ، آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے بھی اپنی تفسیر کا معیار بلند کرتے ہیں۔

۹۔ تفسیر کا تاریخی اور اجتہادی پہلو

امام ابن جریر چونکہ دنیائے اسلام کے عظیم مؤرخ بھی ہیں اس لئے جن آیات کا تعلق تاریخی واقعات سے ہوتا ہے ان کی تفسیر میں ابن جریر اپنی مؤرخانہ بصیرت کا ثبوت دیتے ہیں اور واقعات کے تمام پہلو سامنے رکھ کر تفسیر کرتے ہیں۔ امام ابن جریر مجتہدانہ بصیرت کے مالک ہیں اس لئے آیات احکام میں کسی ایک خاص مجتہد کی پیروی کئے بغیر آپ نے اپنے اصول استنباط کی روشنی میں قرآن حکیم کی تفسیر کی ہے اختلاف اقوال کی صورت میں آپ کا محاکمہ بھی آپ کی اجتہادی بصیرت کا آئینہ دار ہے۔

---

[۱] تفسیر ابن جریر۔ ج: ۲، ص: ۷۶

Marfat.com

۱۰۔ تفسیر کا کلامی پہلو

امام ابن جریر ایک زبردست متکلّم بھی ہیں اُنھوں نے متکلمین اہل سُنّت کی صحیح ترجمانی کی ہے معتزلہ، قدریہ اور خوارج کے افکار پر سخت تنقید کی ہے۔

آیات صفات میں ان کا مسلک متقدمین کی طرح محتاط ہے چُنانچہ آیت استواء میں رب تعالیٰ کی شان کے لائق تسلّط و حکومت کے مفہوم کی طرف اشارہ کیا ہے اور استوا حسی کی نفی کی ہے۔ اسی طرح آیت کریمہ "بل یداہ مبسوطتان" اللہ کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس سے عضو والا معنیٰ مُراد نہیں اور نہ ہی مجازی معنیٰ ملک و قُدرت مُراد ہے۔

امام ابن جریر نے مسئلہ صفات کے علاوہ خلقِ افعال، قضاء، وقدر اور عذابِ قبر وغیرہ مسائل میں مسلک اہل سنت کو دلائل سے ثابت کیا ہے اور معتزلہ، قدریہ، خوارج کی تردید کی ہے اور سخت مذمّت کی ہے۔

امام ابن جریر کی تفسیری خصُوصیات ایک مستقل موضُوع کی حیثیّت رکھتی ہیں جن پر تحقیقی مقالہ لکھا جا سکتا ہے۔ ہم نے اختصار کے پیشِ نظر چند ضروری باتیں بیان کرنے پر اکتفار کیا ہے۔ جو حضرات تفسیر ابن جریر کا غور سے مطالعہ فرمائیں گے۔ انشاءاللہ ہماری رائے کی تائید کریں گے۔

واللہ و رسُولہ اعلم

Marfat.com

تفسیر ماثور کے چند دُوسرے مجموعے

ہم تفسیر ابن جریر کے علاوہ تفسیر ماثور کے چند دُوسرے مجموعے زیر بحث لاتے ہیں۔ تاکہ قارئین کرام اس تفسیری اور اثری کام کو زیادہ قریب سے دیکھ سکیں۔

تفسیر بقی بن مخلد

علامہ بقی بن مخلد کی یہ تفسیر ابن جریر سے پہلے کی ہے آپ علمائے اندلس سے تھے آپ کے شیوخ میں ابو مصعب، ابراہیم بن منذر حزامی، یحییٰ بن بکیر، عبداللہ بن احمد بن حنبل اور ابُوبکر بن ابی شیبہ کا نام لیا گیا ہے۔ آپ نے تقریباً ایک سو چراسی شیوخ سے استفادہ کیا۔ آپ نے ایک مسند بھی ترتیب دیا۔ جس میں بقول ابن جوزی سولہ سو صحابہ اور بقول ابن حزم تیرہ سو صحابہ کرام کی احادیث ابواب فقہ کی ترتیب پر لکھی گئیں۔

آپ کے تلامذہ میں آپ کے فرزند احمد بن بقی کے علاوہ ایوب بن سُلیمان مری، اسلم بن عبدالعزیز، ہشام بن ولید وغیرہ کے نام مشہور ہیں۔ آپ نے ۲۷۶ھ میں وفات پائی۔ آپ کی تفسیر کے متعلق ابن حزم کی رائے ہے " اقطع انه لم یؤلف فی الاسلام مثل تفسیره ولا تفسیر ابن جریر ولا غیره[1]

---

[1] طبقات المفسرین۔ ص: ۹ والمنتظم۔ ص: ۱۰۰، ج: ۵؛ وظهر الاسلام۔ ص: ۵۱، ج: ۳۔

Marfat.com

میری رائے یہ ہے کہ اسلام میں ایسی کوئی تفسیر کسی نے تصنیف نہیں کی یہاں تک کہ ابن جریر نے بھی ایسی تفسیر نہیں لکھی۔

افسوس آپ کی تفسیر کو حوادث زمانہ کی وجہ سے بقا حاصل نہ ہو سکی۔ آج ہمیں صرف اس کتاب کا نام اور مصنّف کا تذکرہ ملتا ہے۔

تفسیر ابن ابی داؤد

یہ کتاب امام ابو داؤد کے صاحبزادے ابوبکر بن سلیمان کی تالیف ہے آپ نے اپنی تفسیر میں ابن جریر کا اسلوب اختیار کیا لیکن افسوس کہ اب یہ کتاب نہیں ملتی۔

مصنّف کے قلم سے تفسیر کے علاوہ کتاب المصاحف، کتاب نظم القرآن اور کتاب شریعۃ التفسیر بھی تالیف ہوئیں۔ آپ نے ۳۱۶ھ میں وفات پائی۔ [1]

تفسیر ابن ابی حاتم

امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم محمّد بن ادریس بن منذر بن داؤد رازی اپنے والد ماجد کی طرح رَے (طہران) کے حافظ الحدیث اور امام وقت تھے آپ نے اپنے عظیم والد کے علاوہ امام ابو ذرعہ رازی، حسن بن عرفہ اور سعید الاشج سے استفادہ کیا۔ آپ بہت بڑے عابد، زاہد اور صالح انسان تھے آپ کی تفسیر جس میں آپ نے صحیح روایات درج کرنے کا التزام کیا ہے انتہائی اہم تفسیر ہے علامہ سیوطی کے قول کے مطابق وہ بارہ جلدوں پر مشتمل ہے علامہ سیوطی نے اس کی تلخیص کی ہے۔ کتاب التفسیر کے علاوہ آپ کی کتاب الجرح والتعدیل بھی اپنے فن میں بڑی شہرت اور اہمیت رکھتی ہے۔ آپ نے محرم الحرام ۳۲۷ھ میں انتقال فرمایا"۔ [2]

---

[1] - الفہرست۔ ص: ۳۳۸

[2] - طبقات المفسرین۔ ص: ۵۳، معجم المؤلفین۔ ص: ۱۰۰، ج: ۵

Marfat.com

تفسیر ابوُاللیث سمرقندی

امام نصربن محمّد بن ابراھیم ابوُاللیث سمرقندی علمائے احناف میں بہت بلند مقام رکھتے ہیں آپ نے متعدّد عنوانات پر کتابیں لکھی ہیں جن میں کتاب النوازل، تنبیہ الغافلین اور بستان العارفین بہت مشہوُر ہیں۔ آپ کی تفسیر چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ جو نویں صدی ہجری تک عُلما میں متداول اور مقبوُل رہی ابن عرب شاہ نے اس کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا اس تفسیر کی احادیث کی تخریج علّامہ قاسم بن قطلوبغا حنفی متوفی ۸۰۲ھ نے کی۔ آپ کی وفات باختلاف روایات ۳۸۳ھ یا ۳۹۳ھ میں ہوُئی"۔ [۱]

آپ نے اپنی تفسیر میں صحابہ اور تابعین کے اقوال بغیر سند کے ذکر کیے ہیں۔ آپ کی تفسیر کا قلمی نسخہ مکتبہ ازہر میں موجوُد ہے نیز کتب خانہ رام پوُر میں بھی اس کا ایک نامکمّل نسخہ ہے"۔ [۲]

تفسیر ابوُاسحاق ثعالبی

ابوُاسحاق احمد بن محمّد نیشاپوُری جلیل القدر علمائے مفسّرین میں سے ہیں جیسا کہ ابن خلکان نے تصریح کی ہے۔ [۳]

آپ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصّہ تفسیر کا علم حاصل کرنے میں گزارا اور پھر قرآن پاک کی تفسیر مرتّب کی۔ آپ نے حسب ذیل اساتذہ کا ذکر کیا ہے۔

علامہ ابوُبکر بن عبداس، ابوُعمر لبستانی، ابوالقاسم بن حبیب آپ نے تفسیر جبرئیل اس کے مصنف کے سامنے قرأت کی ہے۔ [۴]

---

[۱] ۔ الاکسیر فی اصول التفسیر۔ ص: ۸۲ [۲] ۔ فہرست کتب خانہ رام پور

[۳] ۔ وفیات الاعیان۔ ص: ۲۲، ج: ۱

[۴] ۔ کشف الظنون۔ ص: ۳۰۸، ج: ۱

Marfat.com

آپ نے تفسیر النبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ حصہ اس کے مصنف کے سامنے پڑھا اور باقی کی اجازت لی" ۔[1]

تفسیر النبوی کے مؤلف ابوالحسن محمد بن قاسم فقیہہ ہیں جنھوں نے اقوال صحابۂ کرام کو سامنے رکھ کر کتاب تصنیف فرمائی ہے۔ آپ کے جلیل القدر شاگردوں میں ابوالحسن واحدی بھی ہیں۔ امام ثعلبی کی تفسیر کا پورا نام الکشف والبیان من تفسیر القرآن ہے اس کے علاوہ آپ نے قصص انبیاء کرام علیہم السّلام پر کتاب العرائس لکھی۔ امام ثعلبی اخباری ذہن کے مفسرین میں شمار ہوتے ہیں ہر قسم کی روایات اپنی تفسیر میں لائے ہیں۔

ابواسحاق ثعالبی نیشاپوری کے بعد علامہ عبدالرحمٰن ثعالبی متوفی ۸۷۵ھ نے بھی تفسیر قرآن لکھی جو تفسیر ثعالبی کے نام سے مشہور ہے اور مؤسسہ عالمی بیروت سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کا پورا نام جواہر الحسان فی تفسیر القرآن ہے اس کی چار جلدیں ہیں مصنف علامہ عبدالرحمٰن نے مقدمہ میں تصریح کی ہے۔ اُنھوں نے تمام حوالے اصل کتابوں سے بلفظہٖ نقل کیے ہیں۔ آپ کی کتاب تفسیر ماثورہ کا عمدہ سرمایہ ہے۔

تائید و تنقید

امام ثعلبی کی تفسیر کی تعریف میں ابن خلکان نے کہا ہے کہ جناب ثعلبی اپنے زمانے میں یکتا تھے۔ اُنھوں نے جو تفسیر لکھی وہ سب پر فائق ہے۔ سیوطی فرماتے ہیں کہ اس میں السدی الصغیر محمد بن مروان سے زیادہ روایات لی گئی ہیں۔

ابن تیمیہ نے کہا کہ ثعلبی اگرچہ صالح اور متقی تھا لیکن اس نے تفسیر میں رطب ویابس سب کو جمع کر دیا ہے۔ روایات کے اعتبار سے اس تفسیر میں ضعف ضرور ہے لیکن پھر بھی کافی زمانے تک یہ تفسیر مقبول رہی ہے۔ اس تفسیر کا سماع کرنے کے لیے علماء نے دور دراز

---

[1] کشف الظنون۔ ص: ۳۱۶ ۔ ج: ۱

Marfat.com

کے سفر کئے۔ ابن سمعانی نے کہا کہ ہم نے طلبا، کے ساتھ دُور کا سفر کیا اور ایک اُندلسی عالم سے تفسیر ثعلبی کا سماع کیا۔

تفسیر ثعلبی کے قلمی نسخے کتب خانہ جامعہ ازہر، فرنگی محل لکھنؤ اور کُتب خانہ رامپور میں موجود ہیں۔ اب یہ تفسیر زیور طبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آگئی ہے۔ امام ثعلبی کی وفات باختلاف روایات ۴۲۷ھ یا ۴۳۳ھ میں ہوئی۔

تفسیر واحدی

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی امام ثعلبی کے شاگرد ہیں آپ نے تفسیر کی تین کتابیں وجیز، وسیط اور بسیط لکھیں ان کے علاوہ احادیث مرفوعہ سے تفسیری روایات کو چھانٹ کر تفسیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے ایک کتاب لکھی اس کے علاوہ اسباب النزول پر بھی آپ کی ایک عمدہ تصنیف ہے۔ جس کا اختصار امام برہان الدین جعبری نے کیا ہے[۱]"

علامہ واحدی نے شیخ ابوعبدالرحمن سلمی کی تفسیر حقائق القرآن پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسے تفسیر کہنا کفر ہے یہ بات اُنھوں نے اس بنا پر کہی کہ شیخ ابوعبدالرحمن سلمی صُوفی تھے اُنھوں نے ظاہر تفسیر کی بجائے حقائق و اشارات بیان کئے ہیں۔ حافظ ابن صلاح نے اپنے فتاویٰ میں بڑی عمدہ بات کہی ہے کہ صوفیاء کرام کے اشارات ظاہر تفسیر نہیں ہوتے وہ ظاہر تفسیر کو اسی طرح مانتے ہیں جیسا کہ علمائے ظاہر مانتے ہیں البتہ اُنھیں کشف کے ذریعے مزید حقائق و اشارات ملتے ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے جو حافظ ابن صلاح نے بیان کی لہٰذا علامہ واحدی کا شیخ سلمی کی تفسیر پہ انکار ان کی شدت و حدت کا مظہر ہے۔ آپ نے ۴۶۸ھ میں وفات پائی" [۲]

---

[۱] - کشف الظنون - ص: ۹۱، ج: ۱

[۲] - طبقات سبکی - ص: ۲۸۹، ج: ۳

Marfat.com

تفسیر معالم التنزیل (للبغوی)

یہ تفسیر امام محی السنۃ رُکن الدین حسین بن مسعُود البغوی شافعی کی تصنیف ہے آپ باتفاق علماٗ تفسیر، حدیث اور فقہ کے امام تھے آپ نے قاضی حسین، ابوعمر عبدالواحد الملیحی اور اُبوالحسن داؤدی سے علُوم دینیہ حاصل کئے۔ آپ کے تلامذہ میں علامہ اُبومنظور، شیخ ابوالفتح طائی ابوالمکارم فضل اللہ بہت مشہُور ہیں آپ کی تصانیف میں تفسیر معالم التنزیل کے علاوہ شرح السنۃ اور مصابیح علم حدیث میں اور التھذیب لغت میں مقبُول اور متداول کتابیں ہیں۔ آپ بڑے صالح اور پاکیزہ سیرت انسان تھے۔ طہارت کے بغیر درس نہیں دیتے تھے۔ سادگی کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ سُوکھی روٹی کھایا کرتے تھے۔ لوگوں کے اصرار پر روغن زیتون کے ساتھ کھانا شرُوع کیا۔ آپ نے اسّی سال سے زائد عُمر پائی اور ۵۱۶ھ میں فوت ہُوئے۔

آپ نے اپنی تفسیر کی اسناد آغاز تفسیر میں لکھ دی ہیں جو مُختلف طرق سے صحابہ کرام اور تابعین عظام علیہم الرضوان تک پہنچتی ہیں۔

گویا آپ کی تفسیر ان حضرات کی تفسیری روایات کا مجمُوعہ ہے جو بواسطہ صحابہ کرام و تابعین عظام پُورے سلسلۂ اسناد کے ساتھ ثابت ہیں۔ آپ کی اکثر اسناد شیخ اُبوسعید احمد بن مُحمّد الخوارزمی کے واسطے سے ہیں جو اُبو اسحاق ثعالبی کے شاگرد ہیں۔

آپ کی توصیف میں صاحب تفسیر خازن رقم طراز ہیں" کتاب معالم التنزیل شیخ جلیل حبر نبیل امام عالم کامل محی السنۃ قدوۃ الامت امام الائمہ اُبومُحمّد حسین بن مسعُود بغوی کی تصنیف ہے یہ کتاب علم تفسیر میں جلیل القدر اور اعلیٰ وارفع تصنیف ہے۔ صحیح اقوال کی جامع ہے شبہات اور تصحیف وتحریف سے خالی ہے احادیث نبویہ سے مزّین ہے احکام شرعیہ سے آراستہ ہے عجیب وغریب قصص ماضیہ سے پیراستہ ہے عمدہ اشارات سے سجی ہُوئی، واضح عبارات سے لکھی ہُوئی اور حُسن کے سانچے میں ڈھلی ہُوئی نہایت فصیح اور عُمدہ کتاب ہے۔"[1]

---

[1] مقدمہ تفسیر خازن ۔ ص: ۳

Marfat.com

تفسیری خصوصیات

۱۔ علّامہ بغوی نے تفسیر آیات میں صحابہ و تابعین عظام کے اقوال کو جمع کیا ہے۔ سلف کے مختلف اقوال کو بھی نقل کیا ہے لیکن ابن جریر کی طرح تطبیق یا محاکمہ کی کوشش نہیں کی۔

۲۔ احادیث مرفوعہ میں پوری سند ذکر کرتے ہیں اقوال صحابہ و تابعین کے لئے سند کا التزام نہیں کرتے۔

۳۔ اختلاف قراءات کو تفصیل و تحقیق کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

۴۔ عموماً سورۃ کو ختم کرتے ہوئے فضائل کی روایات کو لے آتے ہیں لیکن اس پر فنی تنقید نہیں کرتے۔

۵۔ آیات احکام سے متعلقہ ائمہ کے اختلاف کہیں کہیں ذکر کر دیتے ہیں۔

تفسیر ابن کثیر

یہ کتاب حافظ اسماعیل بن عُمر بن کثیر دمشقی کی تصنیف ہے۔ اپنے روایتی انداز بیان کی بنا پر عوام و خواص سب میں مقبول ہے اس کا اُردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے مصنّف ابن کثیر کی نسبت سے زیادہ مشہور ہیں۔ آپ علم تفسیر کے علاوہ تاریخ میں بھی بلند مقام رکھتے تھے۔ آپ ۷۰۱ھ بصرے میں پیدا ہوئے۔ دمشق میں تعلیم و تربیت پائی۔ آپ کی وفات ۷۷۴ھ میں ہوئی مقبرہ صُوفیہ میں اپنے شیخ ابن تیمیہ کے ساتھ مدفون ہیں تفسیر کے علاوہ تاریخ میں البدایہ والنہایہ۔ فن حدیث میں جامع المسانید آپ کی بہترین یادگار ہیں۔"[1]

خصوصیات

۱۔ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں اصُول تفسیر اور طبقات مفسّرین پر

---

[1] معجم المؤلفین۔ ج: ۹، ص: ۲۸۳

Marfat.com

بڑی عمدہ بحث کی ہے۔

۲۔ آپ حدیث اور تفسیر کی کتابوں میں سے صحاح ستہ مسند احمد، مستدرک حاکم، تفسیر ابن ابی حاتم اور تفسیر ابن جریر سے ان کی تفسیری روایات ان کی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

۳۔ جہاں تنقید کا موقع ہو بڑے سلجھے ہوئے انداز میں تنقید کرتے ہیں۔

۴۔ آپ نقل روایات میں پوری تحقیق سے کام لیتے ہیں کسی قسم کی چشم پوشی نہیں فرماتے

۵۔ تفسیر آیات میں مختلف اقوال کو ذکر کرتے ہیں آخر میں قول راجح کو مع دلیل کے ذکر کرتے ہیں۔

غرضیکہ آپ کی تفسیر احادیث اور آثار صحابہ و تابعین کی روشنی میں قرآن سمجھانے کے لئے انتہائی موزوں اور مستند ہے۔

تفسیر دُرمنثور

تفسیر درمنثور کے مصنّف علامہ جلال الدین سیوطی ہیں آپ نے حسن المحاضرہ میں اپنا ترجمہ خود لکھا ہے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

آپ اسیوط کے محلّہ خضریہ میں رجب ۸۴۹ھ کی ابتدائی تاریخوں میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد آپ کو شیخ محمّد مجذوب کی خدمت میں لے گئے اور ان سے اپنے فرزند کے حق میں دعا کرائی۔ بچپن سے آپ کے سر سے والد ماجد کا سایہ اٹھ گیا مگر آپ نے تعلیم کی طرف سے توجّہ نہ ہٹائی۔ آٹھ سال سے کم عمر میں مکمّل قرآن مجید حفظ کر لیا۔ آپ نے تمام علوم میں مہارت حاصل کی آپ تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ کوئی بھی مسئلہ ہو میں اس پر پوری کتاب لکھ سکتا ہوں "[1]

---

[1] حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ۔ ج:۱، ص:۱۸۸

Marfat.com

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے سات علوم (تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، معانی، بیان، بدیع) میں اللہ تعالیٰ نے خصوصی ملکہ عطا فرمایا ہے آپ نے زیادہ وقت تفسیر و حدیث میں صرف کیا آپ کے اساتذہ کی تعداد ڈیڑھ سو سے زیادہ ہے۔ آپ نے اپنے استاد محی الدین کافیجی کے پاس چودہ سال صرف کئے اور علوم تفسیر میں مہارت حاصل کی آپ نے شیخ الاسلام شرف الدین مناوی سے تفسیر بیضاوی پڑھی اور شیخ سیف الدین حنفی سے تفسیر کشاف پڑھی آپ نے ۸۶۶ھ میں جب کہ آپ کی عمر صرف سترہ برس کی تھی تصنیف کا کام شروع کیا اور حسن المحاضرہ لکھنے تک آپ کی تصانیف کی تعداد تین سو تک پہنچ چکی تھیں۔ بعد میں تعداد بہت بڑھ گئی۔ آپ نے سب سے پہلے تعوذ اور تسمیہ کی شرح لکھی جس پر شیخ الاسلام بلقینی نے تقریظ لکھی ہے آپ نے علوم قرآن کی زبردست خدمت کی جس پر آپ کی گراں قدر تصانیف شاہد ہیں۔ مثلاً

الاتقان فی علوم القران، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ترجمان القرآن فی تفسیر المسند، لباب النقول فی اسباب النزول، مضحمات الاقران فی مبهمات القرآن الاکلیل فی استنباط التنزیل، تکملہ تفسیر شیخ جلال الدین محلی (معروف بہ تفسیر جلالین) التحبیر فی علوم التفسیر، حاشیہ تفسیر بیضاوی، تناسق الدرر فی تناسب السور، مراصد المطالع فی تناسب المقاطع والمطالع، مجمع البحرین ومطلع البدرین وغیرہ

آپ نے علوم قرآنیہ اور علم تفسیر پر بڑی کثرت سے کتابیں لکھیں۔ آپ زود نویس تھے اور تحریر میں بڑی برکت تھی۔ آپ نے تفسیر قرآن کے سلسلے میں ایک مبسوط اور مفصل تفسیر ماثور مرتب فرمائی اس میں دس ہزار سے زائد احادیث مسندہ تھیں اس کا نام

Marfat.com

ترجمان القرآن رکھا۔ چونکہ وہ بہت زیادہ مبسوط تھی اِس لیے اس کا اختصار فرما کر الدر المنثور نام رکھا

آپ درمنثور کے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ جب میں نے تفسیر مسند ترجمان القرآن کے نام سے لکھی۔ پھر لوگوں کی ہمتوں کی کمزوری اور اختصار پسندی دیکھی تو اسانید کو حذف کر کے صرف متون پر اکتفا کیا اور تفسیر درمنثور تحریر کی"۔ [1]

تفسیر درمنثور میں اختصار کے پیشِ نظر اسناد کو حذف کر کے صرف ماخذ و مرجع کے حوالے پر اکتفا فرمایا ہے۔

علّامہ جلال الدین سیوطی نے اس میں صحاح ستہ کے علاوہ تفسیر ابن جریر، تفسیر عبد بن حمید، تفسیر ثعلبی، اسباب النزول واحدی، مصنّف ابن ابی شیبہ، دلائل النبوۃ بیہقی، تفسیر ابن مردویہ، حلیۃ الاولیاء، طبقات ابن سعد، مسند عبدالرزاق اور تفسیر ابن ابی حاتم سے روایات لی ہیں۔ آپ کی کتاب تفسیری روایات کا عظیم ذخیرہ ہے اس میں صحیح حسن، ضعیف ہر قسم کی روایات موجود ہیں۔ وُہ اہل علم جو جرح و تعدیل سے آگاہ اور مدارج کتب حدیث و تفسیر سے پُوری طرح باخبر ہُوں وہ اس سے کافی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ چُونکہ اصل میں علامہ سیوطی کا مقصد ہر قسم کے آثار و روایات تفسیر کو جمع کرنا تھا اِس لیے اس میں اسرائیلی روایات وغیرہ بھی بکثرت شامل ہو گئی ہیں۔ شاید علمارفن کے کلام کو کافی و وافی سمجھتے ہُوئے آپ نے اس پر تنقید کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

علامہ شوکانی نے اپنی تفسیر فتح القدیر کے مقدمہ میں تفسیر درمنثور پر تبصرہ کرتے ہُوئے لکھا ہے۔ اعلم ان تفسير السيوطى المسمّٰى بالدر المنثور قد اشتمل على غالب ما فى تفاسير السلف من التفاسير

[1] مقدمہ تفسیر درمنثور۔ ص: ۲

Marfat.com

المرفوعة الی النبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم وتفاسیر الصحابۃ ومن بعدھم ومافاتہ الا القلیل النادر وقد اشتمل ھذا التفسیر علی جمیع ماتدعوالیہ الحاجۃ لمایتعلق بالتفسیر مع اختصار لماتکرر لفظاً واتحد معناً یقول ومثلہ ونحوہ۔" [1]

علامہ سیوطی کی تفسیر درمنثور اکثر تفاسیر سلف پر مشتمل ہے اس میں احادیث مرفوعہ کے علاوہ صحابہ وتابعین کی تفسیری روایات پائی جاتی ہیں۔ روایات تفسیریہ کا بہت قلیل اور نادر حصّہ ہے جو اس تفسیر میں درج نہیں ہوسکا۔ یہ تفسیر ان تمام علوم پر مشتمل ہے۔ جن کا تعلق تفسیر سے ہے اس میں اختصار بھی ہے جہاں تکرار لفظی ہو اور معنی میں اتحاد ہو اسے مصنّف مثلہ یا نحوہ کے لفظ سے تعبیر کر دیتے ہیں۔"

الغرض اس تفسیر کو کتب تفسیر ماثورہ میں بلند مقام حاصل ہے۔

تفسیر فتح القدیر (للشوکانی)

یہ تفسیر قاضی محمّد بن علی شوکانی صنعانی کی تصنیف ہے موصوف ۱۱۷۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۵۰ھ میں وفات پائی۔ پہلے آپ کا مسلک زیدی تھا پھر تقلید کو خیرباد کہا اور خود مجتہد بن گئے۔ آپ کی تصانیف میں تفسیر فتح القدیر کے علاوہ نیل الاوطار اور تحفۃ الذاکرین کو بڑی اہمیّت حاصل ہے۔

آپ نے تفسیر میں روایات کے ساتھ درایت کے پہلو کو بھی مدِنظر رکھا ہے لیکن روایت وآثار کا پہلو غالب رہا۔ اِس لِئے ہم نے اسے تفسیر مأثور کے ضمن میں درج کیا ہے۔ آپ نے تفسیر ابن جریر، ابن کثیر اور درمنثور کے علاوہ اسباب النزول امام ابوجعفر نحاس

---

[1]: مقدمہ تفسیر فتح القدیر۔ ص: ۳

Marfat.com

متوفی ۳۲۶ھ تفسیر عبداللہ بن عطیہ مقری متوفی ۳۸۳ھ تفسیر المحرر الوجیز علامہ عبدالحق بن غالب بن عطیہ متوفی ۵۲۹ھ اور تفسیر الجامع لاحکام القرآن امام ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی سے کافی استفادہ کیا ہے۔

نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے ہم مشرب ہونے کے ناطے الاکسیر فی اصول التفسیر اور التاج المکلل میں آپ کی تفسیر کی بہت تعریف کی ہے۔[1]

نواب صدیق حسن خان بھوپالی کی تفسیر البیان فی مقاصد القرآن بھی درحقیقت آپ کی تفسیر کی تلخیص ہے۔ البتہ اس میں کچھ اضافہ ہے۔

ہم اس موضوع پر گفتگو ختم کرنے سے قبل اس امر کا اظہار ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمارے پیش نظر تفاسیر ماثورہ کا استیعاب نہ تھا نہ عملاً ایسا کرنا ممکن ہے۔ ہم نے تفسیر ابن جریر کی اہمیت کے پیش نظر اس پر مفصل تبصرہ ضروری سمجھا اس کے علاوہ متعدد مشہور کتابوں کا تعارف کافی سمجھا۔ جیسا کہ ہم ابتداء میں عرض کر چکے ہیں کہ تفسیر بالماثور کا کامل ذوق پہلی تین صدیوں پر محیط نظر آتا ہے اس کے بعد حافظ ابن کثیر، بغوی اور سیوطی نے اس انداز کو از سر نو زندہ کرنے کی کوشش کی ہے لیکن مجموعی طور پر عقلی و استدلالی رنگ میں قرآن حکیم سمجھنے کا ذوق امت پر غالب آچکا تھا۔ اس لئے ان حضرات کی کوششیں ایک خاص دائرہ تک محدود رہیں۔

واللہ ورسولہ اعلم

---

[1] - التاج المکلل۔ ص: ۴۴۳۔ الاکسیر۔ ص: ۸۹

Marfat.com

باب دوم

تفسیرِ عقلی و استدلالی

یہ تفسیر قرآن کریم کا دوسرا دور ہے جس کا آغاز چوتھی صدی ہجری سے ہوا اور مختلف اشکال میں آج تک پایا جاتا ہے۔ اس دور سے قبل بھی تفسیر قرآن حکیم میں عقل و استدلال سے کام لیا جاتا تھا۔ صحابۂ کرام اور تابعین عظام نے قرآن مجید کی تفسیر میں بہت سی باتیں عقل و استدلال کی روشنی میں کہی ہیں۔ لیکن انھوں نے کبھی شرع پر عقل کی حاکمیت تسلیم نہیں کی۔ جب کبھی کوئی عقلی بات نص قرآنی سے ٹکرائی تو انھوں نے تاویل عقلی کو ٹھکرا دیا۔ اور دلیل نقلی کو ترجیح دی۔ بعد میں نقل پر عقل کو ترجیح دینے کا ذوق پیدا ہوا تو تفسیر قرآن میں تاویلات عقلیہ کا امتزاج زور پکڑ گیا۔ ہم اس دور کو عقلی و استدلالی دور سے تعبیر کرتے ہیں۔ اُمت کے ذوق میں اتنی بڑی تبدیلی کیسے رونما ہوئی۔ روایت کے مقابلے میں عقل کو ترجیح دینے کا انداز کیسے رواج پذیر ہوا۔؟ اس کے عوامل بڑے گہرے اور تفصیل طلب ہیں۔ ہم یہاں پر صرف ایک بنیادی عامل کا تذکرہ مناسب سمجھتے ہیں جو درج ذیل ہے۔

بنو عباس کے دور میں یونانی علوم و فنون کے ترجمے بکثرت ہوئے اگرچہ بنو اُمیّہ کے دور میں بھی ترجمے کا کام ہوا۔ چنانچہ بنو اُمیّہ میں خالد بن یزید بن معاویہ پہلا شخص تھا جس نے علم طب اور کیمیا کی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔ تاہم یہ کام بنو عباس

Marfat.com

کے دور میں اپنے انتہائی عروج کو پہنچا۔ جب ایرانیوں کی مدد سے عباسیوں کی سلطنت قائم ہوئی تو فارسی اور یونانی علوم کی طرف خصوصی توجہ دی گئی۔ فارسی کو عربی زبان میں منتقل کرنے والے مشاہیر میں آل نوبخت حسن بن سہل (مامون رشید کا درباری) احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری (صاحب کتاب البلدان) اور احمد بن فرحان خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہیں۔" [1]

علامہ طنطاوی جوہری مصری نے لکھا ہے عباسی عہد حکومت میں ترجمہ کا پہلا دور ابوجعفر منصور سے شروع ہو کر ہارون رشید کی وفات تک ہے یعنی ۱۲۹ھ سے ۱۹۳ھ تک اس دور کے سب سے بڑے مترجم یحییٰ بن بطریق، عبداللہ بن مقفع اور یوحنا بن سوید وغیرہ ہیں۔ دوسرا دور مامون عباسی کے عہد حکومت ۱۹۸ھ سے لیکر ۲۹۰ھ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دور کے مشہور مترجم یوحنا بن بطریق، حجاج بن مطر، حنین بن اسحاق، اسحاق بن حنین اور ثابت بن مرۃ وغیرہ ہیں۔ اس دور میں زیادہ تر بقراط، جالینوس اور ارسطاطالیس کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہوا۔" [2]

مولانا شبلی نعمانی "المامون" میں لکھتے ہیں کہ مامون نے قیصر روم کو خط لکھا تھا کہ ہمیں ایک راہب کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ قسطنطین کے زمانے سے ایک مقفّل مکان میں بہت بڑا علمی سرمایہ موجود ہے وہ علمی سرمایہ ہمیں منتقل کیجئے تاکہ اسے عربی میں منتقل کر سکیں۔ قیصر روم نے صلاح مشورے کے بعد خاص فلسفہ کی کتابوں سے پانچ اونٹ لاد کر بغداد روانہ کئے ان کتابوں کے ترجمہ پر یعقوب بن اسحاق کندی کو مقرر کیا گیا۔ اس کے علاوہ خلیفہ مامون نے حجاج بن المطر اور یوحنا بن بطریق کو خاص اس غرض سے ملک روم میں بھیجا کہ وہ ترجمہ کے لئے کتابیں منتخب کر کے لائیں۔ مامون عباسی

---

[1] ۔ الفہرست بن ندیم۔ ص: ۳۵۶

[2] ۔ تفسیر الجواہر۔ ص: ۱۶۲، ج: ۷

Marfat.com

کے عہد میں قسطا بن لوقا روم سے بہت سی کتابیں جو فلسفہ سے تعلق رکھتی تھیں اپنے ساتھ لایا۔ اسی طرح جبریل بن بختیشوع متوفی ۲۱۵ھ نے بھی ترجمہ کے کام میں بہت فیاضی سے کام لیا۔ خلیفہ مامون کے علاوہ اِسی دَور کے متمول اور صاحب ثروت افراد نے بھی اسی علمی کام میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ مامون کے دَور میں ترجمہ کے عِلاوہ حواشی اور شروح کا بھی اضافہ ہُوا۔ ؎۱

ترجمہ کا تیسرا دَور تیسری صدی ہجری سے لیکر چوتھی صدی ہجری کے نصف تک جاری رہا۔ اس دَور کے مشہُور مترجم متی بن یُونس، سنان بن ثابت اور یحییٰ بن عدی وغیرہ ہیں۔" ؎۲

مشہُور مؤرخ ڈاکٹر "فلپ" کے، ہٹی " تاریخ شام میں لکھتے ہیں" ۷۵۰ء اور ۸۵۰ء کے درمیان عربی دینی و فکری نظر کی تاریخ میں نہایت جلیل القدر اور اہم تحریکات کا مرجع بن چکی تھی۔ ان میں ایک تحریک یہ تھی کہ فارسی، یُونانی اور سریانی زبانوں سے مختلف کتابوں کے ترجمے عربی زبان میں ہُوئے۔ تاسیس بغداد کے جلد ہی بعد چند عشروں میں عربی خواں عوام کے سامنے ارسطو کی بڑی بڑی فلسفیانہ کتابیں نوافلاطینیوں کی شرحیں، بقراط اور جالینوس کی عالی قدر طبّی تصانیف، اقلیدس کی ریاضیات اور بطلیموس کا جغرافیہ دعوت مطالعہ دے رہے تھے۔ ان تمام چیزوں کے مہیّا کرنے میں اہلِ شام واسطہ بنے عام عرب یونانی نہیں جانتے تھے۔ لیکن اہل شام کو اہلِ یُونان سے ایک ہزار سال پرانا رابطہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ظہُور اسلام کی پہلی دو صدیوں کے اندر اہل شام یُونانی کتابوں کا سریانی زبان میں ترجمہ کر چکے تھے۔" ؎۳

دپھر تیسری اور چوتھی صدی میں ان علمی کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہُوا جیسا کہ

؎۱۔ مسلمانوں کی سیاسی تاریخ ؛ ص : ۲۴۷

؎۲۔ تفسیر الجواھر۔ ص : ۱۶۲ تا ۱۶۸ - ج : ۷

؎۳۔ تاریخ شام مصنفہ ڈاکٹر ہٹی۔ مترجم غلام رسول مہر۔ ص ۴۴۳ :

Marfat.com

پہلے بیان ہو چکا ہے)

ہمارے خیال کے مطابق یُونانی علوم کے عربی میں منتقل ہونے سے جہاں یہ فائدہ پہنچا کہ فلسفہ منطق اور دُوسرے اہم عُلوم عربی زبان میں منتقل ہو کر مُسلمانوں کے سامنے آگئے اور علمی ترقی کا سبب بنے وہاں یہ نقصان بھی ہُوا کہ اُمّت مسلمہ میں عقلیت پسندی کا رجحان زور پکڑنے لگا۔ شریعت کی ہر بات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھا جانے لگا۔ اِس طرح مُسلمانوں میں بہت سے فرقے پیدا ہو گئے اور ملّت کی وحدت و مرکزیت اِنتشار و اختلاف کا شکار ہو گئی اس دَور میں اہل سُنّت والجماعت سے کٹ کر قدریہ، حشویہ، جبریہ، روافض، خوارج، معتزلہ اور مرجیہ وغیرہ بہت سے فرقے معرض وجُود میں آگئے اور وُہ اُمّت کی وحدت کو کاٹنے میں مصروف ہو گئے۔ ہم یہاں پر اختصار کے پیشِ نظر صرف ایک عقل پسند فرقہ معتزلہ کا ذکر کریں گے۔ کیُونکہ یہ فرقہ خصُوصی طور پر عقلی تحریک کے نتیجے میں ظہور پذیر ہُوا اور اس نے مُسلمانوں کے فلسفہ اور علم کلام پر گہرے نقوش چھوڑے۔

تحریکِ معتزلہ کا آغاز اور اُس کی شاخیں

معتزلہ کے آغاز کے بارے میں علماء کرام کی مختلف آراء ہیں ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ یہ لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھی تھے جس طرح خوارج نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، سے علیحدگی اختیار کی اس طرح اس گروہ نے بھی علیحدگی اِختیار کر کے مستقل مکتبِ فکر کی داغ بیل ڈالی۔ دُوسری رائے یہ ہے کہ معتزلہ کا بانی واصل بن عطا حضرت امام حسن بصری کے شاگردوں میں سے تھا ایک دفعہ مرتکب کبیرہ کے بارے میں اس نے اپنے شیخ سے اختلاف کیا امام حسن بصری جمہور اہل سُنّت کی طرح اِس بات کے قائل تھے کہ مرتکب کبیرہ مومن ہے کافر نہیں۔ واصل بن عطاء نے کہا کہ مرتکب کبیرہ نہ مؤمن ہے نہ کافر بلکہ درمیانی منزلت میں پھنسا ہُوا ہے۔

Marfat.com

امام حسن بصری نے اسے ٹوکا تو وہ مجلس سے اُٹھ کر ایک کونے میں چلا گیا۔ اس پر امام حسن بصری نے فرمایا۔ "قد اعتزل عنا" یہ ہم سے الگ گوشہ نشیں ہو گیا۔ ہے۔ بس دن سے اس جماعت کا لقب معتزلہ پڑا۔ مگر یہ لوگ اپنے آپ کو اصحاب العدل والتوحید کہلاتے ہیں۔" [1]

حقیقت یہ ہے کہ معتزلہ اپنے آپ کو واصل بن عطار (متوفی ۱۳۱ھ) سے پہلے کا مانتے ہیں اور روافض کی طرح خاندان نبوت کے بعض افراد کو اپنا ہم مسلک قرار دیتے ہیں۔ شیخ ابو زہرہ مصری نے ان کے مختلف فرقے شمار کیے ہیں۔ جن میں سے چند ایک نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ **واصلیہ** ۔ واصل بن عطار کے پیروکار ہیں۔

۲۔ **ھزیلیہ** ۔ یہ ابوالہذیل علاف کے پیروکار ہیں

۳۔ **نظامیہ** ۔ یہ ابو الہذیل کے شاگرد ابراہیم بن سیار النظام کے پیروکار ہیں۔

۴۔ **بشریہ** ۔ یہ بشر بن معمر کے ماننے والے ہیں۔

۵۔ **ھشامیہ** ۔ یہ ہشام بن عُمر کے پیروکار ہیں۔

۶۔ **جاحظیہ** ۔ یہ ابُو عثمان جاحظ کے پیروکار ہیں جو معتزلہ کا پیشوا اور صاحب طرز ادیب تھا۔

۷۔ **جبائیہ** ۔ یہ مشہور معتزلی ابو علی جبائی کے پیروکار ہیں۔" [2]

معتزلہ کی بنیادی خصُوصیت عقل پر زیادہ اعتماد ہے وہ اثبات عقائد میں عقل سے زیادہ کام لیتے ہیں۔ اُنھوں نے قرآن مجید کو صرف عقل کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی۔ معتزلہ حدیث کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے، عقائد کے معاملے میں تو حدیث کو بالکل ہی

---

[1] ۔ نبراس ۔ ص: ۲۷، ۲۸ ۔ الملل والنحل شہرستانی ۔ ص: ۵۷، ج: ۱

[2] ۔ المذاهب الاسلامی ۔ ص: ۲۳۲

Marfat.com

قابل حجت نہیں مانتے۔

معتزلہ نے ان علوم عقلیہ کو بڑی سُرعت کے ساتھ قبول کیا جن کا عربی میں ترجمہ ہو چکا تھا اُنھوں نے علوم عقلیہ کو اپنے مناظروں اور مباحثوں میں بھی استعمال کیا اس سے محض عقل پسند حلقوں میں ان کا مذہب خوب پھیلا۔ فلاسفہ نے جب دیکھا کہ معتزلہ کے اکثر خیالات فلسفۂ یونان کے ساتھ ہم آہنگ ہیں تو اُنھیں اپنانے کی کوشش کی اور اس طرح مذہب معتزلہ کی خوب اشاعت ہوئی۔

معتزلہ کے مسلک کی شہرت و اشاعت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ انھیں عربی زبان میں پوری طرح عبور حاصل تھا۔ اور ان میں فن خطابت کے ماہرین کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ چنانچہ واصل بن عطار، ابراہیم بن سیار نظام ابوعثمان جاحظ اور ابوالقاسم زمخشری معتزلہ کے مشہور داعی مذہب تھے جو اپنی فصاحت و بلاغت اور فن خطابت میں مہارت کی بنا پر بہت مشہور تھے۔ اس سے بھی معتزلہ کو زیادہ پھیلنے کا موقع ملا۔

معتزلہ کے بنیادی اصول

معتزلہ آپس میں بے شمار فروعی اختلافات کے باوجود چند بنیادی اصولوں پر خصوصی طور پر متفق ہیں۔ چنانچہ ابوالحسن خیاط نے اپنی کتاب الانتصار میں لکھا ہے کہ کوئی آدمی اس وقت تک معتزلی نہیں کہلا سکتا جب تک ان پانچ اصولوں کو صحیح تسلیم نہ کرے۔ یہ پانچ اصول حسب ذیل ہیں۔

۱۔ توحید ۲۔ عدل ۳۔ وعدہ و وعید ۴۔ منزلة بین المنزلتین
۵۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔

توحید

امام ابوالحسن اشعری نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب مقالات الاسلامیین (قسم معتزلہ)

Marfat.com

میں توحید کی یُوں تشریح کی ہے۔

"معتزلہ کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد و یکتا ہے کوئی چیز اس کی مثل نہیں وُہ سننے اور دیکھنے والا ہے نہ وہ جسم ہے نہ شبح نہ جثہ نہ صُورت نہ گوشت نہ خُون نہ شخص نہ جوہر نہ عرض۔ نہ رنگ ذائقہ و بُو سے متصف نہ گرمی سردی رطوبت، خشکی، طول، عرض، عمق سے موصُوف اجتماع افتراق سے پاک۔ نہ متحرک نہ ساکن نہ ہی ابعاض واجزا والا ہے نہ ہی جوارح و اعضاء والا ہے نہ ہی جہتوں والا ہے نہ ہی دائیں، بائیں آگے، پیچھے اور اُوپر نیچے سے متصف نہ اسے مکان گھیر سکتا ہے نہ زمان۔ نہ ہی اس پر عزلت وخلوت کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہی کسی دُوسری چیز کو چھونے یا مس کرنے کا نہ ہی اس کے لیے کسی مکان میں حصُول ممکن ہے نہ ہی مخلُوق کی صفات حادثہ اس میں پائی جاتی ہیں۔"

امام ابوالحسن اشعری نے توحید پر جو لکھا ہے ہم نے اختصار کے پیشِ نظر اس کے بعض اقتباسات پر اکتفا کیا۔ اتنی بات واضح نظر آتی ہے کہ معتزلہ توحید میں اہلسُنّت سے بنیادی اختلاف نہیں رکھتے۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ وُہ صفات کے مسئلے میں اہلِ سُنّت سے شدید اختلاف رکھتے ہیں۔ اسی طرح رؤیت باری تعالیٰ عزوجل کے مسئلے میں ہمارا اور معتزلہ کا مشہُور اختلاف ہے۔ فریقین کے دلائل، جوابات اور جواب الجواب سے علم کلام کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

عدل

مشہور مؤرخ مسعُودی نے معتزلہ کے مسلک کے مطابق عدل کا یہ مفہوم بیان کیا ہے

"اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ وہ بندوں کے افعال کو خُود پیدا نہیں کرتا بلکہ وہ خُود مامورات و منہیات کا ارتکاب کرتے ہیں اس قدرت کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے ان میں رکھ دی اور ترکیب فرما دی اللہ تعالیٰ اسی کام کا حُکم دیتا ہے جس کا ارادہ کرتا ہے

Marfat.com

وہ بھلائی کا مالک ہے جس کا اس نے حکم دیا اور ہر اس بُرائی سے بیزار ہے جس سے اُس نے روکا ہے۔ اس نے بندوں کو تکلیف نہیں دی مگر ان کی طاقت کے مطابق اس نے بندوں کے بارے میں ایسا ارادہ نہیں فرمایا جس پر وہ قادر نہ ہوں۔ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت کے بغیر کسی چیز کو کھولنے یا بند کرنے پر قادر نہیں۔ وہی سب کا مالک ہے نہ کہ بندے۔ وہ جب چاہے گا انھیں فنا کر دے گا اگر وہ چاہتا تو لوگوں سے جبراً اپنی اطاعت کراتا اور جبراً انھیں اپنی نافرمانی سے روک دیتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اس لیے کہ اس صورت میں تکلیف اُٹھ جاتی اور بندوں سے امتحان کا مقصد فوت ہو جاتا۔" ؎

وعد و وعید

یہ مسلک معتزلہ کا تیسرا اصول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نیکو کار کو ثواب اور بدکار کو عذاب دینا اللہ تعالےٰ پر عقلاً واجب ہے۔ وہ اس کے خلاف نہیں کر سکتا ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ مرتکب کبیرہ کو معاف نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ خلاف مصلحت ہے۔ ہاں اگر مرتکب کبیرہ توبہ کرلے تو معافی ممکن ہے۔

منزلت بین المنزلتین

علامہ ابُو الفتح محمدؐ بن عبد الکریم شہرستانی (متوفی ۵۴۸ھ) نے واصل بن عطا رئیس معتزلہ سے نقل کیا ہے کہ ایمان عمدہ افعال وخصال کا مجموعہ ہے جب کسی انسان میں تصدیق، اقرار اور اعمال صالحہ جمع ہو جائیں تو اسے مومن کہہ سکتے ہیں لیکن اگر انسان کسی بڑے گناہ کا ارتکاب کرلے تو وہ نہ مومن رہتا ہے نہ کافر بلکہ منزلت

؎ - مروج الذھب - ص: ۲۳۵، ج: ۴

Marfat.com

بین المنزلتین میں معلّق رہتا ہے اگر توبہ کرلی تو نجات پا جائے گا۔ اگر بغیر توبہ کے مرگیا تو ہمیشہ کے لئے عذاب پائے گا۔ معتزلہ نے یہ شدت مرجیہ کے مقابلے میں اختیار کی جو فسق و فجور کو ایمان کے منافی نہیں سمجھتے ان کے نزدیک صرف کلمہ پڑھ لینا کافی ہے۔ چاہے انسان کبیرہ گناہ بھی کرتا رہے۔" ؎۱

ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ نے لکھا ہے کہ اگرچہ مرتکب کبیرہ نہ مؤمن ہے نہ کافر لیکن ذمیوں اور بُت پرستوں سے امتیاز دینے کے لئے ہم اس کو مسلمان کہہ سکتے ہیں بشرطیکہ ساتھ ہی کوئی ایسا قرینہ قائم ہو جس سے ثابت ہو کہ اس فاسق کی تعظیم و ثنا مقصود نہیں صرف ذمی کافروں سے امتیاز دینا مقصود ہے۔" ؎۲

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

اصول معتزلہ میں یہ پانچواں مسئلہ ہے جس پر تمام معتزلہ کا اتفاق ہے کہ زبان اور تلوار دونوں کے ساتھ معروف کا حکم دیا جائے اور منکر سے روکا جائے۔ اس جہاد میں مومن فاسق اور کافر کے درمیان کوئی فرق نہیں جیسا کہ مشہور مؤرخ مسعودی نے اپنی کتابوں۔ مروج الذہب، المقالات فی اصول الدیانات اور الابانۃ میں تصریح کی ہے۔

معتزلہ کا مدار استدلال

معتزلہ کے دلائل کی بنیاد زیادہ تر قضایائے عقلیہ پر ہے شریعت کا کوئی مسئلہ ہو جب تک اسے عقل کی کسوٹی پر نہ پرکھا جائے ان کے نزدیک ناقابل تسلیم ہے۔

معتزلہ میں اس قدر عقلیت پسندی کی بنیادی وجوہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ معتزلہ زیادہ تر عراق و فارس میں رہتے تھے۔ یہ علاقے قدیم تہذیبوں کا مرکز

؎۱۔ الملل والنحل۔ ص: ۱۴۸، ج: ۱، مطبوعہ مصر

؎۲۔ شرح نہج البلاغہ۔ بحوالہ المذاہب الاسلامیہ۔ ص: ۲۱۴

Marfat.com

تھے۔ معتزلہ نے اس مکانی مناسبت کی بنا پر ہر چیز کو عقل کی روشنی میں پرکھنا شروع کر دیا۔

۲۔ معتزلہ زیادہ تر غریب خاندان سے تھے ابھی اسلامی حقائق ان کے رگ و پے میں پیوست نہیں ہوئے تھے اِس لیے جب کوئی شرعی مسئلہ سامنے آتا تو وہ عقلی توجیہات شروع کر دیتے۔

۳۔ معتزلہ کا اختلاط زیادہ تر یہود و نصاریٰ سے تھا۔ اس لیے اختلاط کے نتیجے میں وہ بھی فلسفۂ الٰہیات کی گہرائیوں میں جانے لگے۔ اِس طرح ان میں عقلیت پسندی غالب آگئی۔

معتزلہ کا شدید رد کیوں۔؟

فقہاء اور محدثین کرام نے معتزلہ کی شدت کے ساتھ مخالفت کی ہے۔ اِس مخالفت کی وجوہات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ معتزلہ نے سلف کے مسلک سے انحراف کیا۔ سلف ہر معاملے میں کتاب و سنّت کی طرف رجوع کرتے تھے پھر اجماع اُمت کی طرف اور آخر میں اجتہاد سے کام لیتے مگر معتزلہ نے پہلے مرحلے پر ہی عقلیت پرستی سے کام لیا اور ہر مسئلے میں عقل کو فیصل مانا۔ اس بنا پر سلف صالحین کے مسلک پر چلنے والے فقہا و محدثین عظام اور متکلمین نے ان کا شدید رد کیا۔

۲۔ معتزلہ نے زنادقہ، روافض اور ثنویہ وغیرہ سے مباحثے اور مجادلے کیے اُنھوں نے فریق مخالف کو شکست دینے کے لئے انھی کا انداز استدلال اختیار کیا لیکن اِس کے نتیجے میں وہ خود عقلیت پرست ہو گئے۔ نصوصِ قرآنیہ کے خلاف قیاسی اور عقلی باتیں ان کے دلوں میں گھر کر گئیں۔ اس طرح وہ بھی بعض ملحدانہ افکار کے علمبردار ہو گئے۔

۳۔ بہت سے ملحدین نے اپنے آپ کو مسلک اعتزال کی طرف منسوب کیا۔ مثلاً ابن الراوندی، ابُو عیسیٰ وراق، احمد بن حائط اور فضل المدنی وغیرہ چونکہ ان ملحدین

Marfat.com

نے اسلام کے بنیادی اصولوں کا مذاق اُڑایا اس لئے علماء اہل سُنّت کو معتزلہ سے شدید نفرت ہوگئی۔ اُنھوں نے ان کی تردید میں شدّت سے کام لیا۔

یہی وجہ ہے کہ قاضی ابو یُوسف نے معتزلہ کو زنادقہ میں شمار کیا۔ امام مالک اور امام شافعی نے ان کی شہادت کو ردّ کر دیا۔ امام مُحمّد صاحب نے فتویٰ دیا کہ معتزلی کے پیچھے پڑھی ہُوئی نماز واجب الاعادہ ہے۔" [۱]

غرضیکہ بڑے بڑے ائمہ فقہا اور محدثین نے معتزلہ کی شدّت کے ساتھ تردید فرمائی اور جمہور اہل اسلام کو ان کے فتنوں سے خبردار کیا۔ علماء کرام کی اجتماعی کوشش کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ فرقہ زیادہ دیر نہ ٹھہر سکا اور اپنے سرپرست ارباب اقتدار یعنی بنوعباس کے زوال کے ساتھ ساتھ یہ تحریک بھی ہمیشہ کی نیند سو گئی۔

معتزلہ کے کُچھ مفید کام

یہاں پر از رُوئے انصاف یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ معتزلہ نے کُچھ مفید علمی کام بھی انجام دیئے۔ انھوں نے یہُودیوں، نصرانیوں، مجوسیوں کے ساتھ مناظرے کئے خوارج اور مرجئہ کا شدّت سے ردّ کیا اور اسلام کے اساسی نظریات کے تحفّظ کیلئے علمی کام کیا۔ معتزلہ نے اپنے اصُول خمسہ باطل فرقوں کی تردید کے لئے وضع کئے مثلاً اصول توحید سے اُنھوں نے مشبہہ، مجسمہ اور نصاریٰ کا ردّ کیا۔ نظریۂ عدل سے فرقہ جہمیہ کا ردّ کیا۔ مسئلہ وعد و وعید سے انھوں نے مرجئہ کا ردّ کیا۔ خوارج مرتکب کبیرہ کو کافر کہتے تھے ان کے مقابلہ میں معتزلہ نے منزلۃ بین المنزلتین کی اصطلاح وضع کی۔ لیکن افسوس کہ معتزلہ ان فرق باطلہ کی تردید میں اس قدر دُور چلے گئے کہ خُود گمراہ ہو گئے۔

معتزلہ کا دُوسرا علمی کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے علوم عربیہ صرف، نحو، معانی، بیان،

---

[۱] المذاہب الاسلامیہ (ابو زہرہ مصری) ص: ۲۲۴

Marfat.com

بدیع پر کتابیں لکھیں۔ تفسیر و حدیث کے علوم کی اشاعت بھی کی ہم ان کے تمام علمی کاموں پر تبصرہ یہاں مناسب نہیں سمجھتے یہاں پر صرف اپنے موضوع کی مناسبت کی وجہ سے علم تفسیر میں ان کی خدمات کا جائزہ لیں گے۔ تاکہ اس دور کی مکمل تصویر سامنے آجائے جس میں اثری و روایتی رنگ کم ہو کر عقل و درایت کا رنگ غالب آچکا تھا۔ اگرچہ اس دور کی تفاسیر نایاب ہیں لیکن کچھ ایسی دوسری تفسیریں موجود ہیں جو نایاب تفسیروں کے علمی مباحث پر مشتمل ہیں اس لئے ہمیں معتزلہ کے تفسیری کام پر تبصرہ کرنا نسبتاً آسان ہو جائے گا۔

معتزلہ اور علم تفسیر

یہاں پر ہم خصوصی طور پر ان علماء معتزلہ کی تفاسیر کا ذکر کریں گے جنھوں نے اپنی زندگی کا اکثر حصہ خدمت قرآن کے لئے وقف کیا تھا۔ ان کی تفاسیر میں کافی حد تک علمی و فکری سرمایہ پایا جاتا ہے۔ مفسرین معتزلہ کا ذکر ترتیب زمانی کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ واصل بن عطاء (متوفی ۱۳۱ھ) مسلک معتزلہ کا پیشوا ہے۔ اس نے معانی القرآن لکھی جس کا ذکر یاقوت حموی نے معجم الادباء میں اور ابن ندیم نے الفہرست میں کیا ہے[1] اس نے معانی القرآن کے علاوہ کتاب اصناف المرجئہ، کتاب الخطب فی التوحید والعدل اور کتاب فی الدعوۃ بھی تصنیف کی ہیں۔

۲۔ محمد بن مستنیر احمد المعروف بہ قطرب نحوی (متوفی ۲۰۶ھ) یہ مشہور نحوی اور لغوی ہے معتزلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے سیبویہ سے علم نحو حاصل کیا نظام معتزلی سے بھی استفادہ کیا اور اسی کے مسلک پر کاربند رہا اس نے جب اپنی تفسیر لکھ کر جامع

---

[1] الفہرست (ابن ندیم) ص: ۵۱

Marfat.com

مسجد بصرہ میں سنانا چاہی تو عوام مخالف ہو گئے۔ آخر حکومت وقت کی امداد سے قطرب نے تفسیر سنائی۔ ابن ندیم نے اس کی تصانیف میں معانی القرآن اور کتاب الرد علی الملحدین فی متشابہ القرآن کا ذکر کیا ہے۔" ۱؎

۳۔ بشر بن معمر (متوفی ۲۱۰ھ) نے متشابہ القرآن لکھی۔" ۲؎

۴۔ سعید بن مسعدہ اخفش (متوفی ۲۱۱ھ) نے معانی القرآن لکھی۔ ابو حاتم سجستانی، مازنی اور زجاج متفق ہیں کہ اخفش معتزلی تھا۔ اس کی تفسیر بھی مسلک معتزلہ پر دال ہے۔

۵۔ ابو ہذیل علاف شیخ المعتزلہ (متوفی ۲۳۵ھ) نے بھی متشابہ القرآن تصنیف کی۔

۶۔ جعفر بن حرب معتزلی (متوفی ۲۳۶ھ) نے بھی متشابہ القرآن کے عنوان سے کتاب لکھی۔

۷۔ ابو عثمان جاحظ جس کی علمی شخصیت محتاج تعارف نہیں اس نے دوسری کتابوں کے علاوہ کتاب نظم القرآن لکھی۔" ۳؎

۸۔ محمد بن عبدالوہاب ابو علی جبائی امام معتزلہ (متوفی ۳۰۳ھ) نے متشابہ القرآن تصنیف کی اور تفسیر قرآن پر مستقل کتاب بھی لکھی جس کا تذکرہ امام جلال الدین سیوطی نے بدیں الفاظ میں کیا ہے۔" کان راساً فی الفلسفة والکلام اخذ عن یعقوب الشحام البصری وله مقالات مشهورة وتصانیف وتفسیر۔" ۴؎

(جبائی) فلسفہ اور علم کلام کا امام تھا اس نے یعقوب شحام سے بھی علم حاصل کیا اس کے مقالات مشہور ہیں۔ اس کی کئی تصانیف ہیں اور تفسیر قرآن کریم بھی ہے۔

۱؎۔ الفہرست۔ ص: ۵۸، ۶۳۔

۲؎۔ الفہرست۔ ص: ۵۷

۳؎۔ الفہرست۔ ص: ۶۳

۴؎۔ طبقات المفسرین۔ (للسیوطی) ص: ۸۸

Marfat.com

۹۔ ابُو عبداللہ بن زید الواسطی (متوفی ۳۰۶ھ یا ۳۰۷ھ) کبار معتزلہ سے ہے اور ابوعلی جبائی کا شاگرد ہے اس نے اعجاز القرآن فی نظمہ و تالیفہ تصنیف کی ہے۔

۱۰۔ ابُوبکر اصم جو معتزلہ کے چھٹے طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نے بھی قرآن مجید کی تفسیر لکھی"۔ [1]

۱۱۔ اسی طبقے کے ایک معتزلی عالم ابُوموسٰی اسواری نے تفسیر لکھنے پر بیس سال صرف کیے لیکن مکمل نہ کر سکے۔

۱۲۔ معتزلہ کے ساتویں طبقے سے ابُویعقوب یُوسف بن عبداللہ بن اسحٰق الشحام نے بھی تفسیر قُرآن کے موضُوع سے کئی کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔

۱۳۔ ابوالقاسم عبداللہ بن احمد بن محمُود بلخی کعبی معتزلی (متوفی ۳۱۹ھ) نے تفسیر قرآن پر ایک کتاب لکھی صاحب کشف الظنون نے اس کا تعارف کراتے ہوُئے لکھا ہے کہ یہ تفسیر بارہ جلدوں پر مشتمل ہے۔

۱۴۔ معتزلہ کے نویں طبقے سے ابوالحسن اسفندیال نے بھی تفسیر القرآن پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔

۱۵۔ عبدالسلام ابوہاشم جبائی (متوفی ۳۲۱ھ) جو ابُوعلی جبائی کا لڑکا ہے اس نے بھی تفسیر قُرآن لکھی امام سیوطی نے طبقات المفسرین میں اس کی تفسیر کا ذکر کرتے ہوُئے لکھا ہے کہ "میں نے اس کی تفسیر کا بعض حصّہ مطالعہ کیا ہے"۔ [2]

ابن ندیم نے اس کی تصانیف میں کتاب الجامع الکبیر اور کتاب الاجتہاد کا ذکر کیا ہے۔

۱۶۔ محمّد بن بحر المعروف ابُومُسلم اصفہانی (متوفی ۳۲۲ھ) نے کتاب جامع التاویل لمحکم التنزیل لکھی۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں اس کے بہت حوالے دیئے ہیں جن کو

---

[1] الفہرست۔ ص: ۵۷
[2] طبقات المفسرین۔ ص: ۸۹

Marfat.com

اصل تفسیر نایاب ہے اس لئے علّامہ سعید انصاری نے بڑی محنت سے تفسیر کبیر سے اس کے مختلف حوالے جمع کر کے ایک کتابچہ ترتیب دیا ہے۔ جس کا عنوان ملتقط جامع التاویل لمحکم التنزیل ہے۔ اس کے شروع میں علّامہ سعید انصاری لکھتے ہیں "یہ کتابچہ ان نصوص پر مشتمل ہے۔ جنھیں علامہ ابُومسلم اصفہانی نے اپنی تفسیر میں درج کیا۔ افسوس کہ اصل تفسیر تو گردشِ زمانہ کے ہاتھوں غائب ہو چکی ہے۔ اب اس کے متفرق ٹکڑے امام فخرالدین رازی کی تفسیر مفاتیح الغیب سے جمع کیے ہیں۔ امام فخرالدین رازی کی تفسیر مفاتیح الغیب تفسیر کبیر کے نام سے مشہور ہے۔

۱۷۔ ابُوبکر بن احمد بن علی المعروف ابن اخشید (متوفی ۳۲۶ھ) نے کتاب نقل القرآن کے علاوہ تفسیر ابن جریر کا اختصار بھی لکھا ہے۔ ابن ندیم کا کہنا ہے کہ ابن اخشید علماء وصلحاء معتزلہ میں سے تھا۔ عربیت اور فقہ میں خصوصی مقام رکھتا تھا۔" [۱]

۱۸۔ ابُوبکر شاشی المعروف بہ قفال (متوفی ۳۶۵ھ) نے بھی مذہب اعتزال کی تائید میں تفسیر لکھی علّامہ سیوطی نے طبقات المفسّرین میں اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"کان امام عصرہ بماوراء النھر فقیھا محدثا مفسرا اصولیا لغویا شاعرا لم یکن للشافعیۃ بماوراء النھر مثلہ فی وقتہ" [۲]

آپ ماوراء النہر میں امام وقت تھے۔ فقیہہ محدّث مفسّر اصولی لغوی اور شاعر تھے۔ یہی وہ قفال کبیر ہیں جن کا ذکر بار بار علم کلام اصول فقہ اور تفسیر میں آتا ہے ایک اور قفال صغیر مروزی ہیں جن کا ذکر صرف کتب فقہ میں آتا ہے۔ حافظ شمس الدین ذہبی فرماتے ہیں کہ ابُوسہل صعلوکی سے علامہ قفال کی تفسیر کے بارے میں پوچھا گیا تو

---

[۱] ۔ الفہرست۔ ص: ۲۵۹، ۵۷

[۲] ۔ طبقات المفسرین۔ ص: ۹۱

Marfat.com

انھوں نے فرمایا" قدسه من وجه و دنسه من وجه یعنی ایک اعتبار سے کتاب پاکیزہ ہے کہ اس میں مسلک شافعی کے مطابق آیاتِ احکام سے مسائل کا استنباط ہے لیکن دوسری وجہ سے یہ کتاب اچھی نہیں کیونکہ اس میں مذہب معتزلہ کی تائید کی گئی ہے۔ علامہ قفال سے روایت کرنے والوں میں امام حاکم، ابو مندہ اور ابُوعبدالرحمٰن سلمی جیسے مشاہیر کے نام آتے ہیں۔ امام فخرالدّین رازی نے اپنی تفسیر میں مسلک معتزلہ کے حوالے اسی کتاب سے لیئے ہیں خود سیوطی نے بھی کتاب اسرارالتنزیل میں بعض امور مناسبہ اسی تفسیر سے نقل کیئے ہیں۔" [۱]

۱۹۔ حسن بن احمد ابوعلی الفارسی (متوفی ۳۷۷ھ) مشہور صرفی اور نحوی ہیں مسلک معتزلہ سے تعلق رکھتے ہیں خطیب بغدادی نے محمّد بن ابی الفوارس کا قول نقل کیا ہے کہ ابوعلی فارسی مسلک اعتزال کے ساتھ متہم ہیں۔" [۲]

ابوعلی فارسی نے خود اعتراف کیا ہے کہ میں نے ابوعلی جبائی کے تتبع میں تفسیر کے ایک سو ورق لکھے ہیں۔ نیز آیت وضو کی تفسیر میں مستقل جزء تصنیف کی ہے۔" [۳]

۲۰۔ محمّد بن عبداللہ بن جعفر بن محمّد المعروف بہ ابن صبر ابُوبکر حنفی (متوفی ۳۸۰ھ) مشہُور حنفی فقیہ تھے۔ لیکن مسلکاً معتزلی تھے۔ اُنھوں نے عمدۃ الادلۃ کے علاوہ ایک نامکمل تفسیر بھی لکھی ہے۔" [۴]

۲۱۔ ابوالحسن علی بن عیسیٰ رمانی (متوفی ۳۸۴ھ) نے بھی قرآن مجید کی تفسیر لکھی یہ مسلکاً شیعی معتزلی تھے۔ تقریباً سو کتابیں تصنیف کی ہیں۔ اس نے علوم عربیت ابن درید، زجاج اور ابن سراج سے حاصل کیے تھے۔

۱۔ طبقات المفسرین۔ ص: ۹۲

۲۔ تاریخ بغداد۔ ص: ۲۷۶، ج: ۷

۳۔ منہج الزمخشری فی تفسیر القران

۴۔ طبقات المفسرین۔ ص: ۸۸

Marfat.com

۲۲۔ اسماعیل بن عباد (متوفی ۳۸۵ھ) نے بھی مسلک معتزلہ کی تائید میں تفسیر لکھی اور اس کا نام احکام القرآن رکھا۔

۲۳۔ عبید اللہ بن محمد بن صبر الاسدی المعتزلی (متوفی ۳۸۷ھ) نے بھی تفسیر القرآن میں نامکمل کتاب لکھی اس میں صرف بسم اللہ کی تشریح میں ایک سو بیس وجوہ لکھے ہیں۔

۲۴۔ ابواحمد بن ابی علاف جو معتزلہ کے گیارہویں طبقے سے ہیں۔ انہوں نے بھی قرآن مجید کی تفسیر لکھی۔" ۱؎

۲۵۔ قاضی القضاۃ عبد الجبار ہمدانی (متوفی ۴۱۰ھ) نے قرآن مجید کی ایک تفسیر تنزیہ القرآن عن المطاعن کے نام سے لکھی یہ کتاب مصر سے طبع ہو چکی ہے۔ ہم نے اس کا ایک نسخہ ادارہ تحقیقات اسلامیہ کی لائبریری میں دیکھا تھا۔ اس میں سوال و جواب قائم کر کے آیات کا مفہوم واضح کیا گیا ہے۔ تمام قرآن کی تفسیر مصنف کے پیش نظر نہ تھی۔ اس لئے ہر سورت سے آیات کا انتخاب کر کے تفسیر لکھی گئی ہے۔ علامہ عبد العظیم زرقانی لکھتے ہیں کہ مصنف کے مذہبی تعصب کے باوجود یہ کتاب بہت سے فوائد اور ملاحدہ کے رد پر مشتمل ہے۔" ۲؎

۲۶۔ محمد بن عبد اللہ اسکافی (متوفی ۴۲۰ھ) نے درۃ التنزیل و غرۃ التاویل کے نام سے قرآن پاک تفسیر لکھی اس کا تذکرہ علامہ یاقوت حموی نے معجم الادباء کی اٹھارہویں جلد میں کیا ہے۔ مصطفے اجوینی لکھتے ہیں کہ اس تفسیر میں زیادہ تر آیات متشابہات سے بحث کی گئی ہے۔

۲۷۔ علی بن حسین شریف المرتضے (متوفی ۴۳۶ھ) نے سورۃ فاتحہ اور دیگر آیات مشکلہ کی تفسیر غرر الفوائد و درر القلائد کے نام سے کی ہے جو امالی المرتضیٰ کے نام سے

۱؎۔ منہج الزمخشری۔ ص: ۴۷
۲؎۔ مناھل العرفان۔ ص: ۵۴۲، ج: ۱

Marfat.com

مشہور ہے اور یہ کتاب مصر سے دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ مصنف نے اس میں زیادہ تر ادبی پہلو سے بحث کی ہے۔ لیکن ساتھ معتزلہ کے مسلک کے مطابق آیات کی تشریح کی ہے اس لئے معتزلہ اسے اپنے ہاں ایک مستقل تفسیر کا درجہ دیتے ہیں شریف مرتضیٰ اپنے بھائی شریف رضی کی طرح شیعی معتزلی تھا۔ اس نے شیخ مفید محمد بن نعمان الشیعی اور شیخ ابو عبداللہ مرزبانی معتزلی سے علم حاصل کیا اور عقائد میں دونوں کا اثر قبول کیا۔ ثعالبی کا بیان ہے کہ اس کی وفات کے بعد اس کی کتابوں کی اسی ہزار جلدیں مرتب ہوئیں اس کی کتابوں میں ابطال القیاس، الانتصار فی الفقہ، تنزیہ الانبیاء اور امالی بہت مشہور ہیں۔"[۱]

۲۸- ابوالحسن علی بن محمد البصری الماوردی مسلکاً شافعی تھے لیکن انھوں نے مسئلہ تقدیر میں معتزلہ کا مسلک اختیار کیا انھوں نے اپنی کتاب اعلام النبوۃ میں عدل و توحید سے متعلق معتزلانہ رنگ میں کلام کیا ہے۔"[۲]

وہ تفسیر کے علاوہ فقہ اور قانون میں بڑی مہارت رکھتے تھے ان کی کتاب الاحکام السلطانیہ احکام وقف میں بڑی شہرت رکھتی ہے۔ انھوں نے قرآن مجید کی تفسیر النکت والعیون کے نام سے لکھی ان کی تفسیر کے بارے میں مشہور محدث حافظ ابن اصلاح کی رائے یہ ہے"یہ تفسیر بڑی خطرناک ہے۔ اس میں مسلک اعتزال کو خفیہ طور پر سمونے کی کوشش کی گئی ہے غور و فکر کے بغیر مصنف کی معتزلانہ چال سمجھ نہیں آتی۔"[۳]

ماوردی ۴۵۰ھ میں فوت ہوئے اور بصرہ میں دفن ہوئے۔

۲۹- ابومسلم محمد بن علی اصفہانی (متوفی ۴۵۹ھ) مشہور مفسر، نحوی اور لغوی ہیں۔ مذہباً غالی معتزلی تھے انھوں نے چوبیس ۲۴ جلدوں میں قرآن پاک تفسیر لکھی ابومسلم اصفہانی

---

[۱] مقدمہ امالی المرتضیٰ۔ ص: ۶، ۷

[۲] طبقات المفسرین۔ ص: ۷۱

[۳] طبقات الشافعیہ للسبکی۔ ص: ۳۰۴، ج: ۳

Marfat.com

شیخ ابوبکر بن مقری سے سب سے آخر میں روایت کرنے والے ہیں۔ ان سے اسمٰعیل بن علی اصفہانی نے روایات لی ہیں۔" [1]

۳۰۔ ابو یوسف عبدالسلام بن محمد قزوینی (متوفی ۴۸۸ھ) شیخ معتزلہ کہلاتے ہیں ان کی تفسیر کے متعلق علامہ سمعانی کی رائے یہ ہے" - جمع التفسير الكبير الذى لم ير في التفسير اكبر منه ولا اجمع للفوائد لولا انه مزجه بكلام المعتزله وبث فيه معتقده وهو في ثلاث مائة مجلد منها سبع مجلدات في الفاتحه۔" [2]

انھوں نے بہت بڑی تفسیر مرتب کی اس سے بڑی ضخیم تفسیر نہیں دیکھی گئی اس میں بہت سے فوائد کو جمع کیا گیا ہے مگر (افسوس) کہ مصنف نے تفسیر میں معتزلہ کا کلام مخلوط کر دیا۔ اور اپنے عقیدے کو پھیلانے کے لئے کوشش کی یہ تفسیر تین سو جلدوں میں ہے۔ سات جلدیں صرف سورۂ فاتحہ میں ہیں۔

ابن نجار نے کہا کہ قزوینی صرف تفسیر میں محقق تھا۔ اس نے پانچ سو جلدوں میں تفسیر لکھی ہے اور بہت سے فوائد جمع کئے ہیں صرف آیت سحر (واتبعوا ما تتلوا الشيطان على ملك سليمان [3]) کی تفسیر میں مستقل جلد لکھی ہے۔

۳۱۔ ان سب کے بعد علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر زمخشری نے الكشاف عن حقائق التنزيل وعيون الاقاويل في وجوه التاويل تصنیف کی جو معتزلہ کے تمام تفسیری سرمائے کی جامع ہے۔ معتزلہ کا ایسا عظیم علمی شاہکار ہے جو معتزلہ کے تمام تفسیری شاہپاروں کے مٹ جانے کے باوجود بھی سب کی تلافی کرنے کے لئے کافی ہے۔ زمخشری چونکہ تفسیر عقلی و استدلالی کا امام ہے اور اس کی تفسیر منہاج عقلی میں ایک

---

[1] - طبقات المفسرين - ص: ۸۵

[2] - طبقات المفسرين - ص: ۵۶

[3] - سورة البقره - آيت: ۱۰۲

Marfat.com

معیاری اور مثالی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر مفصل
تبصرہ کیا جائے اور اس کے منہج عقلی و استدلالی کے مختلف پہلو واضح کئے جائیں۔

علامہ جار اللہ زمخشری اور تفسیر کشاف

کشاف کے مصنف ابو القاسم محمود بن عمر بن محمد بن عمر ۴۶۷ھ خوارزم کے قصبہ
زمخشر میں پیدا ہوئے اس نسبت مکانی کی وجہ سے آپ زمخشری لقب سے موسوم
ہو گئے۔ زمخشری نے طلب علم کے لئے خوارزم کے علاوہ مصر، خراسان اور بغداد کا سفر
اختیار کیا پھر مکہ معظمہ میں بیت اللہ کے مجاور بنے اس لئے آپ کا لقب جار اللہ ہو گیا
زمخشری عقائد میں معتزلی اور فروعات میں حنفی تھے اخیر وقت تک معتزلی رہے۔ البتہ
علامہ اکمل الدین نے کشاف کی شرح میں لکھا ہے کہ زمخشری نے اخیر عمر میں اپنے ناپسندیدہ
عقائد سے توبہ کر لی تھی اور بعد میں ایک کتاب نصائح الکبار و نصائح الصغار لکھی۔
طبقات المفسرین کے حاشیے میں بھی ایک روایت ہے کہ اس نے اخیر عمر میں معتزلی
نظریات سے رجوع کر لیا تھا اور توبہ کر لی۔ لیکن اس بات کے لئے کوئی ٹھوس ثبوت
نہیں محض ایک قیاس اور تخمینہ ہے جہاں تک اس کے معتزلانہ نظریات کا تعلق ہے
اس کی کتابیں ان سے بھری پڑی ہیں۔ اس کے تمام معاصرین اس کے اعتزال کے
شاہد ہیں۔ لہٰذا یونہی معمولی سے احتمال کی بنا پر تبدیلئ مسلک کا قول نہیں کیا جا سکتا
اس کے معاصرین اور تلامذہ میں سے کسی نے یہ بات نہیں کہی کہ اس نے اعتزال کو چھوڑ
کر تسنن اختیار کر لیا تھا۔ اگر واقعتاً ایسا ہوتا تو تمام ترجمہ نگار، تذکرہ نویس اور مؤرخ
اسے اہمیت سے ذکر کرتے۔ ہاں یہ بات درست ہے کہ اس نے اپنے مسلک میں
مجتہد کی حیثیت حاصل کر لی تھی کئی مسائل میں اس نے جمہور معتزلہ سے اختلاف کیا
کیا ہے لیکن اس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ اس نے اعتزال کو چھوڑ دیا۔ اسی طبقات المفسرین

Marfat.com

میں جہاں ایک چھوٹی سی روایت اس کے رجوع کرنے کی ہے اس روایت سے پہلے زمخشری کا یہ قول موجود ہے کہ وہ بیت اللہ شریف کے دروازے کی کنڈی کو زور سے پکڑ کر اعلان کرتا تھا: "انا الشویخ المعتزلی من یبرز لی من یبرزلی" میں گروہ معتزلہ کا چھوٹا سا شیخ ہوں کوئی ہے جو میرے مقابلے کو نکلے کوئی ہے جو میرا چیلنج قبول کرے۔؟

جس شخص کی پوری زندگی مسلک معتزلہ کی ترویج و اشاعت میں گزری ہو بڑھاپے کے باوجود بیت اللہ شریف کے حلقے کو ہاتھ میں لیکر دعوت مبارزت دیتا ہو اس کے متعلق کسی ٹھوس ثبوت کے بغیر یہ بات کیسے کہی جا سکتی ہے کہ اس نے اپنا مسلک چھوڑ کر اہل سنت کا مسلک اختیار کر لیا تھا جس کے خلاف اس نے ساری زندگی جنگ کی۔ ہاں البتہ دلوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ چاہے تو بڑے سے بڑے کافر کا دل بھی اسلام کے لئے موم کر دے۔

زمخشری کی تصانیف

زمخشری نے تفسیر کشاف کے علاوہ الفائق فی غریب الحدیث، اساس البلاغة، ربیع الابرار و نصوص الاخیار، المنهاج فی الاصول، المفصل فی النحو الاحاجی النحویه وغیرہ تالیف کیں۔ آخر ۵۳۸ھ میں وفات پائی زمخشری کے تعارف سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔[1]

---

[1] معجم المؤلفین۔ ص:۱۸۶، ج:۱۲، وفیات الاعیان ابن خلکان۔ ص ۱۰۷ ج:۲ معجم الادباء یاقوت حموی۔ ص:۱۲۶، ج:۱۹، سیر النبلاء ذہبی۔ ص:۱۷۹، ج:۱۲، طبقات المفسرین سیوطی۔ ص:۴۱، الکامل ابن اثیر۔ ص:۹۷، ج:۱۱، البدایه والنهایه ابن کثیر۔ ص:۲۱۹، ج:۱۲، شذرات الذهب۔ ص:۱۱۸، ج:۴ مفتاح السعادة طاش کبری زاده۔ ص:۴۲۹، ج:۱، المنتظم ابن جوزی: ص:۱۱۲، ج:۱۰ ابن قطلوبغا تاج التراجم۔ ص:۵۳۔ وغیرہ

Marfat.com

وجہ تالیفِ تفسیر و تاریخ تفسیر

زمخشری نے ساٹھ سال کی عُمر میں مکہ معظمہ میں قیام کے دوران ۵۲۶ھ میں تفسیر کشاف لکھنا شروع کی اور صرف دو سال کے مختصر عرصے میں اس عظیم علمی شاہکار کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔" ۱ے

مصنّف نے تفسیر کے مقدمہ میں سببِ تالیف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ معتزلہ کا اصرار تھا کہ مسلک معتزلہ کی روشنی میں قرآن پاک کی جامع تفسیر لکھی جائے پہلے تو مصنّف نے اپنی پیرانہ سالی اور ضعفِ قویٰ نیز لوگوں کی علمی بے ذوقی کی بنا پر معذرت کی لیکن احباب کا تقاضا روز بروز زور پکڑتا گیا۔ مجبوراً زمخشری کو احباب کے تقاضے اور امیر مکہ کے حکم کے آگے سپر انداز ہونا پڑا۔ مصنّف نے پہلے سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کے بلاغی حقائق پر مبسوط علمی رسالہ لکھا جسے اداشناس لوگوں نے بہت پسند کیا اور اصرار کیا کہ اسی فصاحت و بلاغت کے رنگ میں پُورے قرآن مجید کی تفسیر لکھی جائے مصنّف جب دُوسری بار خوارزم سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے تو راستہ میں ملنے والے لوگوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ قرآن پاک کی تفسیر لکھیں حاکم مکہ امیر علی بن حمزہ نے بھی بہت اصرار کیا۔ آخر ان تقاضوں کے پیشِ نظر مصنّف نے تفسیر لکھنا شروع کی لیکن اختصار کو پیشِ نظر رکھا۔ کیونکہ اُنھیں اپنی پیرانہ سالی کی بنا پر اندیشہ تھا کہ کہیں تفسیر مکمل کرنے سے پہلے موت کا فرشتہ نہ آپہنچے اسی عجلت کی بنا پر صرف دو سال میں مصنّف نے یہ تفسیر مکمل کی اور اس کا نام "الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل" رکھا ۲ے

۱ے۔ مقدمہ تفسیر کشاف :

۲ے۔ مقدمہ تفسیر کشاف :

Marfat.com

زمخشری نے مسلک اعتزال کی تائید کو ہر جگہ پیش نظر رکھا کیونکہ علمائے معتزلہ کا مطالبہ یہی تھا کہ تفسیر ایسی ہو کہ جس میں ان کے (نام نہاد) مسلک حقہ کو ثابت کیا گیا ہو۔ زمخشری اپنی اس تفسیر کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہے۔

• ان التفاسیر فی الدنیا بلا عدد۔ ولیس منها لعمری مثل کشاف

• ان کنت تبغی الهدیٰ فالزم قراءته۔ فالجهل کالداء والکشاف کالشافی"

تفسیریں دنیا میں بے حد وحساب ہیں لیکن مجھے زندگی کی قسم ان میں کشاف جیسی کوئی نہیں۔ اگر تو ہدایت چاہتا ہے تو اس کی قرأت کو لازم رکھ جہالت بیماری کی طرح ہے اور کشاف اس کے لئے شفا بخشنے والی ہے۔

کشاف کے ماخذ و مراجع

یہ کتاب عظیم علمی شاہکار ہے اس میں آثار و روایات کے ساتھ ساتھ فقہی اور کلامی مسائل پر بھی مفید بحثیں پائی جاتی ہیں۔ مختلف قراءات اور وجوہ اعراب کی تفصیل، لغوی اور اشتقاقی مسائل، اہل زبان کے محاورات اور استشہاد اشعار کا ذخیرہ، بہت سے بلاغی نکات غرضیکہ بے شمار قیمتی اور علمی مباحث کو اس میں سمو دیا گیا ہے۔ زمخشری نے ان مباحث کے لئے بہت سے علمی مصادر کی طرف رجوع کیا ہے۔ علامہ مصطفیٰ صاوی جوینی نے اپنی کتاب منہج الزمخشری فی تفسیر القرآن میں ان مصادر و مراجع کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے درج ذیل تفصیل وہیں سے ماخوذ ہے۔

۱۔ تفسیر مجاہد بن جبر مکی (متوفی ۱۰۴ھ) ۲۔ تفسیر عمرو بن عبید معتزلی (متوفی ۱۴۴ھ) زمخشری نے عمرو بن عبید کی تفسیر سے قراءات کی تفصیل اور تفسیری اقوال

Marfat.com

لئے ہیں لیکن عام تذکرہ نگاروں نے عمرو بن عبید کی تفسیر کا نام نہیں لیا۔ ۳۔ تفسیر ابُو بکر بن اصم معتزلی۔ یہ ابُو ہذیل علاف کا معاصر تھا۔ زمخشری اس سے تفسیری روایات لیتا ہے کہیں کہیں اس پر تنقید بھی کرتا ہے۔ ۴۔ تفسیر زجاج ابُو اسحٰق زجاج (متوفی ۳۱۱ھ) کی تفسیر سے زمخشری نے لغوی تشریح کے علاوہ تفسیری روایات بھی لی ہیں مُصطفےٰ اجوینی نے معانی القُرآن زجاج کے مخطوطہ کی مدد سے ثابت کیا ہے کہ بہت سے مفرداتِ لغوی کی تشریح میں زمخشری نے زجاج پر اعتماد کیا ہے۔ ۵۔ تفسیر رُمانی مشہور معتزلی عالم رمانی (متوفی ۳۸۴ھ) کی تفسیر کبیر سے بھی زمخشری نے کافی استفادہ کیا ہے مُصطفےٰ اجوینی نے سُورۂ فاتحہ کی تفسیر میں رمانی اور زمخشری کی تفسیر کا مقابلہ کر کے ثابت کیا ہے کہ کہیں تو بعینہٖ زمخشری نے تفسیر رمانی کی عبارت نقل کر دی ہے اور کہیں الفاظ میں معمُولی سا ردّ و بدل کر دیا ہے لیکن مآخذ کا نام نہیں لیا۔ ۶۔ تفاسیر علویین۔ زمخشری نے اپنی تفسیر میں آئمہ اہل بیت اطہار بالخصوص حضرت علی المرتضےٰ، حضرت امام حسن، حضرت امام حسین۔ امام محمّد باقر۔ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بکثرت تفسیری روایات اپنی کتاب میں درج کی ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو مصنّف کا طبعی رجحان اور آئمہ اہل بیت اطہار سے اس کی عقیدت ہے دُوسری وجہ یہ کہ زمخشری کے دَور میں حاکم مکّہ علی بن حمزہ حسنی سیّد تھا۔ اس کی تالیف قلب کے لئے بھی معتزلی نے علوی خاندان کی روایات کو زیادہ اہمیّت دی ہے۔ ۷۔ تفسیر فرقِ مخالفین۔ زمخشری نے معتزلہ کے مخالفین اہل سنّت مشبہ۔ جبریہ، خوارج، روافض اور متصوفہ کی تفاسیر سے بھی اقوال لئے ہیں اور جہاں کہیں ہو سکا رد بھی کیا ہے۔ زمخشری عموماً اپنے مخالفین کے لئے مبتدعہ، بدعیہ اور نوابت کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ ۸۔ احادیث کے سلسلے میں زمخشری کی عمومی عادت یہ ہے کہ وُہ فی الحدیث کہہ کر روایت نقل کر دیتا ہے نہ سند کا نام لیتا ہے نہ کتاب کا۔ صرف ایک جگہ اس نے صحیح مُسلم کا نام لیا ہے"۔ [لہ]

۹۔ اختلاف قرأت کے سلسلے میں زمخشری نے مختلف مصاحف پیش نظر رکھے ہیں چنانچہ

لہ۔ تفسیر کشاف۔ ص: ۴۷، ج: ۱

Marfat.com

اس کی تفسیر میں مصحف الامام کے علاوہ حسب ذیل مصاحف کے حوالے بھی ملتے ہیں مصحف عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، مصحف حارث بن سوید، مصحف ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ۔ مصاحف اہل شام و حجاز اور کچھ ایسے مصاحف بھی ہیں جنھیں صراحت کئے بغیر فی بعض المصاحف کے عنوان سے ذکر کیا ہے"۔ لہ

۱۰۔ لغت و نحو کے سلسلے میں حسب ذیل کتب سے مدد لی ہے۔ کتاب سیبویہ، اصلاح المنطق لابن السکیت (متوفی ۲۴۴ھ) الکامل للمبرد (متوفی ۲۸۵ھ) کتاب الحجۃ لابی علی الفارسی (متوفی ۳۷۷ھ) کتاب الحلبیات لابی علی الفارسی، کتاب التمام لابن جنی (متوفی ۳۹۲ھ) کتاب المحتسب لابن جنی، کتاب الاقلید (کشاف میں اس کا اکثر ذکر آیا ہے"۔ ؎

لیکن مصنف کا نام معلوم نہیں ہو سکا) کتاب البیان لابی الفتح الھمدانی وغیرہ۔ ۱۱۔ ادبی اور شعری مآخذ کے سلسلے میں زمخشری نے الحیوان للجاحظ، الحماسہ لابی تمام، کتاب استغفر و استغفری لابی العلاء المعری وغیرہ کے علاوہ اپنی کتابوں سے بھی مواد لیا ہے۔ مثلاً نوابغ الکلم، شفاء العی من کلام الشافعی اور النصائح الصغار وغیرہ۔ ۱۲۔ زمخشری نے متصوفین سے شدید مخالفت کے باوجود وعظ و ارشاد اور اصلاح اخلاق کے سلسلے میں بعض صوفیائے کرام مثلاً شہر بن حوشب رابعہ عدویہ طاؤس اور مالک بن دینار کے اقوال بھی اپنی تفسیر میں جمع کئے ہیں۔

زمخشری کا انداز تفسیر اور کشاف کی تفسیری خصوصیات

۱۔ زمخشری اپنی تفسیر میں مختلف حیثیتوں کے ساتھ نظر آتا ہے۔ وہ مفکر و مبلغ اعتزال بھی ہے اثر و روایتی مفسر بھی، لغوی و نحوی عالم بھی ہے اور فقیہہ و ادیب بھی۔ علوم

لہ۔ تفسیر کشاف۔ ص: ۴۲۲، ج:۱ و ص: ۴۰۹ و ص: ۵۱۰ وغیرہ

؎۔ کشاف۔ ص: ۲۱۷، ج:۱ تا ص ۵۱۸، ج:۲

بلاغت کا امام بھی ہے اور عربی ادب کا ماہر بھی۔ لیکن اس کی شخصیت پر اس کے معتزلی ہونے کا رنگ غالب ہے۔ دوسرے علماء معتزلہ کی طرح زمخشری بھی اپنی تفسیر میں عقلی پہلو کو ہمیشہ ترجیح دیتا ہے۔ وہ عقل پر تمام احکام شرعیہ کا مدار سمجھتا ہے۔ نصوص قرآنی میں کوئی بات اس کے مسلک کے خلاف آجائے تو اپنی ذہانت سے تاویل کر دیتا ہے۔ مثال کے طور پر

"وماكنا معذبين حتى نبعث رسولا۔" [1]

(ہم لوگوں کو عذاب دینے والے نہیں جب تک پہلے رسول نہ بھیج لیں) کو لیجئے اس سے مسلک معتزلہ کی نفی ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک احکام شرعیہ کا مدار صرف عقل پر ہے۔ بعثت رسل یا نزول کتب پر نہیں۔ زمخشری نے یہاں سوال وجواب قائم کر کے جو تاویل کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بعثت رسل کے بغیر بھی ان پر حجت قائم ہو سکتی ہے اس لئے عذاب کا استحقاق عقلی دلائل سے انحراف پر مبنی ہے شرائع اور نقلی دلائل پر نہیں ؟۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بعثت رسل دلائل عقلیہ پر متنبہ اور متوجہ کرنے کیلئے ہے تاکہ ارسال رسل کے ذریعے لوگ خواب غفلت سے بیدار ہوں اور دلائل عقلیہ پر غور کریں۔" [2]

۲۔ زمخشری نے جہاں عقل کی اہمیت پر زور دیا ہے وہاں عملی طور پر تدبر فی القرآن کے لئے عقلی موشگافیوں سے بھی کام لیا ہے وہ اپنے تفکر و تدبر سے پیچیدہ مناقشوں کو بڑے سلجھے ہوئے انداز میں (مسلک اعتزال کی روشنی) میں حل کر دیتا ہے چنانچہ سورہ بقرہ کی تفسیر کرتے ہوئے آیہ کریمہ "اولئك الذين اشتروا الضلالة بالهدى۔" [3]

پر کلام کرتے ہوئے لکھتا ہے: فان قلت كيف اشتروا الضلالة

---

[1] سورۃ بنی اسرائیل۔ آیت : ۱۵، پارہ ۱۵:

[2] تفسیر کشاف۔ ص : ۲۰، ج : ۱

[3] سورۃ البقرہ۔ آیت : ۱۶

Marfat.com

بالهدى وما كانوا على هدىً قلت جعلوا التمكنهم منه واعراضهم له كانه فى ايديهم فاذا تركوه الى الضلالة فقد عطلوه واستبدلوه بها ولان الدين القيم هو فطرة الله التى فطر الناس عليها فكل من ضل فهو مستبدل خلاف الفطرة ۔[1]

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اُنھوں نے کس طرح گمراہی کو ہدایت کے بدلے میں خریدا حالانکہ وہ شرُوع سے ہدایت پر نہ تھے (پھر ہدایت دے کر گمراہی خریدنے کا کیا مفہوم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا ہدایت پر قادر ہونے کے باوجُود اس سے اعراض کر لینا گویا ہاتھ میں آئی ہوئی چیز کو کھو دینے کے مترادف ہے نیز دین قیّم وُہ دین فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ لہٰذا یُوں سمجھنا چاہیئے کہ گمُراہ ہونے والا شخص اپنی فطرت کو تبدیل کر دیتا ہے اور فطری ہدایت کے عوض کسبی گمُراہی خریدتا ہے۔"

اِسی طرح آیۃ کریمہ" **ویقتلون النبیین بغیرالحق**"[2] کی تفسیر میں علمی مناقشہ کر کے اِس کا عمدہ جواب پیش کرتا ہے۔ چُنانچہ لکھتا ہے"کہ انبیاء کرام کا قتل ہمیشہ ناحق ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں پر بغیر الحق کی قید لگانے کا کیا فائدہ ؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ جن لوگوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کیا وہ دلی طور پر سمجھتے تھے کہ ناحق قتل کر رہے ہیں اس لئے کہ انبیاء کرام کسی کو قتل نہیں کرتے تھے کہ قصاص میں اُنھیں قتل کیا جائے وہ صرف لوگوں کے خیر خواہ ہوتے ہیں اور اُنھیں نفع بخش کاموں کی دعوت دیتے ہیں۔ لہٰذا اُنھیں قتل کرنے والے اگر انصاف سے کام لیں تو خُود تسلیم کریں گے کہ یہ قتل ناحق ہے۔ ان کے پاس کوئی وجہ نہیں جسے بطورِ جواز پیش کر سکیں اس لئے

---

[1] ۔ تفسیر کشاف ۔ ج : ۱، ص : ۷۰

[2] ۔ سُورۃ البقرہ ۔ آیت : ۶۱

Marfat.com

بغیر الحق فرمایا گیا۔ [1]

۲۔ جہاں کہیں آیات قرآنی میں بظاہر تعارض نظر آتے اور ملحدین قرآن کی صداقت پر شبہ کرنے لگیں تو زمخشری بڑے عمدہ انداز سے آیات میں تطبیق دے کر ملحدین کے اعتراض کو رفع کر دیتا ہے۔ مثال کے طور پر سورۂ آل عمران میں مذکور ہے۔ **فئة تقاتل فی سبیل اللہ واخریٰ کافرۃ یرونہم مثلیہم رأی العین**[2]

"دو جماعتیں لڑتی ہیں ایک اللہ کی راہ میں جہاد کرتی ہے دوسری کافروں کی جماعت ہے اسے مسلمان (بادی النظر) میں اپنے سے دو گنا نظر آتے ہیں۔ یہ واقعہ غزوۂ بدر کا ہے کہ مشرکین مسلمانوں کو اپنے سے دو گنا دیکھ رہے تھے۔ حالانکہ کافروں کی طاقت مسلمانوں سے سہ چند تھی۔ دوسری جگہ سورۂ انفال میں ارشاد ہوتا ہے۔" **ویقللکم فی اعینہم**"[3]

"اللہ تعالیٰ تمھیں کم کر کے دکھاتا تھا۔ کافروں کی آنکھوں میں۔" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان کافروں کو تھوڑے نظر آ رہے تھے۔ دونوں آیتوں کا تعلق غزوۂ بدر سے ہے لیکن مفہوم میں تضاد ہے۔ زمخشری اس اعتراض کے جواب میں لکھتا ہے۔" میں کہتا ہوں کہ مسلمان کافروں کو تھوڑے دکھائے گئے یہاں تک کہ کافر جرأت کر کے آ گئے جب آمنا سامنا ہوا تو اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو زیادہ کر کے دکھایا۔ یہاں تک کہ کفار مغلوب ہو گئے۔ لہٰذا یہ قلت و کثرت مختلف حالات کے اعتبار سے ہے اس کی مثال سورۂ رحمٰن کی آیۃ کریمہ ہے جس میں ارشاد ہوتا ہے۔" اس دن انسانوں اور جنوں سے ان کے گناہوں کے بارے میں سوال نہ کیا جائے گا۔" جب کہ دوسری جگہ سورۂ صافات میں ارشاد ہوتا ہے۔" انھیں ٹھہراؤ ان سے سوال ہونے والا ہے۔" (یہاں بھی میدانِ محشر کے دو مختلف حالات مراد ہیں) اسی طرح اللہ تعالےٰ نے ایک بار مسلمانوں کو کم کر کے دکھایا اور دوسری بار زیادہ کر کے دکھایا تاکہ قدرت خداوندی

---

[1] تفسیر کشاف۔ ج: ۱، ص: ۱۴۶

[2] آل عمران۔ آیت: ۱۳

[3] الانفال۔ آیت ۴۴

Marfat.com

کا اظہار ہو جائے"۔ [1]

۴۔ زمخشری کہیں کہیں اپنی عقل کی محدودیت کا اعتراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور حکمتِ الٰہیہ پر ایمان لانے کی ترغیب دیتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جن آیات میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو چھ دنوں میں بنایا اس پر کلام کرتے ہوئے علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ چھ دنوں کی تخصیص کسی حکمت پر مبنی ہے چاہے وہ حکمت ہمیں معلوم نہ ہو اس کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنّم پر انیس فرشتوں کو مقرر فرمایا ہے عرش کو اُٹھانے کے لیے آٹھ فرشتے مقرر کیے ہیں۔ سال کے بارہ مہینے بنائے ہیں زمین و آسمان سات سات طبق بنائے ہیں۔ نمازیں پانچ فرض کی ہیں زکوٰۃ کے لیے خصوصی نصاب مقرر کیے ہیں۔ حدُود و کفارات میں بھی خاص عدد معین کیے ہیں۔ ہم ان کی حکمت کو نہیں جانتے لیکن اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ سب اعداد کسی حکمت کی بنا پر مقرر کیے ہیں۔ ایمان اِسی اقرار و اعتراف کا نام ہے"۔ [2]

۵۔ زمخشری تفسیر آیات میں کہیں کہیں تعصّب اور تنگ نظری کا اظہار بھی کرتا ہے۔ وہ حق کو اپنے معتزلانہ مسلک میں بند سمجھتا ہے چُنانچہ آیت کریمہ "ان الدين عند الله الاسلام"۔ [3] "بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ دین صرف اسلام ہے"۔ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ان الدين عند الله الاسلام جُملہ مستانفہ ہے اور پہلے جُملے کی تاکید کرتا ہے۔ اگر تُم یہ سوال کرو کہ یہاں تاکید کا کیا فائدہ ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ارشادِ خداوندی لا اله الا هو میں توحید پائی جاتی ہے قائماً بالقسط میں عدل پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہُوا کہ دین صرف اسلام ہے تو اس سے یہ اعلان ہو گیا کہ اصل دین توحید و عدل (اصول معتزلہ) ہے۔ اس کے ماسوا کوئی چیز دین نہیں"۔ [4]

---

[1] تفسیر کشاف۔ ج: ۱، ص: ۳۲۱

[2] تفسیر کشاف۔ ج: ۳، ص: ۲۸۸

[3] آل عمران۔ آیت، ۱۹

[4] تفسیر کشاف۔ ج: ۱، ص: ۳۳۸۔ مطبوعہ اشرفیہ مصر

Marfat.com

۶۔ زمخشری نے تفسیر قرآن پاک میں اعتزال کو تقویت پہنچانے کے لیے یہ طریق کار استعمال کیا ہے کہ اپنے مسلک کے خلاف آیت کو متشابہ قرار دیتا ہے چاہے وہ محکم کیوں نہ ہو اپنے مذہب کے موافق آیت کو محکم قرار دیتا ہے چاہے وہ متشابہ کیوں نہ ہو۔ اس طرح مسلک اہلسنّت کی مؤید آیات کو متشابہ کہہ کر ناقابل استدلال قرار دیتا ہے اور مسلک معتزلہ کے موافق آیات کو محکم قرار دے کر اپنا استدلال قائم کرتا ہے۔ سورۂ آل عمران میں آیات کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ محکم اور متشابہ۔ زمخشری نے محکم و متشابہ کی مثالیں دیتے ہوئے لکھا ہے کہ سورۂ انعام کی آیت **لاتدركه الابصار**" [1] (لوگوں کی نگاہیں اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کرسکتیں) محکم ہے۔ اس کے مقابلے میں سورۂ غاشیہ کی آیت **وجوهٌ يومئذ ناضرة الى ربها ناظرة** " (کئی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کا دیدار کرنے والے ہوں گے) متشابہ ہے۔ اسی طرح "**لايامر بالفحشاء**" محکم ہے اور "**امرنا مترفيها ففسقوا فيها**" متشابہ ہے۔" [2]

سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے۔ "**ويمدهم فى طغيانهم يعمهون**" اللہ تعالیٰ کافروں کو سرکشی میں ڈھیل دیتا ہے وہ سرگرداں پھریں"۔ یہ آیت چونکہ مسلک معتزلہ کے منافی ہے کہ کسی کی سرکشی میں ڈھیل دینا قبیح کام ہے اس کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں ہوسکتا اس لیے زمخشری نے یہاں پر تاویلات سے کام لیا ہے" [3]

ا۔ یہاں پر سرکشی میں ڈھیل دینے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنا خصوصی لطف وکرم روک لیا ہے جو مومن بندوں کو ان کے ایمان کے سبب حاصل ہے پس یہی لطف وکرم روکنا گویا سرکشی میں مدد دینا ہے۔

ب۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں کفر اختیاری پر باقی رہنے دیا جبر و اکراہ کے ساتھ ایمان

---

[1] ۔ سورۂ الانعام ۔ آیت : ۱۰۳

[2] ۔ تفسیر کشاف ۔ ج : ۱، ص : ۳۳۸

[3] ۔ تفسیر کشاف ۔ ج : ۱، ص : ۶۸

Marfat.com

کی طرف نہیں بلایا۔ پس یہ جبر نہ کرنا اور زبردستی ایمان کی طرف مائل نہ کرنا گویا سرکشی میں مدد دینا ہے۔

ج۔ منافقوں کو سرکشی میں کھینچنا شیاطین کا کام ہے لیکن چونکہ شیاطین کو یہ طاقت اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہے اس لیے اس فعل کو یہاں پر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا اور ایک دوسری آیت میں شیاطین کی طرف منسوب کیا گیا۔

زمخشری اس قسم کی تاویلات فاسدہ کے ذریعے مذہب معتزلہ کو سہارا دیتا ہے اور بہ تکلف تنزیلِ رحمانی کو اپنے خود ساختہ مفہوم پر منطبق کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

۔ زمخشری دوسرے معتزلہ کی طرح کرامات اولیاء کرام کا منکر ہے وہ اپنے مسلک پر سورۂ جن کی آخری آیات سے استدلال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر ہر کسی کو اظہار نہیں بخشتا سوائے اپنے پسندیدہ رسول کے۔ زمخشری کہتا ہے چونکہ اولیاء رسل نہیں اس لیے انھیں غیب پر اطلاع نہیں ہو سکتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کرامت صرف اطلاع علی الغیب کا نام نہیں بلکہ وہ تمام خوارق عادات امورِ کرامت کہلاتے ہیں جو متبع سنت ولی کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوں اس لیے صرف اظہار علی الغیب کو انبیاء کرام میں محصور کر دینے سے کرامات اولیاء کی نفی نہیں ہوتی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں پر اظہار علی الغیب سے مراد وہ علم غیب عطائی ہے جس میں قطعیت اور یقین پایا جائے اس غیب کو رسول تک پہنچانے کے لیے اللہ تعالیٰ محافظ فرشتوں کے دستے مقرر فرماتا ہے جو بحفاظت تمام اسے اللہ کے رسول تک پہنچاتے ہیں۔ یہ اہتمام رسل کرام کے لیے ہوتا ہے اولیاء کے لیے نہیں ہوتا کیونکہ رسل کرام کی حیثیت شارع دین کی ہے اولیاء کرام کی نہیں لہٰذا اگر اولیاء کا علم ظنی ہو قطعی نہ ہو تو اس سے نظام شریعت میں خلل نہیں پڑتا۔ اگر رسول کا علم ظنی ہو تو نظام شریعت میں خلل واقع ہو سکتا ہے لہٰذا آیت مذکورہ بالا کا مفہوم اولیائے کرام سے کرامات کی نفی نہیں بلکہ رسل کرام کے لیے وحی پہنچانے کے انتظام خاص کو ثابت کرنا ہے جس کے ہوتے ہوئے کوئی شیطانی وسوسہ دخل انداز نہیں ہو سکتا۔

Marfat.com

زمخشری جیسے ماہر فن بلاغت پر افسوس ہے کہ وُہ قُرآن کریم کی آیت کو اس معنی پر چسپاں کرنے کی کوشش کر رہا ہے جو نہ سیاق وسباق سے مناسبت رکھتا ہے نہ متقضائے حال کے موافق ہے۔

۸۔ زمخشری نے اپنے مسلک کے تحفّظ کے لئے ایک اور تدبیر بھی اختیار کی ہے وہ یہ ہے کہ اسے قرآن مجید کے جو حقائق اپنے مسلک کے خلاف نظر آئیں انھیں تمثیل وتخیل کا نام دیتا ہے۔ چنانچہ سورۂ احزاب کے آخر میں جہاں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کیا۔ سب نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور ڈر گئے مگر انسان نے اسے اٹھالیا۔ بے شک انسان ظلوم وجہول ہے۔" چونکہ امانت کو آسمانوں زمینوں پر پیش کرنا اور پھر ان کا ڈر کر انکار کر دینا مسلک معتزلہ کے خلاف ہے اس لئے زمخشری نے کہا کہ یہ ساری بات از قبیل تمثیل وتخیّل ہے۔ سُورۂ حشر کے آخری رکوع میں ہے کہ اگر ہم قرآن کو پہاڑ پر اُتارتے تو تُو دیکھتا کہ پہاڑ عاجز ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاتا اللہ کے ڈر سے۔" عُلمائے اہل سُنّت اسے حقیقت پر محمول کرتے ہیں مگر زمخشری کہتا ہے کہ یہ بھی تمثیل وتخیل ہے۔ علامہ ابن منیر اور دُوسرے اکابر سُنّی علمانے زمخشری پر جابجا گرفت کی ہے کہ وہ آیات قرآنیہ میں تخیّل وتمثیل کا قول کر کے حقائق سے انحراف کرنا چاہتا ہے قُرآن قضایا شعریہ کی طرح نہیں کہ اس میں تخیّل وتمثیل پائی جائے۔ بلکہ یہ وہ روشن حقائق ہیں جو اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل کئے گئے ہیں۔ لہٰذا زمخشری کی تاویل بناء وفاسد علی الفاسد کے سوا کچھ نہیں۔

۹۔ زمخشری اپنی تفسیر میں کتاب وسُنّت کی اہمیّت کو تسلیم کرتا ہے چنانچہ سورۂ نحل کی آیت " **ونزلنا عليك الكتاب تبيانا لكل شئ** " (ہم نے آپ پر کتاب اُتاری جس میں ہر شئے کا واضح بیان ہے) کی تفسیر میں رقم طراز ہے: "اگر تو سوال کرے کہ قرآن مجید ہر شئی کا بیان کیسے ہو سکتا ہے؟ میں کہوں گا اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالےٰ

لہ۔ تفسیر کشاف۔ ج ۲، ص:

Marfat.com

ے دین کی ہر بات کو بیان فرما دیا۔ بعض پر قرآن میں نص قائم فرما دی اور بعض کو سنّت رسُول
اللہ علیہ وسلّم کے ذریعے بیان کر دیا۔ چنانچہ قرآن مجید نے جگہ جگہ رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی
ع اور اطاعت پر زور دیا۔ قرآن میں کہا گیا کہ اللہ کا نبی اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتا۔
س کا نطق وحی الٰہی ہے) اس طرح قرآن نے اجماع کو اپنانے کی ترغیب دی۔ چنانچہ سُورۃ
میں ارشاد فرمایا۔ "جو شخص ہدایت اچھی طرح واضح ہو جانے کے بعد بھی رسُول کی نافرمانی
ے اور مومنوں کی راہ کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار کرے تو ہم اُسے اُسی طرف پھیر دیں
جس کی طرف وُہ خود پھر رہا ہے اور اسے جہنّم میں داخل کریں گے جو بُرا ٹھکانہ ہے۔"
ول پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی اُمّت کے لیے صحابۂ کرام کی اقتدار کو پسند کیا اور صحابہ
پیروی کی ترغیب دی۔ صحابہ کرام کے بارے میں فرمایا کہ میرے صحابہ چمکتے ہُوئے
اروں کی مانند ہیں جس کی اقتدار کرو گے ہدایت پالو گے۔ اس طرح یہ مسئلہ خُوب واضح کر دیا کہ
نت، اجماع اور اجتہاد بھی تبیان کتاب کے ساتھ ملحق ہیں لہٰذا اللہ کی کتاب، سنت رسُول
ٰ اللہ علیہ وسلّم اجماع اور اجتہاد کے ساتھ ہر مسئلے کا حل اور واقعتاً ہر چیز کا بیان ہے"۔ [1]
یہاں پر اصوُلی طور پر زمخشری علمائے اہلِ سُنّت کے قریب دکھائی دیتا ہے وہ دُوسرے
مفسرین کی طرح احادیثِ رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم آثار صحابہ اور اقوال تابعین کو
متند مانتے ہُوئے اپنی تفسیر میں درج کرتا ہے۔ اس نے حضرت علی حضرت ابن عباس
ضرت ابن مسعود اور حضرت ابی بن کعب جیسے جلیل القدر صحابہ کرام رضوان علیہم سے تفسیری
وایات لی ہیں۔ اسی طرح مُجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، سعید بن مسیب، زید بن علی، جعفر صادق
محمّد بن کعب، شعبی، مُحمّد بن سیرین اور ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہم کے تفسیری اقوال سے اس نے
ستدلال کیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تفسیر بالمعقول کے ساتھ ساتھ اس نے
تفسیر بالماثور کو بھی لازم رکھا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ تفسیر کا اصل منہاج عقلی و استدلالی ہے۔

---

[1] ۔ تفسیر کشاف ۔ ج: ۲، ص: ۶۲۸

Marfat.com

اس میں روایات و آثار کو ثانوی حیثیت دی گئی ہے۔

۱۰۔ بنی اسرائیل کے ایسے قصے جو عصمتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے منافی ہو
زمخشری ان کی تردید کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت سُلیمان علیہ السّلام کے بارے میں قصّہ ہے
ان کی وسیع حکومت کا راز اُن کی انگوٹھی میں بند تھا۔ ایک دِن صخر جنی نے وہ انگوٹھی چرا
حضرت سُلیمان علیہ السّلام پُوری سلطنت سے ہاتھ دھو بیٹھے پھر دوبارہ انگوٹھی ملی تو سلط
امارات بحال ہُوئی۔ زمخشری دُوسرے محقّقین کی طرح اس واقعے کی تردید کرتے ہُوئے لک
ہے کہ "علمائے راسخین نے اس واقعے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا وہ کہتے ہیں ک
یہُود کی من گھڑت باتیں ہیں۔ شیاطین کی طاقت نہیں کہ وہ ایسے تصرفات کر سکیں۔"[۱]

اسی طرح اور بہت سے مقامات پر اس نے اسرائیلی روایات پر کڑی تنقید کی
ہماری ناقص رائے کے مطابق زمخشری کا یہ کارنامہ نہایت اہم ہے اس کی اسے داد
ہیں اور اس مؤقف کی تائید کرتے ہیں کیونکہ از رُوئے انصاف زمخشری کی دُوسری معت
خامیوں کے باوجُود یہ کارنامہ نہایت مستحسن ہے۔

۱۱۔ زمخشری نے قرآن مجید کی لغوی اور ادبی تحقیق بڑی عمدہ انداز میں کی ہے۔ زمخ
ان میں معنوی فرق بیان کر کے پڑھنے والے کے دل و دماغ کو وجدانی کیفیت عطا کرتا
مثال کے طور پر سورۃ فاطر میں ارشاد ہوتا ہے۔ **لا یمسنا فیھا نصب ولا
یمسنا فیھا لغوب** "نہ ہمیں جنت میں کوئی تکلیف پہنچے گی نہ وہاں ک
تھکن محسوس ہوگی۔" زمخشری یہاں پر نصب اور لغوب کا لطیف فرق پیش کرتے
ہُوئے لکھتا ہے کہ "نصب اس تھکاوٹ اور مشقت کو کہتے ہیں جو کسی امر ذی شان انج
دینے سے لاحق ہو اور لغوب سے مُراد وہ سُستی اور کوفت ہے جو مشقت سے پیدا ہو
ہے گویا نصب تو مشقت اور تکلیف کو کہتے ہیں اور لُغوب اس سے پیدا شدہ ا

۱۔ کشاف۔ ج ۲، ص: ۲۸۴۔

Marfat.com

ور نتیجے کو کہتے ہیں۔" ؎۱

لفظ مذبذب صیغہ جمع کے ساتھ پانچویں پارے کے آخر میں استعمال ہوا ہے۔

"مذبذبین بین ذٰلک لا الیٰ هٰؤلاء ولا الیٰ هٰؤلاء۔"

شری اس کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے کہتا ہے "مذبذب کی حقیقت یہ ہے کہ وہ شخص ہر دو جانب سے ہٹایا جائے اور کہیں ٹھہرنے نہ پائے جیسا کہ کہتے ہیں کہ اسے چکی کے نوں پاٹ اِدھر اُدھر پھینک رہے ہیں مگر یہ کہ مذبذب میں تکرار پایا جاتا ہے جو اس کے ہ مجرد ذب میں نہیں اس لئے معنوی طور پر بھی اس میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔ یعنی مذبذب ہے کہ ہر ایک گروہ کسی جانب مائل ہوا سے وہاں سے اٹھا کر دوسری جانب اس کا خ کر دیا جائے تو پھر دوسری جانب سے یہی کیفیت پیش آئے۔" ؎۲

زمخشری نے مفردات کی تحقیق اور مشتقات کے بیان میں جس بالغ نظری سے کام ہے وہ اسی کا حصہ ہے۔

۱۲۔ زمخشری نے اعجاز قرآن کے رخ سے بھی اچھی طرح نقاب کشائی کی ہے۔ اس وقف یہ ہے کہ اعجاز قرآن کا مدار دو چیزوں پر ہے اخبار بالغیب اور حسن نظم۔" ؎۳

حسن نظم سے ایک تو علم معانی کا تعلق ہے زمخشری نے اس سلسلے میں خوب نکات ل کیے ہیں۔ چنانچہ سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے گزرنے کا تا ہے تو زلیخا کی زبانی یہ مقولہ ارشاد ہوتا ہے۔" فذالکن الذی لمتننی فیہ۔" یہاں پر ھذا کی بجائے فذالکن کیوں لایا گیا حالانکہ حضرت یوسف علیہ السلام قریب تھے؟۔ اِس پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ یہاں ھٰذا یا حالانکہ یوسف علیہ السلام حاضر موجود تھے۔ اس کی بجائے فذالکن کہا تاکہ حسن

؎۱۔ کشاف۔ ج: ۱، ص: ۱۷۴

؎۲۔ تفسیر کشاف۔ ج: ۱، ص: ۲۳۵

؎۳۔ کشاف۔ ج: ۱، ص: ۲۶۷

Marfat.com

میں عظمتِ مرتبہ، شانِ محبوبیت اور بلندیٔ محل پر دلالت ہو سکے۔"[1]

قرآن مجید میں یہود کے طعن "یداللہ مغلولۃ" اللہ کا ہاتھ بند ہو گیا
اب وہ سخاوت نہیں کر سکتا۔؟

اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے " غلت ایدیھم و لعنوا
بما قالوا بل یداہ مبسوطتان ینفق کیف یشآء"[2]
ان کے ہاتھ بند ہوں اور وہ لعنت کئے جائیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کشادہ
وہ جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔" یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے ید
کا صیغہ بولا تھا۔ اس کے جواب میں بل یداہ تثنیہ کا صیغہ کیوں استعمال کیا گیا؟
کے جواب میں علامہ زمخشری لکھتے ہیں " لفظ ید کو تثنیہ لانے کی وجہ یہ ہے کہ یہود
تردید زیادہ مؤثر ذریعے سے ہو جائے اور ربّ کائنات کے لئے جود و سخا مؤکد طور
سے ثابت ہو جائے سخی اظہارِ سخاوت کے لئے ایسا کرتا ہے کہ دونوں ہاتھوں سے
شروع کر دیتا ہے۔ یہاں پر اسی معنی پر دلالت کرنے کے لئے فرمایا گیا کہ اس کے دو
ہاتھ کشادہ ہیں۔"[3]

سورۂ حج کے آغاز میں زلزلۂ قیامت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا "یوم تذ
کل مرضعۃ عما ارضعت"[4]
جس دن ہر دودھ پلانے والی ماں اپنے بچے سے بے خبر ہو جائے گی۔ یہا
مرضع کی جگہ مرضعۃ کیوں لایا گیا۔؟
زمخشری اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ مرضع اس عورت کو

---

[1] کشاف۔ ج: ۱، ص: ۴۷۱
[2] سورۃ المائدہ۔ آیت: ۶۴
[3] کشاف۔ ج: ۱، ص: ۲۶۷
[4] سورۂ حج۔ آیت: ۲

Marfat.com

جو دُودھ پلانے والی ہو چاہے اس وقت دُودھ پلا رہی ہو یا نہ بخلاف مرضعة کے۔ مرضعة کا اطلاق اس عورت پر کیا جاتا ہے جو دُودھ پلانے میں مصروف ہو۔ ظاہر ہے کہ جب ماں دُودھ پلا رہی ہو اس کا بچّہ اس کی گود میں ہو۔ اس وقت عورت کی توجّہ صرف اسی بچے کی طرف ہوتی ہے مگر یہ قیامت کا زلزلہ ہو گا کہ عین دُودھ پلاتے وقت عورت اپنے بچے کو بھول جائے گی یہ تاکید اور معنی کی پختگی لفظ مرضعة سے حاصل ہو سکتی تھی اس لئے مرضع کی بجائے مرضعہ فرمایا گیا۔"[1]

سورۂ بقرہ کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے "لها ما كسبت وعليها ما اكتسبت"۔ جو اچھا کسب کرے اس کے لئے نفع ہے اور جو بُرا کسب کرے اس کے لئے ضرر ہے۔ یہاں خیر کے لئے کسب اور شر کے لئے اکتساب کیوں لایا گیا؟ زمخشری اس کا جواب دیتے ہُوئے کہتا ہے کہ چُونکہ اکتساب میں انسانی کوشش اور سعی و مزاولت کا مفہوم پایا جاتا ہے اس لئے شر کے لئے اکتساب کا حُکم لایا گیا اور خیر میں چُونکہ لوگ اس قدر جد وجہد نہیں کرتے اس لئے اسے مجرد سے کسبت لایا گیا گویا خیر کا کسب کسی طرح ہو جائے ثواب مل جاتا ہے اور شر کا اکتساب عمل میں لایا جائے تب گناہ لکھا جاتا ہے علامہ زمخشری فن بلاغت میں کمالِ علمی کی بنا پر کلماتِ قُرآنی کے حسن کی جھلکیاں بڑے اچھُوتے انداز میں پیش کرتے ہیں۔

سورۂ عنکبوت کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے "وان الدار الآخرة لهى الحيوان لو كانوا يعلمون"۔ بے شک دارِ آخرت حقیقی زندگی والی ہے کاش لوگ اس کو جان جاتے۔

زمخشری اس کے حسنِ بلاغی کو بیان کرتے ہُوئے لکھتا ہے کہ صیغہ حیوان بالفتح میں حیات کا ایسا زائد معنی پایا جاتا ہے جو خالی لفظ حیات میں نہیں۔ فعلان

---

[1] ۔ تفسیر کشاف۔ ج: ۲، ص: ۵۶

Marfat.com

بفتح العین زیادتی حرکت و اضطراب کے لئے استعمال ہوتا ہے یہاں پر دارِ آخرت کو حیوان فرما کر معنیٰ حیات کی زیادتی پر دلالت کرنا مقصود ہے کیونکہ مقتضائے حال مبالغہ چاہتا ہے۔ اس لئے یہاں پر لفظ حیوان لایا گیا ہے۔" لے

غرضیکہ علامہ زمخشری نے بلاغی طور پر قرآنی محاسن کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے۔ زمخشری سے ہزار اختلاف رکھنے کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قرآن کی ادبی و بلاغی تحقیق میں وہ امام فن ہیں۔

کشاف سے علما کا اعتنار

علمار نے ہر دور میں کشاف سے اعتنار کیا ہے اور تفسیر کشاف پر تحقیقی کام کیا ہے علمار اہل سنت نے کشاف پر کام کرتے ہوئے تین باتوں پر خصوصی توجہ دی ہے۔

۱۔ مشکلاتِ کشاف کی توضیح ۲۔ نکات بلاغیہ کی توضیح و تشریح

۳۔ معتزلانہ افکار کی تردید

اب تک کشاف پر جو تحقیقی کام ہوا ہے اس کا نقشہ نہایت اختصار سے یوں پیش کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ **الانتصاف:** یہ علامہ احمد بن منیر اسکندرانی (متوفی ۶۸۳ھ) کی تصنیف ہے اس میں زمخشری کے معتزلانہ افکار کا جواب اور نکات بلاغیہ کی توضیح و تشریح ہے۔

۲۔ **الانصاف۔** علامہ علم الدین عراقی (متوفی ۷۰۴ھ) کی تصنیف ہے اس میں کشاف اور انتصاف کے درمیان محاکمہ کی کوشش کی گئی ہے۔

۳۔ حاشیہ قطب الدین شیرازی (متوفی ۷۱۰ھ) دو جلدوں میں کشاف کا حاشیہ ہے

۴۔ علامہ شرف الدین طیبی (متوفی ۷۴۳ھ) نے چھ جلدوں میں **فتوح الغیب**

لے۔ تفسیر کشاف۔ ج: ۲، ص: ۱۸۳

Marfat.com

فی **الکشف عن قناع الریب** کے عنوان سے حاشیہ لکھا ہے۔

۵۔ علامہ جاربردی (متوفی ۷۴۶ھ) نے کشاف پر حاشیہ لکھا ہے جو سورۂ آل عمران سے لیکر سورۂ کہف کے آخر تک ہے۔

۶۔ ابُوحیان اُندلسی (متوفی ۷۴۹ھ) نے تلخیص کے طور پر اُنھیں **الدر اللقیط من البحر المحیط** کے نام سے جمع کر دیا ہے۔

۷۔ علامہ سعد الدین تفتازانی (متوفی ۷۴۹ھ) نے سُورۂ فتح تک کشاف کا حاشیہ لکھا ہے۔

۸۔ شیخ سراج الدین (متوفی ۸۰۵ھ) نے **الکشاف علی الکشاف** کے نام سے تین جلدوں میں حاشیہ لکھا ہے۔

۹۔ میر سید شریف جرجانی (متوفی ۸۱۶ھ) نے اواسط سورۂ بقرہ تک کشاف کا حاشیہ تحریر کیا ہے۔

۱۰۔ شیخ ولی الدین ابُوذرعہ عراقی (متوفی ۸۲۰ھ) نے دو جلدوں میں حاشیہ لکھا ہے اور اس میں برمزید بات یہ ہے کہ کشاف کی احادیث کی تخریج کی ہے۔

۱۱۔ علامہ احمد بن اسمٰعیل کورانی (متوفی ۸۹۳ھ) نے **غایۃ الامانی فی تفسیر الکلام الربانی** کے عنوان سے حاشیہ لکھا ہے اس میں بیضاوی اور زمخشری پر علمی گرفت بھی کی گئی ہے۔

۱۲۔ شیخ الاسلام یحیےٰ ہروی المعروف بالحفید (متوفی ۹۰۶ھ) نے اپنے دادا علامہ سعد الدین تفتازانی کے حاشیہ پر ایک اور حاشیہ لکھا ہے اس میں میر سید شریف کے اعتراضات کے جوابات بھی دیئے ہیں۔

۱۳۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے **الاتحاف** میں کشاف کے چوبیس مقامات پر تنقید کی ہے۔

Marfat.com

۱۴۔ علامہ سید مرتضیٰ زبیدی نے سیوطی اور زمخشری کے درمیان محاکمہ کے طور پر
الانصاف فی المحاکمۃ بین السیوطی وصاحب الکشاف لکھی ہے
بہت سے لوگوں نے کشاف کا اختصار بھی کیا ہے۔ علی طوسی نے اختصار میں جمع
لکھی علامہ قطب الدین نے اعتزالی رنگ الگ کر کے تقریب التفسیر لکھی۔ امام زیلعی نے
احادیث کشاف کی تخریج کی ہے حافظ ابن حجر نے اس کی تلخیص لکھی جس کا نام الکاف
الشاف فی احادیث الکشاف ہے۔

غرضیکہ اُمت میں اس تفسیر کو بہت اہمیت حاصل رہی ہے۔ معتزلانہ افکار سے
قطع نظر کر کے یہ تفسیر بڑی عمدہ اور جامع ہے۔

عُلماءِ متکلمین اور علمِ تفسیر

معتزلہ نے جہاں اپنے مخصوص عقائد و نظریات کی اشاعت کے لئے علم کلام سے
کام لیا وہاں عُلمائے اہلِ سُنّت نے بھی علم کلام کے ذریعے اپنے مسلک حقہ کا تحفظ کیا
معتزلہ کا اچھی طرح ردّ کیا ہے۔

علم کلام کی شُروع سے دو قسمیں چلی آتی ہیں۔

۱۔ علم کلام عقلی جس کا دار و مدار صرف عقل اور فلسفہ پر ہو اس کے بانیوں میں ابُوالہذیل
علاف معتزلی کا نام سرِفہرست ہے علم کلام عقلی کو بعد میں نظام معتزلی، حافظ حسن نوبختی
اور ابُومُسلم اصفہانی وغیرہ نے ترقی دی۔

علمائے متقدمین مثلاً امام شافعی امام احمد بن حنبل اس علم کلام کے حق میں نہ تھے
چنانچہ علامہ موفق الدین ابن قدامہ مقدسی دمشقی متوفی ۶۲۰ھ اپنی کتاب تحریم النظر
فی کتب اھل الکلام میں رقمطراز ہیں کہ امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ علم الکلام

لہ۔ اتحاف السادۃ المتقین فی شرح احیاء علوم الدین۔ ج: ۲، ص: ۵۳۳

Marfat.com

پڑھنے والا کبھی فلاح نہیں پائے گا۔ علم کلام میں وہی نظر کرتا ہے۔ جس کے دل میں کچھ کھوٹ ہو"۔ امام شافعی فرماتے تھے کہ میرا حکم یہ ہے کہ علم کلام پڑھنے والوں کو کوڑے مارے جائیں۔ اور گلی اور کوچوں میں انہیں رسوا کر کے پھیرا جائے اور لوگوں کو بتایا جائے کہ یہ ان لوگوں کی سزا ہے جو کتاب و سنت کو چھوڑ کر علم الکلام میں پھنس گئے"۔ امام ابو یوسف کا قول ہے کہ جس نے کتاب و سنّت کو چھوڑ کر علم کلام حاصل کیا وہ زندیق بن جائے گا" لہ جیسا کہ ائمہ کے اقوال سے ظاہر ہے۔

یہاں پر علم کلام سے مراد وہ علم کلام ہے جو کتاب و سنّت کو چھوڑ کر فلسفۂ یونان کو اپنا پیشوا بنا کر حاصل کیا جائے۔ اس کی حرمت و مخالفت میں کسے کلام ہے۔؟

۲۔ اس علم کلام کے مقابلے میں اہل سنت کا علم کلام ہے۔ جس کا مدار کتاب و سنت، اجماع صحابہ اور قیاس مجتہدین پر ہے۔ اس علم کلام میں ادلہ شرعیہ کے ذریعے سے عقائد حقہ کی معرفت حاصل کی جاتی ہے۔ صحابۂ کرام علیہم الرضوان حضور پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کے فیض صحبت کی وجہ سے اس کلام سے مستغنی تھے بعد میں جب لوگ مختلف گروہوں میں بٹتے گئے اور عقائد اہل سنّت سے انحراف کر کے عقائد فاسدہ اختیار کرنے لگے تو علماء اہل سنّت نے ضروری سمجھا کہ علم کلام کو ترتیب و تدوین کے مرحلے سے گزارا جائے۔ اس میں عقائد اہل سنّت کو ادلہ شرعیہ سے ثابت کر کے فرق باطلہ کا رد کیا جائے۔ متکلمین اہل سنّت اشاعرہ، ماتریدیہ اور ظاہریہ کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے درمیان فروعی اختلافات ہیں اصولی عقائد میں تینوں متفق ہیں۔ اس علم کلام کے بانی امام ابو الحسن اشعری ہیں۔

امام ابو الحسن اشعری کے صحیح حالات سے آگاہ کرنے کے لئے حافظ ابن عساکر دمشقی نے "تبیین کذب المفتری فیما نسب الی ابی الحسن اشعری" نامی کتاب لکھی ہے یہ کتاب یورپ میں چھپی ہے اس کا فرانسیسی میں ترجمہ ہوا ہے۔ اس میں ان تمام

لہ۔ تحریم النظر فی کتب اھل الکلام۔ مطبوعہ لندن

Marfat.com

الزامات کا ازالہ کیا گیا ہے جو مخالفین نے امام ابُوالحسن اشعری سے منسُوب کئے تھے۔

امام ابُوالحسن اشعری کا مختصر تعارف

امام ابُوالحسن اشعری کا پُورا نام علی بن اسماعیل ہے۔ آپ مشہور صحابیٔ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابُوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہٗ کی اولاد سے ہیں۔ آپ کی ولادت ۲۷۰ھ بصرہ میں ہُوئی۔ آپ کی وفات ۳۳۰ھ یا ۳۲۴ھ باختلاف روایات بغداد میں ہُوئی۔ حافظ ابن عساکر نے سن وفات میں ۳۲۴ھ کے قول کو ترجیح دی ہے آپ کا تذکرہ بہت سی تحقیقی کتابوں میں ملتا ہے۔[۱]

ابتدا میں آپ نے ابوعلی جبائی سے تعلیم پائی اور مسلک معتزلہ کے پُرجوش داعی بن گئے خواب میں حضُور سرور کائنات علیہ افضل الصّلوٰۃ والتسلیمات کی زیارت ہُوئی جس میں آپ کو دین اسلام کی خدمت کرنے کا حُکم ملا۔ آپ نے پہلے سے بڑھ کر مسلک معتزلہ کی حمایت میں دلائل دینا شرُوع کر دیئے کیُونکہ اس وقت آپ کی نظر میں دین اسلام کی خدمت کا یہی مفہوم تھا۔ پھر دُوسری بار زیارت ہُوئی اور وہی حکم ملا امام نے پھر مسلک معتزلہ کی تائید میں خطبات دیئے غالباً تیسری بار زیارت میں آپ کو آگاہ کیا گیا کہ آپ موجُودہ عقائد کو چھوڑ کر صحیح معنی میں مسلک اہلِ سُنّت کے داعی بنیں۔ پھر آپ نے جامع مسجد بصرہ کے منبر پر کھڑے ہوکر عقائد معتزلہ سے توبہ کر لی اور مسلک اہلِ سنت کے داعی بنے۔[۲]

اس باطنی سبب کے عِلاوہ ظاہری سبب اختلاف یہ بنا کہ ایک بار حضرت امام ابوالحسن اشعری نے اپنے اُستاد ابُوعلی جبائی سے کہا کہ یہ فرمائیں کہ اگر تین بھائی ہوں ایک بچپن میں فوت ہو جائے دُوسرا جوان ہو کر نیک بن کر مَرے تیسرا جوان ہو کر فاسق بن کر

---

[۱] وفیات الاعیان ابن خلکان۔ جلد اوّل، تاریخ بغداد، البدایہ ابن کثیر مناقب الشافعی و طبقات اصحابہ، تحریم النظر فی کتب اھل الکلام۔ وغیرہ

[۲] طبقات الشافعیہ سبکی۔ ج: ۲، ص: ۲۴۶

Marfat.com

مرے ان کا انجام کیا ہوگا۔؟

جبائی نے اپنے مسلک کے مطابق جواب دیا کہ بڑا مطیع جنت میں جائے گا۔ بڑا فاسق جہنم میں جائے گا اور چھوٹا بچہ نہ جنت میں جائے گا نہ جہنم میں۔ اس پر امام نے سوال کیا کہ اگر چھوٹا عرض کرے کہ باری تعالیٰ مجھے بڑا کیوں نہیں کیا کہ میں نیک کام کرتا اور جنت میں جاتا۔ جبائی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہم جانتے تھے کہ تم بڑے ہو کر عاصی و نافرمان بنو گے اور جہنم کا ایندھن بنو گے۔ اس لئے تمھیں بچپن میں مار دیا گیا یہی تمھارے حق میں زیادہ بہتر تھا۔ امام نے پلٹ کر سوال کیا کہ اگر بڑا فاسق کہے کہ لے باری تعالیٰ جب تو جانتا تھا کہ میں بڑا ہو کر جہنمی بنوں گا تو تو نے مجھے بچپن میں موت کیوں نہ دیدی تاکہ میں عذاب سے بچ جاتا۔ اس پر جبائی لاجواب ہوگیا تو امام ابوالحسن اشعری نے اس کا مذہب چھوڑ کر اہل سنت کا مسلک اختیار کیا اور اہل سنت کے مسلک کے مطابق علم کلام کی تدوین کی۔" لے

امام اشعری نے معتزلہ کی رد میں مقالات لکھے اور اہل سنت کی ہی صداقت کو اچھی طرح واضح کیا آپ کے شاگردوں میں ابو سہل صلعوکی، ابو بکر قفال، ابو زید مروزی، ابو بکر جرجانی اور شیخ ابو محمد طبری کو بہت بڑا علمی مقام حاصل ہے۔ ان کے شاگردوں میں ابو بکر باقلانی، ابو اسحاق اسفرائینی، ابو بکر بن فورک اور ان کے شاگرد امام الحرمین بہت مشہور ہوئے۔ یہ لوگ علم کلام، مناظرہ اور دیگر فنون میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ یہی لوگ اشعری علم کلام کے مضبوط ستون ثابت ہوئے۔ انھوں نے امام اشعری کی تعلیمات کو دور دراز علاقوں تک پہنچایا اور امام اشعری نے پچپن کتابیں لکھی ہیں۔ جب کہ دوسرے علماء کی رائے کے مطابق یہ تعداد تین سو تک پہنچ جاتی ہے۔ آپ کی تصانیف میں **مقالات الاسلامیین، کتاب الابانہ، کتاب الفصول فی الرد**

لے۔ شرح عقائد نسفیہ۔ ص: ۵

Marfat.com

علی الملاحدہ، اللمع الکبیر، التبیین عن اصول الدین کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

امام اشعری نے اپنی کتاب "المختزن" میں ان سوالات کے جواب دیئے ہیں جو مخالفین نے کئے تھے یا کر سکتے تھے۔ اس کتاب میں آپ نے ان آیات کی صحیح تفسیر بھی فرمادی جن سے اہل بدعت معتزلہ وغیرہ استدلال کرتے ہیں۔ اس طرح یہ کتاب علم کلام کے ساتھ علم تفسیر کا بھی قیمتی نسخہ ہے۔

امام اشعری نے ایک تفسیر بھی لکھی جو تیس جلدوں میں ہے۔ آپ نے علم کلام میں فلسفہ کی آمیزش نہ ہونے دی بعد میں علامہ ابُو بکر باقلانی نے کچھ مسائل کا اضافہ کیا مثلاً یہ جوہر فرد ثابت ہے خلا ممکن ہے، عرض دُوسرے عرض کے ساتھ قائم نہیں ہو سکتا۔ عرض دو زمانوں تک نہیں رہ سکتا۔ وغیرہ

باقلانی کے بعد ابو المعالی امام الحرمین الجوینی الشافعی متوفی ۴۷۸ھ آئے۔ اُنھوں نے علم کلام پر مبسوط کتاب لکھی پھر اس کا اختصار کر کے "الارشاد الیٰ قواطع الادلۃ فی اصول الاعتقاد" تصنیف کی۔ امام الحرمین کو اپنے زمانے میں مرکزی حیثیت حاصل تھی ان کے فتاوی تمام بلادِ اسلامیہ میں پھیلے ہُوئے تھے اس طرح اُن کی تصانیف بھی گھر گھر پھیل گئیں" [1]

امام ابو منصور ماتریدی اور اُن کی تفسیر

امام ابوالحسن اشعری کے علاوہ جس شخصیت نے علم کلام میں بلند مقام حاصل کیا وہ امام ابو منصور ماتریدی تھے۔ جو چند واسطوں سے امام مُحمّد بن حسن شیبانی کے شاگرد ہیں اِس لئے اُنھیں احناف کا امام کہا جاتا ہے۔

---

[1] طبقات الشافعیہ سبکی۔ ج: ۲، ص: ۲۵۲

Marfat.com

آپ سمرقند کے محلہ ماترید میں پیدا ہوئے تحصیل علم کے بعد آپ نے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ابن قطلوبغا حنفی نے تاج التراجم میں آپ کی حسب ذیل کتب کا تذکرہ کیا ہے"[1]

کتاب التوحید، بیان وھم المعتزلہ، کتاب الامامۃ، کتاب الرد علی القرامطہ اور تاویلات القرآن۔ جو قرآن مجید کی تفسیر ہے اس میں مسلک اہل سنت کو بڑی قوت استدلال سے پیش کیا گیا ہے اس تفسیر کا ایک نسخہ کتب خانہ بانکی پور۔ ایک کتب خانہ مکتبہ حرم مکہ مکرمہ میں موجود ہے۔ اس کا ایک نسخہ دو جلدوں میں کتب خانہ کوپریلو میں موجود ہے اس تفسیر کی شرح التاویلات کا ایک قلمی نسخہ مرتبہ ۱۳۱۶ھ کتب خانہ خدا بخش پٹنہ میں ہے"[2]

امام ابو منصور نے بمقام سمرقند ۳۳۳ھ میں وفات پائی۔ آپ نے تاویلات القرآن کے علاوہ تاویلات اہل سنت بھی تالیف کی ہے"[3] جو اپنے فن میں بے نظیر ہے"[4]

امام غزالی کی شخصیت اور ان کا انداز تفسیر

جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ امام اشعری کے بعد باقلانی، اسفرائینی، ابن فورک اور امام الحرمین نے علم کلام کی نشر و اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اُنھوں نے ان آیات کی صحیح تفسیر و تاویل کی جنھیں معتزلہ اور دوسرے فرق باطلہ غلط معانی کا جامہ پہنا رہے تھے۔

اس دور ۴۵۰ھ میں امام غزالی کی ولادت طوس کے علاقہ طابران میں ہوئی آپ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد امام الحرمین کے حلقۂ درس نیشاپور جا پہنچے اور علوم دینیہ میں کمال حاصل کیا۔ آپ چونتیس سال کی عمر میں نظامیہ بغداد کے صدر مدرس مقرر ہوئے وہاں آپ نے فرق باطلہ کے ساتھ مناظرے کیے اور مسلک اہل سنت کے تفوق کو ثابت

---

[1] تاج التراجم: ص: ۵۹

[2] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام۔ جلد چہارم۔ ص: ۵۱۲

[3] معجم المؤلفین۔ ج: ۱۱، ص: ۳۰۰

[4] کشف الظنون طبع قدیم۔ ج: ۱، ص: ۲۴۳

Marfat.com

کیا۔ آپ کی وجہ سے علم کلام کو بہت ترقی ہوئی یہاں تک کہ نقلی و عقلی کا فرق جاتا رہا۔ اس لئے ابنِ خلدون کو کہنا پڑا کہ امام غزالی سے پہلے علم کلام میں فلسفہ کی آمیزش نہ تھی۔ سب سے پہلے امام غزالی نے علم کلام کو فلسفہ کا رنگ دیا۔[1]

ہمارے خیال میں ابنِ خلدون کی یہ رائے درست نہیں اس لئے کہ امام غزالی سے پہلے علما معتزلہ ابوالھذیل علاف، نظام اور جاحظ علم کلام کو فلسفے کا رنگ دے چکے تھے۔ امام غزالی نے اسی انداز میں معتزلہ کا رد کیا۔ آپ اشاعرہ کے مقلد نہ رہ سکے۔ اپنی تحقیقی مہارت کی بنا پر آپ نے کئی مسائل میں اشاعرہ سے اختلاف بھی کیا جس کی بنا پر آپ کو اشاعرہ کا ہدفِ ملامت بننا پڑا۔ آپ کی کتابیں جلا دی گئیں اور مختلف قسم کے الزام تراشے گئے۔

آپ نے فہم قرآنِ حکیم کا خصوصی انداز اختیار کیا اور اُمّت کو تفکّر و تدبّر کی دعوت دی۔ چنانچہ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں: "یہ گمان کرنا کہ قرآن میں ظاہر تفسیر کے سوا غور و فکر اور تدبّر کا دروازہ بند ہے سراسر غلطی ہے اخبار و آثار اس کے برعکس قرآن میں وسعتِ فکر و نظر کی دعوت دیتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن میں خاص فہم عطا کیا ہے نیز یہ کہ اگر میں چاہوں تو سورۃ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ لاد دوں۔ حضرت ابوالدردا رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ کوئی آدمی اس وقت تک فقیہ نہیں بن سکتا جب تک قرآن میں متعدد وجوہ تاویل کا علم حاصل نہ کرلے۔ اسی طرح علما محققین کا یہ قول کہ قرآن کی ہر آیت میں ساٹھ ہزار علوم پائے جاتے ہیں۔ ان سب اقوال و آثار سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ ظاہر تفسیر کے علاوہ بھی قرآن مجید میں اسرار و حکم پائے جاتے ہیں۔"[2]

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر بالرائے پر بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مطلقاً عقل و رائے کا استعمال ممنوع نہیں بلکہ ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ ظاہر تفسیر اور آثار کو چھوڑ کر محض اپنی رائے اور قیاس سے تفسیر کی جائے۔

---

[1] مقدمہ تاریخ ابن خلدون ..... فصل فی علم الکلام

[2] احیاء العلوم - جز اوّل - باب رابع - ص: ۲۶۰ تا ۲۶۲

Marfat.com

امام غزالی علوم عربیت اور آثار صحابہ کے ساتھ قرآن فہمی کے لئے غور وفکر اور تدبّر کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ امام غزالی نے جہاں دُوسرے علوم میں ستّر تصانیف اپنے پیچھے یادگار چھوڑیں وہاں علم تفسیر میں یاقوت التاویل بھی لکھی ہے جو چالیس جلدوں میں ہے۔ مولانا شبلی نعمانی نے "الغزالی" میں اس تفسیر کا انکار کیا ہے۔ لیکن ان سے پہلے صاحب کشف الظنون اور مُرتضٰی زبیدی شرح احیاء علوم الدین میں اس تفسیر کو امام غزالی کی تفسیر قرار دے چکے ہیں۔

امام غزالی نے صرف سورۂ نُور کی آیت "اللہ نور السمٰوٰت والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح" (اللہ نُور ہے آسمانوں اور زمینوں کا اس کے نُور کی مثال ایسی ہے جیسے طاق میں چراغ ہو) کی تفسیر میں مستقل تصنیف مشکوٰۃ الانوار کے نام سے لکھی ہے۔ امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اس کا حوالہ دے کر اسے نہایت جامع اور مدلّل قرار دیا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے جواہر القُرآن بھی تصنیف کی جو ۱۳۲۹ھ میں مصر سے طبع ہُوئی ہم نے اس کا ایک نسخہ کُتب خانہ غوثیہ گولڑہ شریف میں دیکھا ہے۔ اس میں امام غزالی نے اپنی مختلف کتابوں الاربعین فی اصول الدین، الاقتصاد فی الاعتقاد، تہافت الفلاسفہ، معیار العلم، بسیط، وسیط، وجیز وغیرہ کے حوالے دیئے ہیں امام غزالی نے عُلومِ قُرآن کو دس انواع کلیہ کے تحت درج کیا ہے جن کی تفصیل یہ ہے۔

ذکر ذات، ذکر صفات، ذکر افعال، ذکر معاد، ذکر صراط مستقیم، ذکر احوال الاولیاء، ذکر احوال اعداء، ذکر مخاصمت، ذکر حدود واحکام،، [1]

امام غزالی نے ثابت کیا ہے کہ تمام علُوم کے کلیات قُرآن مجید میں موجود ہیں چنانچہ فرماتے ہیں "جتنے علُوم ہم نے ذکر کئے ہیں یا چھوڑ دیئے ہیں ان کے اصُول وکلیات کو دیکھا جائے تو

---

[1] جواھر القرآن۔ ص: ۲۱

Marfat.com

قرآن سے خارج نہیں سب کے سب ایک ہی سمندر سے مستفید ہیں اور وہ افعالِ الٰہی کا ایسا بحرِ ناپیدا کنار ہے جس کا کوئی ساحل نہیں۔ دُنیا کے سمندر اگر اس کے لیئے سیاہی بن جائیں تو یہ سیاہی ختم ہو جائے گی مگر اللہ کے کلمات ختم ہونے میں نہیں آئیں گے مثال کے طور پر اس بحر سے شفا امراض کو لیجئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حال کی حکایت کرتے ہُوئے فرمایا:" **واذا مرضت فهو يشفين** "[1]

" جب میں بیمار ہوتا ہُوں تو اللہ تعالیٰ مجھے شفا دیتا ہے"۔ اسی آیت سے علم طب کا اشارہ ملتا ہے. کیونکہ یہ ایک ایسا علم ہے جو بدنِ انسانی کے تندرست اور بیمار ہونے سے بحث کرتا ہے۔ اسی طرح شمس و قمر کی منازل اور گردش کے بارے میں قرآنی آیت" **والشمس تجری لمستقر لها ذلك تقدير العزيز العليم والقمر قدرناه منازل حتى عاد كالعرجون القديم** "[1]

(سُورج جاری رہتا ہے اپنی قرار گاہ پر، یہ مقرر کیا ہُوا ہے اندازہ بڑے غلبہ والے بہت علم والے کا، اور ہم نے چاند کی منزلوں کا اندازہ مقرر کیا یہاں تک کہ وہ لوٹا کھجُور کی پُرانی ٹہنی کی طرح) کو لیجئے اس سے علمِ نجوم اور فلکیات پر روشنی پڑتی ہے. غرض کہ قرآن اپنے مخصوص انداز میں تمام علُوم کے کلیات کی طرف اشارہ کر دیتا ہے"۔[2]

امام فخر الدّین رازی اور علم تفسیر

متکلمین اشاعرہ میں حضرت امام فخر الدّین رحمۃ اللہ علیہ کو جو شہرتِ دوام حاصل ہے اس میں ان کا کوئی ہمسر نہیں۔ امام رازی کی اس لازوال شہرت کی سب سے بڑی وجہ وُہ تفسیر ہے جس میں امام رازی نے اشاعرہ کے مسلک کو قوی دلائل سے ثابت کیا اور فرقِ باطلہ

---

[1] ۔ سورۃ یٰسین۔ آیت : ۳۸، ۳۹

[2] ۔ جواھر القرآن۔ ص : ۳۳، ۳۴

Marfat.com

کارد بڑے شاندار طریقے سے کیا ہے۔ متاخرین میں سے جس نے کلامی اور روایتی رنگ میں تفسیر لکھنے کی کوشش کی اس نے امام رازی کی تفسیر سے ضرور استفادہ کیا۔ امام رازی نے فنِ تفسیر میں ایک انقلابی ذوق پیدا کیا جو زمخشری کی تفسیر کشاف کے ردِّعمل کے طور پر تھا۔ آپ نے معتزلہ کے فاسد نظریات کے برعکس آیاتِ قرآنیہ سے مسلک اہل سُنّت کو ثابت کیا ہے اور معتزلہ کی تردید کی ہے۔

امام فخرالدین رازی کا نام محمّد بن عمر بن حسین ہے آپ کا لقب فخرالدین ہے۔ آپ ۵۴۳ھ رَے میں پیدا ہوئے اور ۶۰۶ھ میں ہرات میں وفات پائی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد خطیب ضیاالدین عمر سے حاصل کی جو محی السنۃ ابو محمد بغوی کے شاگرد تھے۔ آپ نے دوسرے جلیل القدر اساتذہ سے بھی استفادہ کیا۔ سُلطان علاء الدین محمد خوارزم شاہ آپ کا بڑا قدر دان تھا اسی طرح سُلطان شہاب الدّین غوری فاتح ہند بھی آپ سے عقیدت رکھتا تھا۔ آپ کی مجلس میں بڑے بڑے علماء حاضر ہوتے تھے۔ شہر زوری نے تاریخ الحکماء میں لکھا ہے کہ امام رازی مجلس درس میں بڑے وقار سے بیٹھتے تھے۔ آپ کے متصل آپ کے مایۂ ناز شاگرد قطب مصری، زین الدّین کشی اور شہاب الدّین نیشاپوری بیٹھتے تھے۔ عام تلامذہ بھی آپ کے سامنے باادب بیٹھے رہتے تھے۔ عام مسائل پر آپ کے تلامذہ ہی روشنی ڈالتے جب کوئی اہم مسئلہ سامنے آتا تو امام خُود بحث کرتے۔ جب آپ کی سواری چلتی تھی تو سواری کے ساتھ تین سو شاگرد چلتے تھے کوئی تفسیر کی بات پُوچھتا کوئی حدیث کی۔ کوئی علم کلام کی بات کرتا کوئی اصولِ فقہ کی۔ کسی کا سوال منطق سے ہوتا کسی کا فلسفے سے غرضیکہ لوگ مختلف علوم و فنون کے سوال کرتے اور امام چلتے چلتے سب کا جواب دیتے جاتے اور حل کرتے جاتے تھے۔ طاش کبری زادہ نے مفتاح السعادۃ میں لکھا ہے کہ آپ اپنے وقت کے مشہور شیخ طریقت نجم الدین کبریٰ سے بھی ملے کافی دیر تک گفتگو

ــہ۔ طبقات الشافعیہ سبکی۔ ج: ۵: ص: ۳۵

Marfat.com

ہوتی رہی آخر امام نے ان کی بیعت کر لی اور صوفیاء کرام کا طریق اختیار کر لیا پھر آپ کچھ عرصہ کیلئے خلوت نشین ہو گئے۔ گوشۂ خلوت سے نکلنے کے بعد تفسیر مفاتیح الغیب لکھی جو تفسیر کبیر کے نام سے مشہور رہے ,,[1]

سنہ ۶۰۱ھ میں آپ کا ایک لڑکا محمدؐ (نامی) فوت ہوا تو آپ کو بہت صدمہ پہنچا۔ آپ نے تفسیر کبیر سورۂ یوسف اور رعد کے آخر میں اپنے فرزند کی المناک وفات کا ذکر کیا ہے امام نے اس کے پانچ سال بعد سنہ ۶۰۶ھ میں وفات پائی۔ وفات سے پہلے وصیّت نامہ لکھوایا جس سے آپ کے مسلک کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے یہ وصیت امام سبکی نے سند کے ساتھ یوسف بن ابی بکر نسائی کے واسطے سے نقل کی ہے یہ وصیت امام فخر الدین رازی نے اپنے شاگرد ابراہیم بن ابی بکر اصفہانی کو لکھائی مضمون وصیت یہ تھا۔

"خوب جان لو میں ایک علم دوست آدمی تھا ہر بات کو لکھ لیا کرتا تھا کہ اس کی کمیت اور کیفیّت پر آگاہی حاصل کروں چاہے وہ بات حق ہو یا باطل.... آگے چل کر لکھتے ہیں میں نے علم کلام کے طریقوں اور علم فلسفہ کی راہوں کو اچھی طرح آزمایا مجھے ان میں وہ فائدہ نظر نہیں آیا جو قرآن میں فکر کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ قرآن اللہ تعالےٰ کی عظمت و جلال کے منوانے پر زور لگاتا ہے اور شکوک و شبہات کی دنیا میں غور و فکر کرنے سے روکتا ہے" [2]

اسی وصیت میں اپنی تصانیف کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"میں نے جو کتابیں تصنیف کی ہیں ان میں سوالات کی بھر مار ہے جو شخص میری کتابوں کو دیکھے وہ بہ طریق احسان مجھے اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھے ورنہ غلط قول کو حذف کر دے کیونکہ ان میں طالب علم کی ذہنی استعداد کو بڑھانے کے لئے بحث

---

[1] - مقدمہ تفسیر کبیر - مطبوعہ مصر -

[2] - طبقات السبکی - ص: ۳۳ تا ۴۰ -

Marfat.com

کو طول دیا گیا ہے۔ یہاں امام رازی نے واضح کر دیا کہ جہاں کہیں اُنھوں نے لمبی لمبی بحثیں کی ہیں ان کا مقصد تحقیق کے طالب علموں کو ذہنی جلا بخشنا تھا۔

امام رازی کی تصانیف

امام رازی کی زیادہ تر تصانیف فلسفہ اور کلام کے موضوع پر ہیں ان کے علاوہ کچھ اصول فقہ اور فقہ سے متعلق ہیں اور کچھ کا تعلق علوم بلاغیہ سے ہے۔ آپ کی چند اہم تصانیف درج ذیل ہیں۔

تفسیر مفاتیح الغیب، درۃ التنزیل وغرۃ التاویل (یہ صرف آیات متشابہات کے بارے میں ہے) اساس التقدیس (علم کلام میں ہے اس میں تفسیر کی طرح عقائد کا انداز بھی سلیس ہے ہم نے اس کا ایک نسخہ جامعہ اسلامیہ بہاول پور کی لائبریری میں دیکھا تھا) مطالب عالیہ (اس میں نبوّت کی بحث پر ساٹھ صفحات لکھے ہوئے ہیں پچاس صفحوں میں ملحدین کے شبہات کا ازالہ ہے) نہایۃ الایجاز فی درایۃ الاعجاز (اعجاز قرآن کے موضوع پر بہترین رسالہ ہے ہم نے اسے کتب خانہ غوثیہ گولڑہ شریف میں دیکھا تھا) لوامع البینات فی شرح الاسمار والصفات، کتاب الملل والنحل، محصل افکار المتقدمین والمتاخرین، الخمیس، المعالم، الاربعین فی اصول الدین، کتاب المحصول، شرح سقط الزند (ابوالعلار معری کے دیوان کی مکمل شرح) اور فلسفہ میں شرح اشارات اور المباحث المشرقیہ فی العلوم الالہیہ آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔

شرح اشارات ہیں امام نے اعتراضات کر کے فلاسفہ کے سینے چھلنی کر دیئے ہیں بعد میں محقق طوسی اور میر باقر داماد نے فلسفہ کی حمایت میں قدم اُٹھایا اور امام کے اعتراضات کے جواب دینے کی کوشش کی لیکن وہ اس میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکے۔ امام نے ایوان فلسفہ میں جو شکست و ریخت کی ہے اس کی تلافی آسان نہیں۔

Marfat.com

علّامہ قطب الدّین رازی نے محاکمات میں امام رازی اور محقّق طوسی کے درمیان بطور حَکم قلم اُٹھایا ہے لیکن وہ بھی امام فخر الدین رازی کے بہت سے اعتراضوں کے سامنے سپر ڈالنے پر مجبُور ہو گئے ہیں۔

مذکُورہ بالا تصانیف کے علاوہ بحر الانساب، شرح نہج البلاغۃ (نامکمل) اور کتاب حدائق الانوار بھی تالیف کی جس میں تقریباً ساٹھ علُوم کے موضوع بیان کئے ہیں۔ امام رازی کی مکمّل تصانیف کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ عبدالسلام ندوی نے اسّی تصانیف کے نام گنائے ہیں۔ سبکی نے بھی طبقات میں مذکُورہ بالا کتب کا ذکر کیا ہے۔

امام فخر الدین رازی نے تفسیر کے موضُوع پر تفسیر مفاتیح الغیب تصنیف کی اس کے علاوہ متشابہات قرآنی پر درۃ التنزیل دغرۃ التاویل تالیف کی۔ سورۂ فاتحہ کی الگ جلد میں تفسیر کی جو اَب تفسیر کبیر کا جُز سمجھی جاتی ہے یہ دو سو نوّے صفحات پر مشتمل ہے نیز سورۂ بقرہ اور سورۂ اخلاص کی الگ الگ تفسیر کا ذکر بھی ملتا ہے۔

تفسیر کبیر (مفاتیح الغیب)

اِس بات میں علمار کی آرا مختلف رہی ہیں کہ اِس تفسیر کا کتنا حصّہ امام کے اپنے قلم سے ہے اور کتنا حصّہ شاگردوں نے بطور تکملہ لاحق کیا

شہاب الدین خفاجی کا خیال ہے کہ سُورۂ انبیآر تک امام کے قلم سے ہے لیکن سُورتوں کے اختتام پر تاریخ لکھنے کا انداز اس کی تائید نہیں کرتا۔

عبدالسلام ندوی کا خیال ہے کہ سورۂ محمّد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) ۲۶ واں پارہ تک خُود لکھی ہے لیکن یہ بھی محض ایک مفروضہ معلوم ہوتا ہے۔ اِس لئے کہ سورۂ مُحمّد کے بعد سُورۂ الفتح کے آخر میں لکھا ہے "تم ھذہ السورۃ یوم الخمیس السابع عشر من

Marfat.com

ذی الحجہ سنہ ۶۰۳ من الھجرۃ"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فتح کی تفسیر امام رازی کے وصال سے تین سال پہلے لکھی گئی تھی۔

بہرحال طرز تحریر اور انداز میں اس قدر مناسبت ہے کہ اصل تفسیر کبیر اور تکملہ کا امتیاز مشکل ہے۔ اس کے تکملے اور حضرات نے بھی لکھے ہیں چنانچہ تفسیر کا تکملہ شہاب الدین بن خلیل دمشقی (سنہ ۶۳۹ھ) اور شیخ نجم الدین احمد بن محمد متوفی سنہ ۷۲۷ھ نے بھی لکھا ہے۔ علامہ نجم الدین کا تکملہ زیادہ متداول ہے۔ ان کے علاوہ برہان الدین نسفی نے الواضح کے نام سے اس تفسیر کا اختصار بھی لکھا ہے۔"[1]

عبدالحلیم نجار نے مذاہب التفسیر الاسلامی کی تعلیقات میں لکھا ہے کہ تفسیر کبیر کی تکمیل امام رازی کے شاگرد شمس الدین احمد بن خلیل متوفی سنہ ۶۳۷ھ نے کی موصوف دمشق کے قاضی القضاۃ تھے اسی طرح قاضی اسکندریہ محمد بن ابی القاسم متوفی سنہ ۷۰۹ھ نے بھی تکملہ لکھا ہے۔"[2]

سبب تالیف

امام رازی فرماتے ہیں کہ کسی موقع پر میری زبان سے یہ بات نکل گئی کہ سورۂ فاتحہ سے دس ہزار مسائل مستنبط ہو سکتے ہیں۔ کچھ حاسدین اور جاہلوں نے میری بات کا مذاق اڑایا جب میں نے تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا تو میں نے مناسب سمجھا کہ مقدمہ میں اس امر پر تنبیہ کر دی جائے کہ ایسا کرنا ممکن ہے۔ اس کے بعد امام رازی نے مخصوص کلامی انداز میں استعاذہ سے متعلق ہزاروں مسائل کی طرف اشارہ کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ تعوذ تمام یا بعض امور کو شامل ہے۔ اس طرح اعوذ باللہ سے دس ہزار سے کم و بیش مسائل کا استنباط ممکن ہے۔[3]

1۔ کشف الظنون۔ ج: ۲، ص: ۷۵۶۔

2۔ تعلیقات مذاہب التفسیر الاسلامی۔ ص: ۱۲۹۔

3۔ مقدمہ تفسیر کبیر۔ ص: ۴، ایڈیشن سوم۔

Marfat.com

ظاہر ہے کہ اتنی کثیر تعداد عبارت سے تو ثابت نہیں ہوتی۔ لازماً اشارات و کنایات سے استنباط ہونے والے تمام مسائل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس سے مصنف کے رجحان طبع کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی تفسیر میں مسائل و اشارات کو بہ کثرت بیان کرنا چاہتے ہیں۔

تفسیر کا عمومی انداز

امام رازی عبارت بڑی سلیس اور عمدہ لاتے ہیں مشکل مسائل کو بڑی آسانی سے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ عموماً ہر سورت کے شروع میں اس کے فضائل اور ماقبل سے ربط کو ذکر کر دیتے ہیں۔ یہ بات ضرور کھٹکتی ہے کہ فضائل میں روایات کی صحت کا خیال نہیں فرماتے ہر قسم کی روایات ذکر کر دیتے ہیں۔ اس بارے میں امام رازی کا تساہل افسوسناک ہے۔

آیت کی تفسیر کرتے وقت عموماً ماقبل سے ربط کو بیان کر دیتے ہیں پھر "فیہ مسائل" کے عنوان سے آیت کے متعلقہ مباحث، مسائل اور فوائد کو بیان کر دیتے ہیں اس میں عموماً اپنے اجتہاد سے کام لیتے ہیں۔ دوسروں پر انحصار نہیں کرتے۔ تفسیری مباحث میں لغوی اور ادبی تحقیق، اختلاف قرأت کی توجیہ، علم کلام کے مشکل مسائل کا حل، حکماء اور علماء کلام کے اقوال اور ہر ایک کا استدلال، مخالفین کے شبہات کے جوابات بڑی تفصیل سے ذکر فرماتے ہیں اگر آیت میں کسی اہم موضوع کا ذکر آجائے تو اس پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں۔ مثال کے طور پہ پہلے پارے میں ہاروت ماروت کا ذکر آتا ہے امام رازی نے یہاں پر سحر کی حقیقت، اس کے اقسام اور احکام پر بحث کی ہے اسی طرح قصہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام میں عصمت انبیاء کرام کے مسئلے پر تفصیلی بحث کی ہے۔

Marfat.com

امام علم طب، تشریح الاعضار سے تعلق رکھنے والی آیات کے ذیل میں طب و تشریح کے مسائل پر تفصیلی بحث کرتے ہیں اسی طرح علم نجوم اور علم ہیئت کے مسائل پر بھی بحث کی ہے جس سے امام کے تبحر علمی کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

۲۔ امام رازی کی تفسیر کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اشاعرہ متکلمین کے مسلک کو دلائل کے ساتھ ثابت کرتے ہیں۔ معتزلہ کے مسلک پر ضرب کاری لگاتے ہوئے مخالفین کے استدلال اور پھر ان کے ابطال پر بڑا عمدہ کلام کرتے ہیں۔ اگر آیت میں احتمال زیادہ ہوں تو سب کو بیان کرنے کے بعد مسلک اہل سنت (اشاعرہ) کی تائید میں جانے والے احتمال کو قوتِ دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ استدلال سے علماء اشاعرہ کے مسلک کو ثابت کرنا اس تفسیر کی سب سے بڑی خصوصیت ہے بعد میں آنے والے مفسرین نے اس سے اکتساب فیض کیا ہے۔

۳۔ امام نے تفسیر ماثور کے مروجہ اسلوب سے ہٹ کر معقول و استدلال کا انداز اختیار کیا ہے اس لئے کہ حکماء اور معتزلہ کے اعتراضات کا جواب دینے کا صرف یہی طریقہ تھا۔ امام رازی تفسیر پڑھنے والے کے ذہن کو تمام شبہات سے صاف کرنے کے لیے مخالفین کے دلائل کا جواب علم کلام کی روشنی میں دیتے ہیں اس طرح آپ کی تفسیر میں مشکل کلامی مسائل کی بھرمار ہو گئی ہے جس سے نمٹنا صرف امام رازی کا کام ہے۔ امام رازی نے باطنیہ، ملاحدہ، جبریہ، معتزلہ سب کے شبہات کا ازالہ کیا ہے۔ یہ کام صرف تفسیر بالماثور سے نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے امام رازی نے عقل و استدلال کی راہ اختیار کی۔

۴۔ امام رازی نے اسرائیلی روایات پر تنقید کی ہے اور تنزیہ باری تعالیٰ، عصمت انبیاء اور عصمت ملائکہ کے مسائل کو دلائل سے مضبوط کیا ہے۔

۵۔ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں فلسفۂ یونان کے ترجمے نے مسلمانوں کے ذہنوں

Marfat.com

میں اضطراب اور تشکیک پیدا کر دی تھی۔ یہ امام غزالی، امام رازی اور دوسرے اکابر علمار متکلمین کا اُمت پر احسان ہے کہ اُنھوں نے فلسفہ کی یلغار کو صرف روکا ہی نہیں بلکہ آگے بڑھ کر اِس پر پے درپے وار کیئے جس سے فلسفۂ یُونان کا زور ٹوٹ گیا۔ اِس طرح ایک بہت بڑے فتنے کا سدِّ باب ہو گیا۔

تفسیر کبیر کے ماخذ

امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر ماثورہ کے ذخیروں کے علاوہ علمار معتزلہ کی کتابوں کو سامنے رکھا تاکہ زہر کے مطابق تریاق مہیّا کیا جا سکے۔ آپ کی تفسیر میں ابوسلم اصفہانی، ابوالقاسم بلخی اور جار اللہ زمخشری کے حوالے ملتے ہیں۔ آپ نے رسائل اخوان الصفا سے بھی نام لیئے بغیر حوالے اخذ کیئے ہیں۔ شہرزوری کی تحقیق کے مطابق امام نے یعقوب کندی اور عبدالکریم شہرستانی کی کتابوں سے بھی اِستفادہ کیا ہے۔ آپ امام غزالی سے بہت متاثر تھے۔ اپنی تفسیر میں جا بجا غزالی کے حوالے دیتے ہیں۔

چنانچہ سورۂ نور کی آیت نور کی تفسیر میں لکھتے ہیں "شیخ غزالی نے اس آیت کی تفسیر میں مشکوٰۃ الانوار لکھی ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیقت میں نُور ہے بلکہ نُور خالص صِرف وہی ہے۔ میں غزالی کے کلام کا محصل لکھوں گا۔ اور اِس میں اضافہ کر دوں گا۔" [۱]

امام فخرالدین رازی نے حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ پر کہیں کہیں تنقید بھی کی ہے۔ چُنانچہ سُورۂ انعام کی تفسیر میں مقولہ ابراہیمی " **لا احب الافلین** " (میں غروب ہونے والوں کو دوست نہیں رکھتا) پر کلام کرتے ہُوئے فرماتے ہیں " **تفلسف الغزالی فی بعض کتبه وحمل الکوکب علی النفس الناطقة..... واعلم ان هذا الکلام لا باس به الا**

---

[۱] تفسیر کبیر۔ ج: ۶، ص: ۲۷۵۔ نسخہ قدیمہ

Marfat.com

انه یبعد حمل لفظ الآیة علیه" ؎۱

امام غزالی نے بعض کتابوں میں فلسفیانہ رنگ اختیار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ستارے سے مراد نفس ناطق ہے (آگے چل کر لکھتے ہیں کہ) اس تاویل میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن الفاظ آیت کو اس معنی پر محمول کرنا بہت دور کی بات ہے۔"

ہم امام غزالی کی طرف سے امام رازی کو ادباً عرض کرتے ہیں کہ حضرت آپ نے بھی اپنی تفسیر میں بیسیوں مقامات پر ایسا کیا ہے کہ عقلی و استدلالی تاویل کو ترجیح دی ہے۔ چاہے وہ الفاظ ظاہر سے کتنی دور کیوں نہ ہو — فما هو جوابکم، فهو جواب الغزالی" جو جواب آپ دیں گے وہی جواب ہم غزالی کی طرف سے پیش کر دیں گے۔ امام رازی نے ادبی و بلاغی مباحث کے لئے کشاف کو پیش نظر رکھا ہے اور از روئے انصاف اس کی ادبی تحقیق کی داد دی ہے لیکن ساتھ ہی اس کی معتزلانہ چال سے باخبر بھی کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"وشرع صاحب الکشاف ههنا فی سفاهة عظیمة والاولیٰ ان لا یلتفت الیه کانه وان کان قد سعی سعیا حسنا فیما یتعلق بالالفاظ الا ان المسکین کان بعیدا من المعانی" ؎۲

یہاں پر صاحب کشاف نے بہت بڑی حماقت کا آغاز کیا ہے بہتر ہے کہ اس کی طرف توجہ نہ دی جائے کیونکہ اگرچہ وہ لفظی بحث میں اچھی کوشش کرتا ہے۔ لیکن بیچارہ معانی کتاب سے بہت دور ہے۔"

امام رازی نے معتزلی مفسر قفال کا ذکر اچھے الفاظ میں کیا ہے ایک جگہ فرماتے

؎۱ - تفسیر کبیر - ج: ۳۰، ص: ۸۰ - مطبوعہ مصر ۱۳۲۴ھ

؎۲ - تفسیر کبیر - ج: ۷، ص: ۳۴۹ - نسخۂ قدیمہ

Marfat.com

ہیں کہ "واعلم ان القفال كان حسن الكلام في التفسير دقيق النظر في تاويلات الالفاظ الا انه كان عظيم المبالغة في تقرير مذهب المعتزلة "[1]

قفال مرحوم تفسیر میں بہت اچھا کلام کرتے ہیں۔ ان کی نظر تاویلات الفاظ میں بڑی گہری تھی مگر افسوس کہ وہ مذہب معتزلہ کے ثابت کرنے میں بہت مبالغے سے کام لیتے تھے۔

امام رازی ابومسلم اصفہانی سے بہت متاثر ہیں۔ آپ نے اپنی تفسیر میں جا بجا اس کے اقوال نقل کئے ہیں اور اس کی تحسین کی ہے۔ علامہ سعید انصاری نے الملتقط جامع التاویل لمحکم التنزیل کے عنوان سے اس کی تفسیری آرا کو تفسیر کبیر سے چھانٹ کر الگ کتابی شکل دی ہے۔

امام رازی نے چند مقامات پر جمہور مفسرین کی رائے کے مقابلے میں ابومسلم اصفہانی کی رائے کو محض اس لئے تسلیم کیا ہے کہ وہ زیادہ قرین قیاس ہے اور اس میں درایت کا پہلو غالب ہے۔ چنانچہ سورۂ آل عمران میں جہاں حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کا ذکر آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے فرزند یحییٰ علیہ السلام کی ولادت پر غیبی نشانی مانگتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ "اس کی نشانی یہ ہے کہ تم تین دن تک بات نہیں کر سکوگے مگر رمز اور اشارے سے" اب یہاں پر مفسرین میں اختلاف ہے کہ تین دن تک کلام نہ کرنے کا مفہوم کیا ہے۔ جمہور کہتے ہیں کہ یہ بات خرق عادت سے ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام تندرست اور صحیح زبان رکھنے کے باوجود تین دن کلام پر قادر نہ ہو سکے۔ وہ اپنی قوم کو اشارہ کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح بجا لاؤ۔

ابومسلم اصفہانی نے کہا ہے کہ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے حکماً زکریا علیہ السلام کو پابند

---

[1] تفسیر کبیر۔ ص: ۴۹۹۔ جلد دوم

Marfat.com

کر دیا کہ وہ تسبیح و تحمید کے سوا کوئی دنیاوی بات مُنہ سے نہ نکالیں تاکہ یہ خاموشی نعمتِ الٰہی کا شکرانہ بن سکے۔

امام رازی یہاں فرماتے ہیں " وھذا القول عندی حسن معقول وابو مسلم حسن الکلام فی التفسیر کثیر الغوص علی الدقائق واللطائف " لہ

" میرے نزدیک یہ کلام بڑا عمدہ اور معقول ہے ابُو مُسلم تفسیر پر اچھا کلام کرتا ہے باریک اور لطیف نکات کے لئے کثرت سے غواصی کرتا ہے۔"

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام رازی کتنے منصف مزاج اور وسیع القلب مفکر اسلام تھے اپنے سب سے بڑے مدِمقابل گروہ معتزلہ کے مفسّر کے بارے میں ان کے یہ کلمات ان کی وسیع القلبی اور عالی ظرفی کا مُنہ بولتا ثبوت ہیں۔

اسی طرح سُورۂ طٰہٰ کی تفسیر میں بھی امام رازی نے ابو مُسلم اصفہانی کے قول کو ترجیح دی ہے۔

تفصیل یُوں ہے کہ جب سامری نے بچھڑا بنا کر لوگوں کو گُمراہ کیا اس وقت مُوسٰی علیہ السلام طُور پر گئے ہوئے تھے (وہاں نہیں تھے) آپ واپس آئے تو سخت غضبناک ہُوئے سامری سے دریافت کیا کہ تُو نے کیا کر دکھایا۔ اُس نے کہا کہ مُجھے اللہ کے رسُول جبریل علیہ السلام کی سواری کے پاؤں تلے مٹی کی ایک مُٹھی مل گئی وہ میں نے اس مصنوعی بچھڑے کے مُنہ میں ڈال دی تو یہ آواز کرنے لگ گیا۔ جمہُور مفسّرین یہی فرماتے ہیں کہ فقبضت قبضۃ من اثر الرسول " لہ سے مُراد جبریل علیہ السلام کی سواری کے سموں تلے آنے والی خاک ہے جو بچھڑے کے مُنہ میں ڈال دی گئی۔

لہ۔ تفسیر کبیر۔ ج ۷، ص: ۳۴۳۔ مطبع بہیہ مصر۔
لہ۔ سُورۂ طٰہٰ۔ آیت: ۹۶

Marfat.com

ابُو مُسلم اصفہانی نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ سامری نے مُوسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ میں اولاً تو رسُول یعنی مُوسیٰ علیہ السلام کے نقشِ قدم پر چلا پھر اسے غلط سمجھ کر چھوڑ دیا۔ ابُومُسلم کا یہ قول ظاہر الفاظ سے بعید ہے۔ سیاق و سباق بھی اس کا مؤید نہیں۔ بچھڑا پوجنے کا واقعہ بھی اس سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ لیکن امام رازی اس قول کو ندرت اور غرابت کی بنا پر تسلیم کرتے ہیں اور بڑے دلچسپ انداز میں فرماتے ہیں "واعلم ان هذا القول الذی ذکره ابومسلم الاصفهانی لیس فیه الا مخالفة المفسرین ولکنه اقرب الی التحقیق[1]"

یہ قول جسے ابُومسلم اصفہانی نے ذکر کیا ہے اس میں مخالفت مفسّرین کے سوا اور کوئی بات قادح نہیں یہی قول تحقیق سے قریب تر ہے" پھر امام رازی نے کئی وجُوہ سے اس قول کی برتری ثابت کی ہے۔ ہمارے کہنے کا مدعا یہ ہے کہ امام رازی پر عقلیت پسندی کا اثر بھی غالب تھا۔ اِس لیے وہ بعض اوقات ظاہر تفسیر کو چھوڑ کر دُور کی تاویل کو پسند کر لیتے تھے۔

امام رازی کی عقلیّت پسندی

امام رازی اشاعرہ کے ترجمان ہونے کے باوجُود عقلیّت پسندی سے نہ بچ سکے آپنے کہیں کہیں امام غزالی پر چوٹ کی ہے کہ وُہ فلسفہ اور منطق سے زیادہ اعتنا کرتے ہیں لیکن اگر انصاف سے دیکھا جائے تو امام رازی اس میدان میں امام غزالی سے آگے ہیں بعض مقامات پر امام رازی نے عقلیت پسندی کی بنا پر جمہور مفسّرین کے اقوال کے مقابلے میں معتزلہ مفسّرین کی بات کو مان لیا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ امام رازی نے اپنی وسعت علمی اور دقّتِ نظری کی بنا پر فلاسفہ، ملاحدہ اور معتزلہ کے غلط عقلی رجحانات پر شدید تنقید کی ہے۔ اور انھیں روح اسلام کے منافی قرار

---

[1] - تفسیر کبیر - ص: ۱۱۱، ج: ۲۲-

Marfat.com

دیلہ ہے۔ لیکن خود بھی کہیں کہیں حریف سخت جاں سے مات کھا جاتے ہیں۔ اور دبے لفظوں، اشاروں اور کنایوں میں اثر و نقل کی بجائے عقل کی بالادستی کو تسلیم کر جاتے ہیں۔ وہ اس قسم کے عقلی رجحانات کو اپنا قول قرار دے کر پیش نہیں کرتے لیکن اُسلوب بیان سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ ارباب فکر و نظر، حکمار اسلام وغیرہ کے عنوان سے جن لوگوں کے اقوال بیان کر رہے ہیں وہ درحقیقت ان کے اپنے پسندیدہ اور مختار اقوال ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان اقوال کو ذکر کرنے کے بعد کبھی کوئی تردیدی یا تنقیدی جملہ نہیں لکھتے۔ یہ امام رازی کا حکیمانہ انداز ہے۔ کہ وہ اس قسم کے اقوال کو تنقید یا تائید کے بغیر بیان کر دیتے ہیں اور یہ فیصلہ تفسیر پڑھنے والوں پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ کس قول کو زیادہ صحیح سمجھتے ہیں۔

بہتر ہو گا کہ چند مثالوں سے اس کی وضاحت کر دی جائے۔

۱۔ امام فخرالدین رازی نے آیت میثاق کی تفسیر میں دو قول نقل کئے ہیں ایک جمہور مفسرین کا قول ہے جس میں حضرت عبداللہ بن عباس، سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، ضحاک، عکرمہ رضی اللہ عنہم وغیرہ داخل ہیں۔ جو حضرات تفسیر ماثور کے طور پر بیان کرتے ہیں کہ اولادِ آدم کو آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا گیا اور ان سے رب تعالیٰ کی ربوبیت کا عہد لیا گیا یہ میثاق قولی تھا۔ دُوسرا معتزلہ کا قول ہے کہ اولادِ آدم میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور وحدانیت کے دلائل رکھ دیئے گئے ہیں کہ انسان ان میں غور کرے تو لازماً پکار اُٹھے "بلی أنت ربنا" کیوں نہیں تو ہمارا رب ہے۔ اس کو امام رازی اصحاب النظر اور ارباب المعقولات کا قول قرار دے کر فرماتے ہیں: "لا طعن فیه البتة"[۱] تحقیق اس قول میں کوئی طعن نہیں۔

گو انہوں نے پہلے قول کو بھی غلط نہیں کہا کیونکہ وہ حدیث ماثور سے ثابت ہے لیکن اپنا اشارہ دُوسرے قول کی طرف کر دیا تاکہ عقلیت پسند حلقے اس پر اعتراض نہ کر سکیں۔

۱۔ تفسیر کبیر۔ ص: ۵۰، ج: ۱۵

Marfat.com

۲. سُورۂ رعد کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ وزن اعمال کے بارے میں دو رائے ہیں۔ ۱. اشاعرہ متکلمین کا مذہب ہے کہ فی الواقع نامۂ اعمال تولے جائیں گے اور اس سے غایت یہ ہوگی کہ ہر شخص پر واضح ہو جائے کہ اس کے نیک اعمال زیادہ ہیں یا بُرے۔ ۲. دُوسری رائے حکمار اسلام کی ہے کہ جب انسان کوئی اچھا یا بُرا کام کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک خاص نشان پڑ جاتا ہے اور جس قدر یہ افعال بار بار ہوتے ہیں وہ نشان بڑھتا جاتا ہے حتیٰ کہ دل میں اچھی یا بُری بات کا نقش ثابت ہو جاتا ہے یہی کتاب اعمال ہے۔ اسی پر انجام کا دارومدار ہے اگر نیکی کا ملکہ غالب آجائے تو مرنے کے بعد خُوشی نصیب ہوگی اور اگر بُرائی کا ملکہ غالب آجائے تو اذیت ملے گی۔" ۱

یہاں پر بھی امام رازی نے دُوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔

۳. سُورۂ ابراہیم کی تفسیر میں ایک مقام پر بحث کرتے ہُوئے فرماتے ہیں کہ علمار ظاہر کا مسلک یہ ہے کہ نبوّت محض عطائی اور وہبی ہے اور حکمار اسلام کہتے ہیں کہ جب تک نفسِ انسانی میں مخصُوص قدسی صفات نہ پائے جائیں وہ منصب نبوّت پر سرفراز نہیں ہو سکتا۔" ۲

یہاں پر بھی امام رازی نے حکمار اسلام اور اہل سنّت کے علمار ظاہر کے درمیان ایک اختلافی مسئلے کا حوالہ دیا ہے اور پھر یہ فیصلہ تفسیر پڑھنے والوں پر چھوڑ دیا کہ وُہ کس قول کو ترجیح دیتے ہیں۔

غرضیکہ امام رازی نے روایت اور درایت دونوں پہلوؤں کا فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیا ہے۔ البتہ قول حکمار کی ترجیح کی طرف اشارہ کر دیا ہے جس سے ان کا رجحان اور جھکاؤ حکمار اسلام کی طرف نظر آتا ہے۔

۱۔ تفسیر کبیر۔ ج: ۱۹، ص: ۲۱

۲۔ تفسیر کبیر۔ ج: ۱۹، ص: ۹۲

Marfat.com

امام رازی پر تنقیدات اور اُن کے جوابات

بعض محدثین نے امام رازی پر تنقید بھی کی ہے چنانچہ حافظ شمس الدین ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں" الفخر بن الخطیب صاحب التصانیف راس فی الذکاء والعقلیات لکنه عری من الاثار وله تشکیکات علی مسائل من دعائم الدین تورث حیرة نسأل الله ان یثبت الایمان فی قلوبنا وله کتاب السر المکتوم فی مخاطبة النجوم سحر صریح فلعله تاب من فعله "۔ [1]

"فخرالدین رازی صاحب تصانیف ہیں ذہانت اور عقلیات میں لوگوں کے سربراہ لیکن حدیث و آثار سے خالی ہیں۔ اُنھوں نے دین کے بنیادی مسائل میں شک پیدا کرنے والی گفتگو کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو ایمان پر ثابت رکھے۔ اُنھوں نے السر المکتوم نامی کتاب لکھی ہے جو صراحتاً جادو ہے شاید اُنھوں نے بعد میں اپنے اس فعل سے توبہ کر لی ہو۔"

علامہ تاج الدین سبکی فرماتے ہیں کہ جب امام رازی رواۃ حدیث سے نہیں ہیں تو انھیں ضعفاء میں شمار کرنے کا کیا مطلب ہے پھر ان پر یہ الزام کہ اُنھوں نے السر المکتوم لکھی یہ بالکل غلط ہے۔

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی نے شرح احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ مخالفین نے امام غزالی پر بھی اس کی تصنیف کا الزام لگایا ہے لیکن یہ دونوں الزام غلط ہیں نہ امام غزالی نے یہ کتاب لکھی ہے نہ امام رازی نے "۔ [2]

---

[1] ۔ میزان الاعتدال ۔ ج: ۳، ص: ۳۲۴

[2] ۔ اتحاف السادۃ المتقین ۔ ج: ۲، ص: ۳۲۶

Marfat.com

اسلام کی دو عظیم شخصیتوں کے دامن کو داغدار کرنے کے لیئے مخالفین نے یہ الزام تراشا
ہے جو سراسر لغو ہے۔

۲۔ حافظ ابن حجر عسقلانی "لسان المیزان" میں امام فخرالدین رازی پر تنقید کرتے ہوئے
فرماتے ہیں کہ "میں نے اکسیر فی علم التفسیر میں دیکھا ہے کہ تفسیر قرطبی اور تفسیر کبیر امام رازی
سے بڑھ کر مسائل تفسیر پر کوئی کتاب نہیں مگر اس میں دو خامیاں ہیں مجھے شرف الدین نصیبی
نے اپنے شیخ سراج الدین المغربی کے حوالے سے بتایا کہ اُنھوں نے دو جلدوں میں کتاب المآ
لکھی جس میں تفسیر کے کھوٹے اور ناقابل استعمال سکے واضح کئے تھے وہ بھی امام رازی سے
نالاں تھے۔ اور کہتے تھے کہ امام رازی مخالفین کے اعتراض کو بڑی قوت سے پیش کرتے
ہیں اور اس کے جواب کو انتہائی ضعف کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ ابن خلیل سکونی نے اپنی
کتاب "الرد علی الکشاف" میں لکھا ہے کہ رازی نے اپنی کتاب اصول میں لکھا ہے کہ جبری
کا مذہب صحیح ہے،، [1]

ہمارے خیال میں اس قدر جرح شدید دُرست نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ
امام رازی پڑھنے والے کی تشحیذ ذہنی کے لیئے بعض اوقات لمبی لمبی بحثیں چھیڑ دیتے ہیں
بعض اوقات یا تو جواب نہیں دیتے۔ اگر دیتے ہیں تو صرف اجمالی انداز میں۔ مثلاً سُورۃ ا
کی تفسیر میں مُخالفین کا شُبہ پیش کرتے ہیں کہ مستعاذ منہ (جس کے شر سے پناہ مانگی جا
کوئی مصلحت اور مفاد ہوگا یا نہ۔ مصلحت ہو تو مکلف کو پناہ مانگنے کی ترغیب کیوں
جا رہی ہے اور مصلحت نہ ہو تو اُسے پیدا کیوں کیا گیا۔ اس کے جواب میں صرف اتنا فرما
ہیں۔ **لایسئل عما یفعل وھم یسئلون** " اللہ تعالیٰ سے
پُوچھا جا سکتا کہ وہ کیا کرتا ہے البتہ بندوں سے پُوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے ر
ہیں،، [2]

---

[1] لسان المیزان۔ ج: ۴، ص: ۴۲۶

[2] تفسیر کبیر۔ ج ۳۲، ص: ۱۹۴

Marfat.com

ظاہر ہے کہ اس جواب سے مخالفین مطمئن نہیں ہو سکتے۔ رہا جبر کا الزام تو ہمارے خیال میں دُرست نہیں۔ امام فخرالدین رازی اہلِ سُنّت کے مسلّمہ پیشوا ہیں۔ ان پر یہ الزام کہ وہ عقیدۂ جبریہ رکھتے ہیں محض الزام اور بہتان ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

امام رازی جمہور اہلِ سُنّت کی طرح یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بندہ نہ اختیارِ کل رکھتا ہے نہ مجبورِ محض ہے معاملہ بَین بَین ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"قد ذكرنا مرارا ان الصراط المستقيم هو بين الجبر والقدر وهو الطريقة الوسطى"[۱]

ہم کئی بار ذکر کر چکے ہیں کہ صراطِ مستقیم جبر و قدر کے مابین ہے اور متوسط راستہ بھی یہی ہے۔ اس کے بعد بھی امام پر جبریہ کے ہم خیال ہونے کا اِلزام لگانا کہاں کا انصاف ہے۔؟

امام رازی پر یہ اعتراض بھی کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات حقیقیہ کے منکر ہیں صرف اضافات و اعتبارات کے قائل ہیں۔ ہمارے خیال میں اہلِ سُنّت اشاعرہ کے اتنے عظیم امام پر الزام لگانے والوں نے ظلم صریح سے کام لیا ہے امام صفات حقیقیہ کے قائل ہیں اُنھوں نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں صفات حقیقہ کا عمدہ انداز میں اثبات کیا ہے۔"[۲]

البتہ صفات حقیقہ کے علاوہ صفات افعالیہ اور اضافیہ کو بھی ثابت کیا ہے اور سورۂ اخلاص کی تفسیر میں صفات ثبوتیہ اور صفات سلبیہ دونوں کا اثبات کیا ہے۔ وُہ معتزلہ کی طرح صفات زائدہ علی الذات کے منکر نہیں۔ ان کا مسلک وہی ہے جو جمہور اشاعرہ کا ہے۔ امام چونکہ منکر صفات حقیقہ کے دلائل بھی ذکر کر دیتے ہیں جیسا کہ اُنھوں نے

۱۔ تفسیر کبیر۔ ج ۲۶، ص: ۱۰۲

۲۔ تفسیر کبیر۔ ج ۱: ص: ۱۳۲

Marfat.com

سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں کیا ہے تو اس سے بعض لوگوں کو وہم پیدا ہوتا ہے امام صفات حقیقیہ کے قائل نہیں۔

امام رازی مسئلہ کلام میں جمہور اہل سنت کے ساتھ ہیں اللہ تعالیٰ کی صفت کلام قدیم ہے جو غیر حادث ہے اور ہم جو الفاظ قرأت کرتے ہیں یہ اس معنی پر دال ہیں اور حادث ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ "ہم جب مسلسل پڑھے جانے والے حروف اور اُن کے اصوات پر کلام اللہ کا اطلاق کرتے ہیں تو اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ یہ الفاظ صفت حقیقی پر دال ہیں وہ صفت اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ لہٰذا اسے کلام اللہ کہنا مجاز ہے سلہ

غیر مسلم مستشرق کی رائے

مشہور جرمن مستشرق گولڈ زیہر کی رائے ہے کہ امام رازی کی تفسیر معتزلہ کی تفاسیر اور ان کے مسائل مستنبط کا ناقدانہ جائزہ ہے اور اپنے انداز کی آخری تفسیر ہے،،سلہ

امام رازی کی وسعت نظری اور عالی ظرفی

امام رازی علم کلام کے امام اور مشہور مناظر اسلام تھے آپ کہیں معتزلہ کے حملوں کا دفاع کرتے ہیں اور کہیں صفات، حسن و قبح (عقلی و شرعی) اور قضا و قدر کے مسائل میں آگے بڑھ کر معتزلہ پر وار کرتے ہیں۔ ان کا وار خطا نہیں جاتا۔ انھوں نے فلاسفہ اور معتزلہ پر جو مسلسل حملے کئے ہیں ان سے فلسفہ یونان بالکل بے جان ہو گیا ہے۔ پہلے بھی امام غزالی کی ضرب کاری سے وہ نیم جان تھا اب فخر الدین رازی کی ضرب مؤمن سے بالکل ہی مردہ ہو گیا۔ امام رازی معتزلہ سے اختلاف رکھنے کے باوجود کہیں کہیں نرم

لہ۔ تفسیر کبیر۔ ج: ۱، ص: ۳۱

سلہ۔ مذاہب التفسیر الاسلامی: ص: ۱۴۹

Marfat.com

اختیار کر لیتے ہیں۔ اس کی وجہ امام کی کمزوری نہیں بلکہ وسعت نظری اور عالی ظرفی ہے۔ وہ معتزلہ کے بارے میں بھی ان کی نیت پر حملہ نہیں کرتے سورۂ انعام کی تفسیر میں اپنے والد خطیب رازی کا قول نقل کرتے ہیں کہ اہلِ سُنّت کی نظر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر ہے اور معتزلہ کی نظر اس کے عدل پر ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اہلِ سُنّت کا اتنا بڑا امام اپنے بدترین دُشمن کے ساتھ بھی وسعت نظری کا معاملہ کرتا ہے اور اپنے اختلاف کو عصبیت کا رنگ نہیں دیتا۔

فخرالدّین رازی ایک جامع علمی شخصیّت

تفسیر کبیر کے مطالعے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ امام فخرالدین رازی کو اللہ تعالےٰ نے وسعتِ علمی سے نوازا تھا۔ اور انھیں تمام علوم و فنون متداولہ کا امام بنا دیا تھا۔ امام رازی سورۂ آل عمران کی آیت "ان فی خلق السمٰوٰت والارض" [1] کی تفسیر کرتے ہُوئے ماہر علم کلام نظر آتے ہیں۔ ساتھ ہی وُہ فلکیات، طبعیات اور طبقات الارض کے امام معلُوم ہوتے ہیں۔ جب سورۂ بقرہ کی آیات "انما حرم علیکم المیتۃ" [2] پر کلام کرتے ہیں تو ایک زبردست اصُولی اور ماہر فقہ نظر آتے ہیں۔ سورۂ بقرہ کی آیت "والذین اٰمنوا اشد حبا للہ" [3] کی تفسیر میں ایک عظیم صُوفی اور عارف نظر آتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جمہُور متکلمین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی طرف محبت کی نسبت نہیں ہو سکتی ہاں یہ مفہوم ہو سکتا ہے کہ بندہ اللہ تعالےٰ کی اطاعت کا ارادہ کرے اور اللہ تعالیٰ اس کے لیے اجر و ثواب کا ارادہ کرے مگر عارفین کاملین فرماتے ہیں کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ سے محبت ذاتی ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب

---

[1] سُورۃ آل عمران۔ آیت: ۱۹۰

[2] سُورۃ بقرہ۔ آیت: ۱۷۳ [3] سُورۃ بقرہ۔ آیت: ۱۶۵

Marfat.com

کے لئے محبت رکھنا نچلے درجے کی بات ہے۔ بلند مرتبے والے اللہ تعالیٰ کی ذات سے بغیر کسی طمع و خوف کے محبت رکھتے ہیں۔ لوگ لذت کو محبوب لذاتہ سمجھتے ہیں اور عارفین کاملین کمال ذاتی کو محبوب لذاتہ سمجھتے ہیں چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام صفات کمالیہ کی جامع ہے اس لئے اس سے محبت ذاتی ہو سکتی ہے جو لوگ صرف لذت کو محبوب لذاتہ جانتے ہیں ان کی نظر وہاں تک نہیں پہنچتی جہاں تک اللہ تعالیٰ کے سچے عاشقوں اور عارفوں کی نظر پہنچی ہے۔" [1]

امام رازی نے ہیئت اور نجوم کی بحثوں کو بڑی مہارت فنی کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ اسی طرح علم طب اور تشریح الاعضاء کی بحثوں کو متعلقہ آیات کی تفسیر میں بڑی تحقیق کے ساتھ تحریر کرتے ہیں۔

امام رازی نے اپنی تفسیر میں تمام علوم و فنون کو جس خوبی کے ساتھ سمویا ہے اس پر ان کے ناقدین یہ رائے رکھتے ہیں کہ اس کتاب میں تفسیر قرآن کے سوا سب کچھ ہے۔

ہمارے خیال میں امام نے مختلف علوم و فنون کی بحثیں اس نکتۂ نظر سے کی ہیں کہ دنیا والوں کو معلوم ہو جائے کہ قرآن کریم اپنے دعوے " **ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین** " [2]

(دنیا کے خشک و تر میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اس روشن کتاب میں نہ ہو) میں صادق ہے۔ امام ان علوم کو تفسیر کا موقوف علیہ نہیں سمجھتے بلکہ زائد فوائد کی حیثیت دیتے ہیں وہ قارئین کے ذہن میں وسعت پیدا کرنے کے لئے مختلف علوم و فنون کی بات کرتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ ان مسائل مستنبطہ کو تفسیر قرآن حکیم کا درجہ دیتے ہیں۔ تفسیر قرآن تو وہی ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان

---

[1] - تفسیر کبیر - ج : ۲، ص : ۲۳۲

[2] - سورۃ انعام - آیت : ۵۹

Marfat.com

نے بیان فرمادی اب اس تفسیر کی روشنی میں مزید مسائل استنباط کیے جاسکتے ہیں اور اس استنباط پر اختلاف رائے بھی ممکن ہے۔ کیونکہ یہ استنباط تفسیر نہیں بلکہ ظنی واجتہادی استنباط ہے جس میں کسی مفسر کا اپنا قول حرف آخر نہیں رہا۔ یہ اعتراض کہ تفسیر اس طرح اپنے اصل منہاج سے ہٹ جاتی ہے اور خارجی مباحث میں پڑ کر مفسر اپنے اصل مقصود سے دُور چلا جاتا ہے۔ یہ بات واقعی قابل غور ہے کہ مفسر بنیادی طور پر مفہوم قرآن کا ترجمان ہے۔ درس نصیحت، تذکیر باحوال امم سابقہ، احوال آخرت جیسی ضروری چیزیں بیان کرنا مفسر کے لئے ضروری ہیں تاکہ وہ ہماری اصلاح فرمائے لیکن یاد رہے کہ امام رازی اس بنیادی مقصد سے غافل نہیں۔ امام فخر الدین رازی کے بارے میں یہ ذکر کرنا فائدے سے خالی نہیں کہ جس طرح وہ معقولات کے امام ہیں اسی طرح عربی ادب اور لسانی تحقیقات کے بھی ماہر ہیں آپ نے اپنی تفسیر میں ادبی ولغوی تحقیقات بھی درج کی ہیں۔ مثلاً۔ "وان تولوا فانما هم في شقاق"[۱]

کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "شقاق شق سے ماخوذ ہے گویا ایک آدمی ایک شق پر ہے تو دُوسرا دُوسری شق پر اس کی نظیر محادۃ ہے ایک آدمی ایک حد پر تو دُوسرا دُوسری حد پر اس کی مثل تعادی ہے۔ ایک آدمی ایک گھاٹی میں ہے تو دُوسرا دُوسری گھاٹی میں اس کی مثل مجانبہ ہے ایک آدمی ایک جانب اختیار کرتا ہے تو دُوسرا دُوسری جانب،،[۲]

غرضیکہ تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی کی ہمہ گیر علمی شخصیت کا صحیح عکس پیش کرتی ہے۔ اس میں معقولات، منقولات، ادبیات اور علوم حکمت و منطق سب کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ بشری تقاضے کی بنا پر کہیں کہیں امام سے خطا بھی ہوئی ہے۔ لیکن ان کی خوبیاں خطا پر غالب ہیں۔ تفسیر کبیر نے ایک ایسا تفسیری ذوق پیدا کر دیا کہ بعد میں آنے والے علماء نے اسی انداز میں تحقیقی کام کیا ہے۔

---

[۱] سورۂ بقرہ - آیت : ۱۳۷

[۲] تفسیر کبیر - ج : ۳، ص : ۹۴

Marfat.com

فن تفسیر اور علمائے متاخرین

امام فخرالدین رازی کے بعد بھی علمائے اہل سنت نے تفسیر قرآن حکیم پر اپنا کام جاری رکھا کسی نے استدلالی پہلو کو ترجیح دی کسی نے اثری انداز اپنایا لیکن اثری انداز پر علم کلام اور استدلال کا رنگ غالب رہا۔ اس لئے ہم نے ان تفاسیر کو استدلالی دور کی تفاسیر قرار دیا ہے۔ اس دور میں بکثرت تفاسیر لکھی گئیں لیکن ہم درج ذیل تفاسیر اور مفسرین کے تذکرہ پر اکتفا کریں گے۔

۱۔ تفسیر قرطبی

تفسیر قرطبی کا پورا نام الجامع لاحکام القرآن ہے اس کے مؤلف امام ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری خزرجی قرطبی ہیں۔ تفسیر قرطبی ساتویں صدی ہجری کا عظیم شاہکار ہے۔ مفسر بڑے محقق عالم اور فقیہ تھے۔ ان کی تصانیف میں تفسیر کے علاوہ الاسنیٰ فی شرح الاسماء الحسنیٰ اور التذکرۃ باحوال الموتیٰ والآخرۃ بھی مشہور رہیں۔ آپ کی تفسیر روایت و درایت دونوں پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ آپ ہر سورۃ کے آغاز میں شان نزول اور فضائل سورۃ بیان کرتے ہیں الفاظ قرآنی کی تحقیق میں بسا اوقات شعرائے عرب کے کلام سے استدلال کرتے ہیں اور آیات احکام میں فقہی مسائل بیان کرتے ہیں۔ تفسیر قرطبی کے مطالعے سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ یہ ایک جامع تفسیر ہے جو فن تفسیر کے ہر پہلو سے بحث کرتی ہے۔ تفسیر کے مطالعے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ آپ صحابۂ کرام اور تابعین عظام علیہم الرضوان کے علاوہ متقدمین مفسرین مثلاً ابن جریر، ماوردی، ثعلبی، ابن عطیہ، ابوجعفر نحاس کے حوالے بھی دیتے ہیں۔ صحاح ستہ اور دوسری کتب حدیث سے ایسی روایات لیتے ہیں جن کا تعلق تفسیر آیات

Marfat.com

سے ہو۔ مسائل کلام میں آپ کی گہری نظر ہے۔ غلط اور صحیح استدلال میں نہایت عمدہ طریقے سے امتیاز کرتے ہوئے غلط استدلال کی تردید کر دیتے ہیں۔

سورۂ نساء کی آیت " **قل کل من عند الله** " [1] سے بعض متکلمین اہل سنت نے استدلال کیا ہے کہ نیکی اور بدی سب تقدیر خداوندی سے ہے۔ اس کے بالمقابل قدریہ نے بعد والی آیت " **ما اصابك من حسنة فمن الله وما اصابك من سيئة فمن نفسك** " [2] سے استدلال کیا ہے تمہیں جو بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچے وہ تمہارے اپنے نفس کی طرف سے ہے۔ امام قرطبی ہر دو استدلال کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں " **هذه الاية انما يتعلق بها الجهال من الفريقين لانهم بنوا ذالك على ان السيئة هي المعصية وليست كذالك لما بيناه** " [3]

" اس آیت سے ہر دو فریق کے جاہلوں نے اپنے اپنے مسلک پر استدلال کیا ہے ان کے استدلال کی بنیاد اس بات پر ہے کہ سیئة سے مراد معصیت اور گناہ ہے حالانکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ سیئة سے یہاں پر مراد جسمانی تکلیف اور پریشانی ہے معصیت اور گناہ نہیں "

علامہ سیوطی نے حافظ شمس الدین ذہبی کا قول نقل کیا ہے کہ علامہ قرطبی امام متقن اور متبحر عالم دین تھے آپ کی تصانیف آپ کی وسعت علمی پر دال ہیں۔ آپ نے ۶۷۱ھ میں وفات پائی۔ [4]

---

[1] ۔ سورۂ نساء آیت : ۷۸

[2] ۔ سورۂ نساء ۔ آیت : ۷۹

[3] ۔ تفسیر قرطبی ۔ ج : ۵ ۔ ص : ۲۸۷

[4] ۔ طبقات المفسرین : ص : ۷۹

Marfat.com

صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں کہ سراج الدین عمر المعروف ابن ملقن الشافعی متوفی ۸۰۴ھ نے اس تفسیر کا اختصار لکھا ہے۔" لہ

تفسیر بیضاوی

اس کا مکمل نام تفسیر انوار التنزیل واسرار التاویل ہے۔ یہ قاضی ناصر الدین عبداللہ بن عمر بیضاوی کی تصنیف ہے۔ مصنّف ایک مایہ ناز فقیہ، اصولی اور مفسّر تھے۔ آپ نے تفسیر کے علاوہ اصول میں منہاج الوصول الی علم الاصول منطق میں شرح المطالع۔ فروع فقہ شافعی میں الغایۃ القصوی فی درایۃ الفتویٰ اور حدیث میں شرح مصابیح السنۃ تالیف کی۔، ٢ہ

آپ کی کل تصانیف بیس سے زائد ہیں۔

علامہ تاج الدین سبکی آپ کی ذہانت کا ایک واقعہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:
کہ جب آپ عہدۂ قضا سے معزول ہو کر تبریز پہنچے تو ایک فاضل مدرس کے حلقۂ درس میں جانے کا اتفاق ہوا۔ آپ تواضع کے ساتھ پچھلی صف میں باادب بیٹھ گئے۔ مدرس نے علمی نکتہ بیان کیا۔ اس کا خیال تھا کہ کوئی اس کا جواب نہ دے سکے گا۔ اس لئے اس نے کہا کہ حاضرین میں سے کوئی ہے جو اسے حل کر دے اگر حل نہ کر سکے تو سوال ہی دہرا دے؟ امام بیضاوی نے سوال دہرایا۔ اس کا صحیح جواب دیا۔ مدرس کے علمی نکتے میں جو خامی تھی اسے بیان کر کے پھر اپنی طرف سے ایک علمی سوال پیش کیا۔ جس کے جواب سے مدرس نے معذرت کی وہاں پر شاہی وزیر موجود تھا۔ آپ کے علم سے متاثر ہوا اور خلعتِ فاخرہ بخشی۔، ۳ہ

لہ۔ کشف الظنون: ج: ۱، ص: ۵۳۴

٢ہ۔ معجم المؤلفین۔ ج: ۲، ص: ۹۹، البدایۃ والنہایۃ۔ ج: ۱۳، ص: ۳۹

۳ہ۔ طبقات سبکی: ج: ۵: ص: ۵۹

Marfat.com

یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ آپ نے ایک بزرگ شیخ محمد بن محمد کتحتائی کی معرفت دوبارہ عہدۂ قضار کی خواہش کی شیخ نے سفارش کی لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ یہ ایک فاضل عالم دین ہے۔ جو امیر کے ساتھ نار میں مصلے کی جگہ چاہتا ہے۔ ان الفاظ کا قاضی بیضاوی پر بڑا گہرا اثر ہُوا جس سے اُنھوں نے عہدہ قضار کا خیال ترک کر دیا اور شیخ کی صحبت میں رہ کر رُوحانی تربیت حاصل کی پھر تفسیر بیضاوی تصنیف کی۔ امام بیضاوی نے ۶۸۵ھ میں وصال فرمایا۔ آپ نے اپنی تفسیر کے آغاز میں سبب تالیف پر روشنی ڈالتے ہُوئے لکھا ہے کہ۔

"لمبے عرصے سے دل کی آرزو تھی کہ فن تفسیر میں ایک ایسی کتاب لکھوں جو ان اقوال کے انتخاب پر مشتمل ہو جو صحابۂ کرام، تابعین عظام اور دُوسرے سلف صالحین سے منقول ہوتے چلے آرہے ہیں۔ نیز وہ کتاب لطیف نکات اور عمدہ لطائف پر مشتمل ہو جنھیں میں نے یا پہلے ائمہ تفسیر نے استنباط کیا ہے۔ اس کتاب میں متواتر قراءتوں کے علاوہ ان شاذ قراءتوں کا بیان ہو جو معتبر قاریوں سے روایت ہوتی چلی آرہی ہیں۔ میرے علمی سرمائے کی کمی اس راہ میں رکاوٹ تھی۔ یہاں تک کہ استخارے کے بعد میرے دل نے مصمم ارادہ کر لیا کہ جس کام کی عرصہ سے خواہش ہے اسے عزم بالجزم کے ساتھ شروع کردوں اس نیت کے ساتھ کہ جب اس کتاب کو مکمل کر لوں تو اس کا نام انوار التنزیل واسرار التاویل رکھوں۔"[1]

تفسیر بیضاوی کے مآخذ و مراجع

قاضی بیضاوی علیہ الرحمۃ نے عام طور پر اعراب، معانی اور بیان کی بحثیں تفسیر کشاف سے اخذ کی ہیں حکمت و کلام کی بحثیں امام رازی کی تفسیر کبیر سے اور اشتقاق و لغت کی لطیف بحثیں مفردات امام راغب اصفہانی سے لی ہیں۔ نیز اپنی طرف سے

---

[1] مقدمہ تفسیر بیضاوی

Marfat.com

عمدہ لطائف و نکات کا اضافہ کر دیا ہے۔ جس سے کتاب کو لازوال شہرت اور مقبولیت نصیب ہوئی ہے گذشتہ سات سو سال سے یہ تفسیر علماء کے زیرِ مطالعہ اور زیرِ درس چلی آرہی ہے جو اس کی مقبولیت کی واضح دلیل ہے۔

تفسیر بیضاوی پر علمی کام

تفسیر بیضاوی پر کثرت سے حواشی و تعلیقات لکھی گئیں ہیں۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون اور نواب صدیق حسن خان نے الاکسیر میں بہت سے حواشی و تعلیقات کا ذکر کیا ہے۔ ہم بطور اختصار چند ایک کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ حاشیہ شیخ محی الدین (م ۹۵۱ھ) آٹھ جلدوں میں بہت ہی مفید اور آسان ہے۔

۲۔ حاشیہ شیخ مصلح الدین تین جلدوں میں ہے محشی سلطان محمد فاتح ترکی کے استاد تھے۔ اس حاشیے میں حواشی کشاف کی تلخیص پائی جاتی ہے۔

۳۔ حاشیہ قاضی زکریا انصاری (م ۹۱۰ھ) اس میں صرف احادیث موضوعہ اور غیر صحیحہ پر تنبیہ کی گئی ہے جو مصنف نے دوسرے مفسرین کی اتباع میں نقل کی تھیں۔

۴۔ حاشیہ علامہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) انھوں نے اس کا نام **نواھد الابکار وشواھد الافکار** رکھا ہے یہ صرف ایک جلد میں ہے۔

۵۔ حاشیہ ابوالفضل قریشی مشہور بہ گازرونی (م ۹۴۱ھ) یہ انتہائی لطیف اور دقیق حاشیہ ہے۔ علماء مدرسین میں متداول ہے۔

۶۔ حاشیہ شمس الدین محمد بن یوسف کرمانی (م ۷۸۶ھ)

۷۔ حاشیہ شیخ صبغۃ اللہ۔ اسے اٹھارہ حواشی سے منتخب کر کے لکھا گیا ہے۔

۸۔ حاشیہ محمد بن جلال الدین شروانی دو جلدوں میں ہے۔

۹۔ حاشیہ ملا عوض (م ۹۹۴ھ) یہ تقریباً تیس جلدوں میں ہے۔

Marfat.com

۱۰۔ حاشیہ شیخ ابی بکر احمد بن صائغ حنبلی (۷۱۴ھ) اس کا پورا نام الحسام الماحی فی ایضاح غریب القاضی ہے۔ اس میں زیادہ تر تفسیر بیضاوی کے الفاظ غریبہ کی تشریح ہے۔

۱۱۔ تعلیقات وحواشی ملاخسرو (صرف ایک پارہ)

۱۲۔ حاشیہ شیخ شہاب الدین خفاجی۔ آٹھ جلدوں میں ہے اور ہماری رائے میں بیضاوی کے تمام حواشی میں سب سے فائق اور عمدہ ہے۔

۱۳۔ تعلیق میر سید شریف جرجانی المتوفی ۸۱۶ھ۔

۱۴۔ تعلیق شیخ الشیوخ سید محمد گیسو دراز المتوفی ۸۲۵ھ

بروکلمان نے تمام شروح وحواشی کی تعداد تراسی بتائی ہے اور ان کی فہرست مرتب کی ہے،،[۱]

خلاصہ یہ کہ تفسیر بیضاوی کو کتب تفسیر میں بہت اہمیت حاصل ہے اور یہ کشاف کے مقابلے میں علمائے اہل سنت کا عظیم شاہکار ہے۔ اگر مصنف تفسیر کے علاوہ باقی کتابیں نہ بھی لکھتے تو یہی تفسیر ان کے علمی مقام کو روشن کرنے کے لئے کافی تھی۔

تفسیر مدارک

اس کا پورا نام مدارک التنزیل وحقائق التاویل ہے یہ امام حافظ الدین ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی کی تالیف ہے۔ علامہ نسفی بیک وقت مفسر، محدث، فقیہ، اصولی اور متکلم تھے۔

آپ کی تصانیف میں تفسیر مدارک کے علاوہ علم العقائد میں عمدۃ العقائد اور اس کی شرح الاعتماد اصول فقہ میں المنار اور فقہ حنفی میں کنز الدقائق نہایت مقبول اور مستند کتابیں ہیں۔

---

[۱]۔ دائرہ المعارف اردو۔ ج: ۵، ص: ۲۸۷

Marfat.com

مصنّف نے باختلاف روایات ۷۰۱ھ یا ۷۱۰ھ میں وفات پائی۔ اور ایزج کے مقام پر مدفون ہوئے جو خوزستان اور کرمان کے درمیان واقع ہے۔ آپ کی تفسیر کو بڑی مقبولیت حاصل ہے"۔ [1]

صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں یہ کتاب تاویلات میں متوسط درجے کی ہے۔ وجوہ اعراب و قراءات کی جامع علم بدیع کے دقائق کو متضمن اہل سُنّت والجماعت کے اقوال سے مزین اور اہل بدعت و ضلالت کی لغویات سے پاک و صاف ہے۔ پریشان کرنے والی طوالت اور مقصد میں خلل ڈالنے والے اختصار سے پاک ہے"۔ [2]

مصنّف نے خود بھی وجہ تالیف میں یہی بات کہی ہے۔ حافظ زین الدّین ابن عینی متوفی ۸۹۲ھ نے کہیں سے اس میں اختصار کیا ہے اور کہیں اضافہ۔

حافظ عبدالحق مہاجر مکی جو شیخ الدلائل کے نام سے مشہور ہیں۔ انہوں نے اس کا حاشیہ الاکلیل کے نام سے آٹھ جلدوں میں لکھا ہے۔ اور یہ محشّی کے عہد میں پہلی بہیت سے شائع ہو چکا ہے۔

تفسیر مدارک میں فقہ حنفی کی خصوصی تائید کی گئی ہے۔ چنانچہ مصنّف نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں بسم اللہ شریف کے جزو فاتحہ ہونے یا نہ ہونے پر تفصیل سے بحث کر کے مذہب احناف کو دلائل سے ثابت کیا ہے،، [3]۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ نسفی نے تفسیر لکھتے وقت کشاف اور بیضاوی کو خصوصی طور پر مدِ نظر رکھا اور ان کے انداز میں تفسیری نکات بیان کر کے سوالوں کے جواب دیئے ہیں چنانچہ اس سوال کے جواب میں کہ قرآن سارے کا سارا محکم کیوں نہیں اتارا گیا محکمات کے ساتھ متشابہات کو کیوں نازل کیا گیا ہے؟۔ لکھتے ہیں سارا محکم نہیں اُتارا

---

[1]۔ معجم المؤلفین۔ ص: ۳۲، ج: ۶

[2]۔ کشف الظنون۔ ص: ۱۶۴، ج: ۲

[3]۔ مدارک۔ ص: ۳، ج: ۱

Marfat.com

گیا۔ متشابہ آیات بھی ساتھ اتاری گئی ہیں کیونکہ اس میں کئی حکمتیں ہیں۔ اس میں امتحان اور آزمائش ہے ان لوگوں کے درمیان امتیاز کرنا مقصود ہے جو حق پہ ثابت قدم ہیں اور جو حق سے پھسل چکے ہیں۔ علماء کو مشقت میں ڈالنے اور ان کی طبیعتوں کو مشقت کا خوگر بنانا ہے۔ کہ وہ متشابہات کے معانی کے استخراج کے لئے محکمات کی طرف رجوع کریں۔ اس میں بڑے عظیم فوائد اور بہت سے علوم کا حصول ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درجات حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔"[1]

متشابہات کے بارے میں مصنف کا مسلک یہ ہے کہ وہ سلف صالحین کی طرح تاویل کی بجائے تفویض سے کام لیتے ہیں۔ چنانچہ سورۂ اعراف کے آغاز میں المص پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ **قال الزجاج المختار فی تفسیرہ ما قال ابن عباس انا اللہ اعلم وافضل**[2]۔

زجاج نے کہا اس کی مختار تفسیر وہ ہے جو ابن عباس نے بیان کی کہ میں اللہ سب سے زیادہ جاننے والا اور سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہوں۔"

آیت استواء (الرحمٰن علی العرش استوی[3]) کی تفسیر و تاویل میں مفسرین نے بہت کچھ کہا ہے کسی نے استواء سے قصد و ارادہ کا معنی مُراد لیا ہے۔ مشبہ نے ہموار اور بیٹھ جانے کے معنی لئے ہیں بعض متکلمین نے اسے استعلاء اور غلبہ کے معنی میں لیا ہے۔ مصنف نے اس آیت پر کلام کرتے ہوئے سلف کے مسلک کو ملحوظ رکھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ عرش بمعنی تخت اور استواء بمعنی استوار لینا جیسا کہ مشبہ کا مسلک ہے بالکل باطل ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ عرش سے پہلے تھا۔ جب کہ مکان کا کوئی تصور نہ تھا وہ اب بھی اسی طرح ہے جیسا کہ پہلے تھا۔ تبدیلی ممکنات کی صفت ہے اور وہ اس سے پاک ہے

۱؎۔ مدارک۔ ج ۱، ص: ۱۴۶

۲؎۔ مدارک۔ ج ۲، ص: ۴۴

۳؎۔ سورۂ طٰہٰ

Marfat.com

امام جعفر صادق، امام حسن بصری، امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ استوار کا معنی معلوم ہے لیکن اس کی کیفیت معلوم نہیں۔ اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس کا انکار کفر ہے اور اس بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔"[1]

یہاں پر مصنف نے واضح طور پر سلف صالحین کا مسلک اختیار کیا ہے۔ لیکن کہیں کہیں زمخشری کی موافقت میں تفسیر ماثور کو چھوڑ کر عقلیت پسندی کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ آیت میثاق (جس میں اولاد آدم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا عہد لینا مذکور ہے) میں سلف صالحین کے مسلک سے ہٹ کر معتزلہ کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں" یہ آیت باب تمثیل سے ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے اپنی ربوبیت اور وحدانیت کے دلائل نصب فرما دیئے ان کے عقول نے اس تائید میں شہادت دی اللہ تعالیٰ نے عقول کو ہدایت و ضلالت کے درمیان امتیاز کی قوت بخشی۔ اسے تمثیلاً یوں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کے نفسوں پر گواہ بنایا اور ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا۔"[2]

جو اسرائیلی روایات عصمت انبیاء میں قادح ہوں علامہ نسفی انھیں اچھے انداز میں رد کر دیتے ہیں قرآن کی تفسیر اس انداز سے کرتے ہیں کہ عصمت انبیاء پر قطعاً حرف نہ آئے۔

چنانچہ علامہ نسفی "ولقد همت به وهم بها"[3]

کی تفسیر میں لکھتے ہیں" امام ابو منصور ماتریدی فرماتے ہیں کہ یہاں پر ھَمَّ فعل ماضی واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے اس سے مراد دل میں اچانک خیال گزرنا ہے۔ اس ناگہانی خیال یا وسوسہ پر کوئی مواخذہ نہیں اگر خدانخواستہ (بالفرض) یوسف علیہ السلام

---

[1] ۔ مدارک۔ ج: ۲، ص: ۵۷

[2] ۔ تفسیر مدارک۔ ص: ۸۵، ج: ۲

[3] ۔ سورۂ یوسف۔ آیت:

Marfat.com

کا ارادہ زلیخا کی طرح وقوع معصیت کا ہوتا تو پھر انہ من عبادنا المخلصین سے ان کی تعریف نہ کی جاتی یقیناً یوسف علیہ السلام ہمارے مخلص بندوں میں سے تھے۔[۱]

یہاں پر علامہ نسفی نے ان اسرائیلی روایات کی نفی کر دی ہے جو عصمت انبیاء کے منافی تھیں۔ مختصر یہ کہ تفسیر مدارک اپنے اختصار، جامعیت، عذوبت بیان اور سلاست کے اعتبار سے نہایت قابلِ قدر معیاری تفسیر ہے اور استدلالی تفسیروں میں اسے بلند مقام حاصل ہے۔

۴۔ تفسیر طیبی

یہ علامہ حسین بن محمد عبداللہ الطیبی کی تصنیف ہے آپ واسط اور تستہ کے درمیانی قصبہ طیب میں پیدا ہوئے اس لئے آپ کو طیبی کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علوم نقلیہ وعقلیہ دونوں میں کمال عطا فرمایا تھا۔ آپ نے فلاسفہ اور مبتدعہ پر سخت تنقید کر کے مدلل انداز میں تردید فرمائی ہے۔ استخراج مسائل اور ان پر جامع بحث کرنا آپ کی امتیازی شان تھی۔

مشکوٰۃ شریف میں آپ کا حاشیہ طیبی کے نام سے مشہور ہے آپ نے تفسیر کشاف کا بہترین حاشیہ لکھا جو مستقل تفسیر معلوم ہوتا ہے۔ ہم نے بھی اسے تفسیر کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔ آپ نے حاشیہ لکھنے کا ارادہ کیا تو حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی۔ آپ نے دیکھا کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں دودھ کا پیالہ عطا فرما رہے ہیں جسے علامہ طیبی نوشِ جان کر رہے ہیں۔ اس دودھ کی برکت سے انھوں نے یہ حاشیہ آٹھ ضخیم جلدوں میں مرتب کیا اور اس کا نام مفتوح الغیب فی الکشف عن قناع الریب رکھا۔ اس حاشیے کے متعلق مشہور مؤرخ ابن خلدون لکھتے

---

[۱]۔ تفسیر مدارک۔ ص: ۲۱۷، ج: ۲

Marfat.com

ہیں"۔ ہمیں آج کل ایک عراقی عالم کی تصنیف ملی اس کے مؤلف کا نام شرف الدین طیبی ہے جو عراق عجم کے علاقہ توریز کے رہنے والے ہیں اس کتاب میں مؤلف نے کتاب زمخشری کی شرح کی ہے اس کے الفاظ کا تتبع کیا ہے اس کے مذہب اعتزال سے تعرض کیا ہے اور دلائل کے ساتھ زمخشری کے مسلک کو باطل کر کے ثابت کیا ہے کہ قرآن کریم کا اعجاز بلاغی مسلک اہل سنت و جماعت کے عین مطابق ہے اور معتزلہ کے مسلک پر تفسیر کرنے سے اعجاز قرآنی ثابت نہیں ہوتا،، [1]

یہ شرح اس لئے بھی نفیس ہے کہ اس میں تبرک حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (خواب میں آپ کے ہاتھوں دودھ لیکر پینا) کی برکتیں شامل ہیں مصنف نے اس تفسیر میں علوم بلاغت کو جس طرح یکجا کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

علامہ طیبی کا معمول تھا کہ روزانہ صبح کے بعد درس تفسیر دیتے ظہر کے بعد بخاری شریف کا درس دیتے تھے یہ عجب حسن اتفاق ہے کہ جس دن آپ نے تفسیر قرآن کا درس مکمل کرلیا اسی دن نماز عصر کے وقت ۷۴۳ھ میں آپ کا انتقال ہوگیا۔

۵۔ تفسیر نیشاپوری

اس کا پورا نام تفسیر غرائب القرآن و رغائب الفرقان ہے۔ یہ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے اس کے مصنف علامہ نظام الدین حسن بن محمد بن حسین نیشاپوری ہیں جو نظام اعرج کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ نیشاپور میں پیدا ہوئے وہیں پروان چڑھے پھر برصغیر کے شہر دولت آباد میں آگئے۔ یہیں پر اپنی تفسیر مکمل کی اس لئے آپ دولت آبادی نسبت سے بھی مشہور ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق ہندوستان کی عربی تفسیروں میں سب سے پہلی کامل عربی تفسیر آپ کی ہے"۔ [2]

---

[1] ۔ مقدمہ تاریخ ابن خلدون ۔ ص: ۷۸۸
[2] ۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (اردو ترجمہ)۔ ج: ۲، ص: ۵۳۱

Marfat.com

مصنّف کا اُسلوب تفسیر یہ ہے کہ پہلے اختلاف قراءات اور اوقاف آیات بیان کرتے ہیں پھر سبب نزول اور تفسیری امور کا ذکر کرتے ہیں۔ آخر میں صوفیانہ اشارات تحریر کرتے ہیں۔

مصنف نے اس تفسیر کے علاوہ شرح شافیہ ابن حاجب اور علم حساب میں شمسیہ بھی تحریر کیا ہے۔ عمر رضا کحالہ کی تحقیق یہ ہے کہ مصنّف ۸۲۸ھ کے بعد فوت ہوئے۔[1]

تفسیر کے مآخذ

مصنف نے تفسیر کے دیباچہ میں صراحت کی ہے کہ اُنھوں نے زیادہ تر امام فخرالدین رازی کی تفسیر کبیر کی تلخیص کی ہے البتہ تفسیر کے لمبے چوڑے مباحث چھوڑ دیتے ہیں آپ نے تحقیق الفاظ و اُسلوب بلاغت میں کشاف سے بھی استفادہ کیا ہے۔ البتہ کشاف کے معتزلانہ خیالات سے احتراز کیا ہے۔

مصنّف کا ذوق یہ ہے کہ قُرآنی مفردات کی تائید کے لیے شعراء عرب کے کلام سے استدلال کرنا دُرست نہیں۔ قُرآن سب پر حجّت ہے۔ قُرآن پر کسی کا کلام حجت نہیں۔ مصنّف نے مقدمہ تفسیر میں فضائل قرآن، جمع و ترتیب قرآن سبع طوال اور منطق کی ان ضروری اصطلاحات کو بھی ذکر کیا ہے۔ جن کا استعمال تفسیر میں کیا گیا ہے"۔[2]

تفسیر نیشاپُوری پہلے مصر سے تفسیر ابن جریر کے حاشیہ پر طبع ہُوئی بعد میں جامعہ ازہر کے اُستاد شیخ ابراہیم عطوہ عوضی کی تقدیم و تعلیق کے ساتھ ۱۹۶۲ھ میں مطبع مصطفےٰ بابی حلبی سے شائع ہُوئی۔

---

[1] معجم المؤلفین۔ ج: ۳، ص: ۲۸۱

[2] مقدمہ تفسیر رغائب الفرقان، ص: ۷، ۸

Marfat.com

تفسیر بالاشارہ کے بارے میں مصنّف کی تحقیق

علاّمہ نیشاپُوری کی عادت یہ ہے کہ ظاہر تفسیر ختم کرنے کے بعد صُوفیائے کرام کے اقوال کی روشنی میں اشارات لاتے ہیں اس بارے میں مصنّف کی تحقیق یہ ہے۔

(ترجمہ) "دیانت داری کا تقاضا یہ ہے کہ مُسلمان قرآن وحدیث کی کوئی ایسی تاویل نہ کرے جس سے وہ اعیان اور حقائق باطل قرار پائیں جو رسُول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور سلف صالحین نے تفسیر میں بیان فرمائے ہوں۔ مثلاً جنّت، دوزخ، پُل صراط، میزان، حُور و قصور، انہار و اشجار وغیرہ۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ ان اعیان کو اِسی طرح ثابت رکھا جائے جیساکہ یہ روایت ہوں پھر انہیں تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ اگر دُوسرے حقائق اور رموز و لطائف بھی کشف صحیح کے مطابق بیان کر دیئے جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عالم صُورت میں جو کچھ پیدا فرما دیا ہے عالم معنیٰ میں اس کی نظیر ضرور پائی جاتی ہے اور عالم آخرت کی نظیر غیب الغیب یعنی عالم حق میں پائی جاتی ہے اور تمام عوالم کی مخلُوقات کا نمُونہ حضرت اِنسان میں پایا جاتا ہے،،[1]

مصنّف کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ وُہ ظاہر تفسیر کے ساتھ ساتھ ان صُوفیانہ اشارات کو بھی جائز سمجھتے تھے جو کتاب وسنّت کے منافی نہ ہوں اور کشف صادق سے ثابت ہوں۔ یہی مسلک جمہُور صوفیاء کرام کا ہے۔ بخلاف باطنیہ کے وہ ظاہر تفسیر کی نفی کر کے اپنے من گھڑت معانی کو مقصُود قرآن ٹھہراتے ہیں اور اس طرح خُود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دُوسروں کو بھی گُمراہ کرتے ہیں۔

۶۔ تفسیر تبصیر الرحمٰن وتیسیر المنان

یہ شیخ علاء الدین ابوالحسن علی بن احمد مہائمی ہندی کی تفسیر ہے۔ تذکرہ نگاروں

[1] تفسیر غرائب القرآن۔ ج: ۱، ص: ۵۷

Marfat.com

نے کہا ہے کہ آپ کے آباؤ اجداد قریشی تھے حجاج بن یوسف کے زمانے میں ہجرت کر کے ہندوستان آگئے تھے آپ کی پیدائش ۷۷۶ھ اور وفات ۸۳۵ھ میں ہے تفسیر کے علاوہ آپ نے عوارف المعارف کی شرح الزوارف ، فصوص الحکم کی شرح شرع الخصوص اور صدرالدین قونوی کی نصوص کی شرح تالیف کی۔ تصوف کی طرف آپ کا میلان زیادہ تھا۔

شیخ علی بلگرامی نے سبحۃ المرجان میں لکھا ہے کہ آپ نے الٓمٓ ذٰلک الکتاب کے وجوہ اعراب میں مستقل کتاب لکھی ہے۔ شیخ باقر بن مرتضٰے مدراسی حنفی نے النفحۃ العنبریۃ میں شیخ علی مہائمی کا یہ دعویٰ نقل کیا ہے۔" **قابلت تفسیری باللوح المحفوظ** "[1]

میں نے اپنی تفسیر کا مقابلہ لوح محفوظ سے کیا (یعنی اس کی صحت کو پرکھنے کیلئے حالت کشف میں موازنہ کیا اور اسے لوح محفوظ کے مطابق درست پایا) واللہ اعلم۔

آپ کی تفسیر نظام نیشاپوری کی تفسیر کے بعد جنوبی ہند میں لکھی جانے والی دوسری تفسیر ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ شاید تفسیر مہائمی پہلے لکھی گئی ہو،،[2]

مگر ہم اس احتمال کو اس لئے صحیح تسلیم نہیں کرتے کہ خود مقالہ نگار نے تحقیق کی ہے کہ تفسیر نیشاپوری ۸۲۷ھ تا ۸۳۰ھ میں تالیف ہوئی جب کہ تفسیر مہائمی ۸۳۱ھ کے بعد لکھی گئی۔ چنانچہ مصنف نے دیباچے میں اس بات کی تصریح کرتے ہوئے لکھا ہے" **فلم یعارض الی مدۃ ثمان مائۃ واحدی و ثلاثین من الهجرۃ الا معارضۃ رکیکۃ** "

یعنی ۸۳۱ھ تک کسی نے بھی سوائے ایک رکیک معارضے کے قرآن کے مقابلے

---

[1] نزھۃ الخواطر۔ج : ۳، ص : ۱۰۷

[2] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام۔ ج : ۴، ص : ۵۳۲

Marfat.com

میں دلیل پیش نہیں کی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تفسیر ۸۳۱ھ میں تالیف ہوئی۔
ہمارے پیش نظر مطبع بولاق مصر کا شائع کردہ نسخہ تفسیر ہے جس میں مصنف خود اپنی تعریف میں فرماتے ہیں "کہ یہ نظم قرآنی کے نکات ان حوروں کی مانند ہیں جنھیں کسی انس و جن نے پہلے مس نہیں کیا میں بھی محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان نکات کو جمع کرنے پر قادر ہوا ہوں"۔[1]

مصنّف نے مقدمہ میں کلام باری تعالیٰ کی حقیقت، تفسیر و تاویل کا فرق اور استنباط مسائل کے موضوع پر گفتگو کی ہے۔ آپ کی تفسیر کی سب سے بڑی خصوصیت ربط آیات ہے مصنف سورۃ کے مضامین اور آیات کے مفاہیم کے مابین بڑی خوبصورتی سے ربط بیان کرتے ہیں بعض مقامات پر ربط کے بیان میں قدرے تکلّف محسوس ہوتا ہے لیکن مجموعی طور پر یہ ایک مستحسن کوشش ہے اور مصنف اِس بارے میں قابل تحسین ہیں کہ اُنھوں نے آیات قرآنی کے درمیان ربط ثابت کرنے کے لیے بڑی سعی فرمائی ہے۔ آپ نے تفسیر میں اختلاف اقوال سے گریز کیا ہے۔ آیاتِ احکام کو ائمہ کے اختلاف کے ساتھ بہت کم بیان کیا ہے عموماً مسلک شافعی کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔ آپ نے مسلک شافعی پر ایک مختصر متن بھی لکھا ہے"۔[2]

آپ مسلک شافعی کے جیّد عالم معلوم ہوتے ہیں۔ مگر تعجب ہے کہ معجم المؤلفین کے مصنّف نے آپ کو حنفی المذہب قرار دیا ہے"۔[3]

تفسیر السراج المنیر

یہ علامہ محمّد بن احمد شربینی کی تصنیف ہے آپ الخطیب کے لقب سے مشہور

---

[1] ۔ مقدمہ تبصیر الرحمٰن۔ ص: ۳
[2] ۔ الثقافۃ الاسلامیہ فی ہند۔ ص: ۱۱۹
[3] ۔ معجم المؤلفین۔ ج: ۷، ص: ۹

Marfat.com

ہیں۔ تفسیر مذکورہ کے علاوہ شرح تصریف زنجانی، شرح منہاج نووی اور شرح الفیہ ابن مالک بھی آپ کی یادگار تصانیف ہیں [1] آپ نے شعب الایمان کی شرح بھی لکھی ہے۔

مصنّف نے دیباچہ میں بیان کیا ہے کہ ۹۶۱ھ میں زیارتِ مدینہ طیبہ کے دوران انھوں نے استخارہ کیا واپسی پر آپ کے ساتھی نے امام شافعی یا حضور رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور دیکھا کہ وہ مؤلف کو تفسیر لکھنے کا حکم فرما رہے ہیں۔ چنانچہ آپ واپس قاہرہ پہنچ کر شرح منہاج الطالبین (نووی) مکمل کرنے کے بعد تفسیر لکھنے میں مصروف ہوگئے۔ اپنے اسلوب تفسیر کے بارے میں خود دیباچے میں لکھتے ہیں "میں نے اس کتاب میں زیادہ راجح قول پر اکتفار کیا ہے صرف اعراب بیان کئے ہیں جن کی ضرورت اکثر پڑتی ہے۔ میں نے ضعیف اقوال کو ذکر کرکے کتاب کو زیادہ طویل نہیں کیا۔" [2]

مصنّف کی یہ تفسیر چار جلدوں میں ہے۔ روایت کے ساتھ درایت کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپ نے زیادہ تر تفسیر بیضاوی سے استفادہ کیا ہے کہیں کہیں اپنی طرف سے فوائد کا اضافہ بھی کیا ہے فضائل سُور میں موضوع روایات پر التزام کے ساتھ تنقید کی ہے۔ آیات احکام میں آپ نے مسلک شافعی کو ثابت کی کوشش کی ہے۔ اسرائیلی روایات کو اختصار کے ساتھ ذکر کرکے امام رازی اور قاضی بیضاوی کی طرح کہیں کہیں تنقید بھی کی ہے۔

تفسیر پر تقلیدی رنگ غالب ہے قاضی بیضاوی اور امام رازی کے انداز کی پیروی کی گئی ہے تحقیقی اور تخلیقی مواد بہت کم ہے۔ علامہ شربینی نے ۹۷۷ھ میں وفات پائی۔

تفسیر ابُو السعُود

اس تفسیر کا پُورا نام ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم ہے۔ یہ علامہ

---

[1] معجم المؤلفین۔ ج: ۸، ص: ۲۶۹

[2] مقدمہ السراج المنیر۔ ص: ۳

Marfat.com

اُبُوسعُود مُحمّد بن مُحمّد بن مُصطفٰے العمادی کی تصنیف ہے۔ مصنّف قسطنطنیہ کے قریب قصبہ آمد میں ۸۹۶ھ یا ۸۹۸ھ میں پیدا ہُوئے۔ آپ کو حنفی عُلماء میں امتیازی مقام حاصل تھا۔ آپ کو خلافت عُثمانیہ کے سربراہوں کے سامنے بڑا احترام حاصل رہا۔ آپ پہلے بروسہ پھر قسطنطنیہ کے قاضی بنے سلطان سلیم آپ کا بڑا قدر دان تھا۔ اس کے زمانے میں آپ کو خطیب المفسّرین کا لقب دیا گیا۔ جب سُلطان سلیم نے قبرص پر حملہ کرنا چاہا تو آپ سے فتویٰ طلب کیا تو آپ نے جہاد کا فتویٰ دیا۔

جب قاضی اُبُوالسعُود تفسیر مکمّل کر چکے تو اپنے صاحبزادے کے ہاتھوں سُلطان سلیم کے دربار میں کتاب بھیجی سُلطان سلیم اپنے وزراء اور اعیانِ سلطنت کے ساتھ استقبال کے لیے دیوان خاص کے دروازے تک آیا جب ۹۸۲ھ میں آپ کی وفات ہُوئی تو آپ کو حضرت ابُو ایّوب انصاری رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن کیا گیا جو جنگ قسطنطنیہ میں شہید ہو کر وہاں دفن ہُوئے تھے۔

مذکُورہ تفسیر کے علاوہ آپ نے فقہ حنفی میں تہافتہ الامجاد اور مناظرہ میں تحفۃ الطلاب تالیف کیں"۔ [1]

آپ کی تفسیر کشاف اور بیضاوی کی تلخیص ہے اور مقدمے میں کشاف اور بیضاوی کی بہت تعریف کی ہے"۔ [2]

آپ کی تفسیر پانچ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ آپ اکثر مقامات پر بیضاوی کی پُوری عبارت نقل کر دیتے ہیں البتہ آیات احکام میں اختلاف کرتے ہیں۔ بیضاوی فقہ شافعی کی تائید میں استدلال کرتے ہیں۔ اور قاضی ابوسعُود فقہ حنفی میں استنباط کرتے ہیں۔ فضائل سُور میں قاضی بیضاوی کی طرح ضعیف تو ضعیف موضوع روایتیں

---

[1] معجم المؤلفین۔ ج: ۱۱، ص: ۳۰۲

[2] دیباچہ تفسیر ابو سعُود۔ ص: ۳

Marfat.com

بھی لے آتے ہیں۔ تفسیر ابُو سعُود کی عبارت میں جزالت، سلاست اور عذوبت (مٹھاس) قابلِ داد ہے۔ قرآنی بلاغت کو بڑے عمدہ انداز میں پیش کرتے ہُوئے تفسیر میں پیدا ہونے والے شبہات کا احسن طریقے سے ازالہ کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر سُورۂ جن کی آیت "عالم الغيب فلا يظهر على غيبه احدا الا من ارتضى من رسول" (اللہ تعالیٰ غیب کو جاننے والا ہے وُہ اپنے غیب پر کسی کو اظہار نہیں بخشتا سوائے ان کے جن کو بطور رسُول اس نے چُن لیا) اس آیت سے بظاہر ثابت ہوتا ہے کہ اظہار علی الغیب رسُولوں کا خاصہ ہے۔ لہذا اولیاء کرام کو بطریق کشف و الہام غیب پر اطلاع نہیں ہوسکتی یہ بات مسلک اہلسنّت کے خلاف ہے کیُونکہ اہلِ سُنّت اولیائے کرام کے لئے بطریق کشف و الہام اطلاع علی الغیب کے قائل ہیں۔ معتزلہ منکر ہیں۔ علّامہ ابوسعُود معتزلہ کے استدلال کے جواب میں فرماتے ہیں "اس آیت سے اولیاء کرام کے کرامات کشفی کی نفی نہیں ہوتی کیوُں کہ کشف کے انتہائی مرتبہ کا رسل کرام سے مخصوص ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ دُوسرے مرتبے بھی اولیاء کو حاصل نہیں ہوسکتے۔ اہلِ سُنّت میں سے کسی کا یہ دعویٰ نہیں کہ جو کشف کامل کا رُتبہ رسل کرام کے ساتھ خاص ہے وُہ کسی دُوسرے ولی کو حاصل ہوسکتا ہے" [1]

علّامہ ابُوسعُود سُورتوں اور آیتوں میں معنوی ربط کو بڑی خُوبصورتی سے بیان کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھئے۔ سورۂ قمر اور رحمٰن کے مضامین میں بظاہر کوئی ربط نہیں سُورۂ قمر میں قوموں پر عذابِ الٰہی کے نزول کا ذکر کیا گیا ہے اور سُورۂ رحمٰن میں انسانوں اور جنّوں پر انعام الٰہی کا۔ دونوں باتیں بظاہر متضاد ہیں۔ مگر علّامہ ابُوسعُود بڑے لطیف پیرائے میں فرماتے ہیں "کہ ان دونوں سُورتوں میں مناسبت بایں معنی ہے کہ پہلی سُورۃ میں ناشکرے لوگوں پر عذاب کا ذکر کیا گیا ہے اور ہر قوم کے تذکرے کے

---

[1] ۔ تفسیر ابُو سعُود۔ ج: ۵، ص: ۲۰۳

Marfat.com

بعد بطورِ نصیحت فرمایا گیا ہے ہم نے قرآن کو نصیحت آموزی کے لئے آسان بنایا ہے کوئی ہے نصیحت قبول کرنے والا؟ اس کے بعد سُورۂ رحمٰن میں اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ذکر ہے اور ہر نعمت کے بعد بطورِ تنبیہ فرمایا گیا ہے۔ اے جن و انس! تم اللہ تعالیٰ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے گویا پہلی سُورت میں تذکیر بایام اللہ ہے اور دُوسری میں تذکیر بانعام اللہ ہے۔ لہٰذا دونوں میں ربط واضح ہے"۔ [1]

غرضیکہ یہ تفسیر بھی اِن تمام خُوبیوں کی حامل ہے جو اس دور کی عقلی و استدلالی تفسیروں میں پائی جاتی تھیں۔

تفسیرِ عزیزی

یہ تفسیر شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی کی تصنیف ہے آپ ۱۱۵۹ھ میں پیدا ہُوئے۔ تاریخی نام غُلام حلیم ہے۔ آپ نے زیادہ تر اپنے والد ماجد شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا ان کے وصال کے بعد شیخ نوراللہ بڑھانوی اور شیخ محمّد امین کشمیری سے تکمیل کی آپ سے آپ کے بھائیوں میں سے شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالغنی نے استفادہ کیا ان کے علاوہ مولانا عبدالحیٔ بن ہبت اللہ، مفتی الٰہی بخش کاندھلوی اور سیّد قمرالدّین کا شمار بھی آپ کے تلامذہ میں ہوتا ہے۔

آپ روزانہ ایک رکُوع کا درس دیتے تھے۔ آپ کے والد شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی نے سلسلۂ درس سُورۃ مائدہ کی آیت "اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ" تک پہنچایا۔ آپ نے سُورۂ حجرات کی آیت "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" تک سلسلۂ درس پہنچایا۔ اس کی تکمیل آپ کے سبط شیخ اسحاق بن فضل العمری نے کی۔

---

[1] تفسیر ابو سعُود۔ ج:۵، ص: ۱۲۲

Marfat.com

بڑھاپے میں جب کہ مختلف امراض نے آپ کو گھیر رکھا تھا تفسیر لکھنا شروع کی۔
سیّد عبدالحیٔ حسنی کا بیان ہے کہ یہ تفسیر کئی جلدوں میں تھی مگر جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے دوران اس کے بہت سے حصّے تلف ہو گئے اور صرف یہی کچھ بچا یعنی سورۂ بقرہ کی نامکمل تفسیر آیت صیام تک اور آخری دو پاروں کی تفسیر۔ مذکورہ بالا تفسیر کے علاوہ آپ کا فتاویٰ عزیزی بہت مشہور ہے۔ نیز رد روافض میں تحفہ اثنا عشریہ کو بڑی شہرت حاصل ہے۔ علمائے محدثین کے تعارف میں بستان المحدثین، اصول حدیث میں عجالہ نافعہ، علم بلاغت میں میزان البلاغت اور علم کلام میں میزان الکلام آپ کی عمدہ اور جامع کتابیں ہیں آپ نے ۱۲۳۹ھ میں اسّی سال کی عمر میں وفات پائی،، لے

آپ نے اپنی تفسیر میں عبارت کی سلاست و روانی کے ساتھ مضامین کی جامعیت کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ آپ کی تفسیر میں وہ تمام تر خوبیاں پائی جاتی ہیں جو ایک معیاری تفسیر میں ہونی چاہئیں۔ البتہ ایک کمزور پہلو یہ ہے کہ اسرائیلی روایات کو بغیر تنقید کے ذکر کر دیتے ہیں۔ مثلاً ابتدائے عالم کے سلسلے میں مچھلی اور بیل کی روایات کو ذکر کیا ہے جو محدثین کرام کے نزدیک قطعی صحیح نہیں۔

حضرت شاہ صاحب بعض اوقات معقول و منقول اور روایت و درایت میں بڑی احسن تطبیق دیتے ہیں اور پیدا ہونے والے شبہات کا بڑی عمدگی سے ازالہ کرتے ہیں۔

مثلاً کعب الاحبار کی روایت کو لیجیے کہ آسمان دنیا پانی کی موج کی طرح ہے جو فضا میں معلق ہے دوسرا آسمان سفید مروارید کا ہے تیسرا لوہے کا چوتھا تانبے کا علی ہذالقیاس یہ روایت خلاف عقل نظر آتی ہے لیکن شاہ صاحب بڑی عمدہ توجیہ فرماتے ہوئے اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔" **بنا بر تشبیہ و تمثیل است**"
یعنی اگر جوہرے بر آسمان را بہ جواہر معلومہ دنیا تطبیق و تمثیل دہیم ایں جوہر.....

لے۔ نزھۃ الخواطر۔ ج: ۷، ص: ۲۶۷

Marfat.com

..... بر آسماں شبیہ مناسب است " [1]

یعنی یہ تشبیہ و تمثیل کے طور پر کہا گیا ہے۔ مثال کے طور پہ اگر ہر آسمان کے جوہر کو دُنیاوی جواہر سے تشبیہ دیں تو یہی کہیں گے کہ پہلے آسمان کا جوہر پانی کی موج کے مشابہ ہے اسی طرح باقی آسمانوں کا حال ہے اس روایت کا یہ مفہوم نہیں کہ واقعتاً آسمان پانی کی موج ہے یا حقیقت مروارید یا لوہا، تانبہ ہے۔

شاہ صاحب کی تفسیر میں یہ خُوبی بھی پائی جاتی ہے کہ سوال و جواب قائم کر کے تفسیری نکات بیان کرتے ہیں۔ چُنانچہ سُورۂ اعلیٰ کی تفسیر کرتے ہُوئے جب آیۂ کریمہ " فذکر ان نفعت الذکریٰ " پر پہنچتے ہیں تو دو سوال قائم کرتے ہیں ایک یہ کہ یہاں نصیحت کے نافع ہونے کو شرط قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ ایسی شرط وہ لگاتے جس کو انجام کار معلُوم نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم ازلی سے سب کچھ جانتا ہے کہ تبلیغ و تذکیر نفع دے گی یا نہ ؟۔ پھر شرط لگانے اور معلق کرنے کی کیا ضرورت ؟۔

اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ چُونکہ دعوتِ انبیاء کرام کا معاملہ ظاہر پر ہے اس لیے اس پر ظاہر کے احکام مرتب ہوں گے نہ کہ عالمِ غیب کے لہٰذا یہ شرط اور تعلیق بھی عالم ظاہر کے اعتبار سے ہے۔

دُوسرا سوال یہ ہے کہ یہاں پر فذکر کو صیغۂ امر فرمایا گیا اس کا مصدر تذکیر ہے اس کے معنی ہیں بھُولی ہُوئی چیز یاد دلانا۔ کفّار کو جب از سرِ نو اِسلام کی دعوت دی جارہی ہے تو یہ تذکیر نہیں۔ کیُونکہ تذکیر تب تھی کہ پہلے دعوت دی جاتی وہ بھلا دیتے پھر دوبارہ انھیں یاد دلایا جاتا۔ یہاں پر یہ بات نہیں بلکہ از سرِ نو انھیں دعوت دی جارہی ہے لہٰذا یہ تذکیر نہیں تو فذکر کہنا کیُوں کر دُرست ہُوا۔ ؟

شاہ صاحب اِس کے جواب میں فرماتے ہیں کیُونکہ دینِ اِسلام کی خُوبی بالکل فطری ہے

---

[1] تفسیر فتح العزیز - پارہ : ۲۹ ، ص : ۹

Marfat.com

اور ہر عقل سلیم میں مرتکز ہے گویا ہر نفس کو دین اسلام کا اجمالی علم حاصل ہے یہ اور بات ہے کہ وہ اسے بھلا دے۔ اب پیغمبر علیہ السلام گویا اپنی تبلیغ کے ذریعے انھیں بھولی ہوئی بات یاد دلانا چاہتے ہیں۔ اور عالم ارواح والے میثاق کی یاد تازہ کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا اسے تذکیر کہنا بالکل بجا اور برمحل ہے،، لے

اسی طرح سورۃ نباء کی تفسیر میں یہ سوال قائم کیا ہے کہ اس سورت میں قیامت کے بارے میں فرمایا گیا ہے "**کلا سیعلمون**،، خبردار! عنقریب جان لیں گے"۔ اور سورۃ تکاثر میں فرمایا گیا ہے "**کلا سوف تعلمون**" خبردار! تم مستقبل میں جان لوگے"۔ عربی قواعد کی رُو سے سَ مستقبل قریب اور سوف مستقبل بعید کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں پر ایک ہی چیز کے متعلق مستقبل قریب کی خبر دینا اور پھر مستقبل بعید کی خبر دینا کیونکر درست ہو سکتا ہے؟۔ جواباً فرماتے ہیں کہ سورۃ تکاثر میں خطاب کفار کی طرف ہے چونکہ وہ قیامت کو بعید سمجھتے تھے اس لئے وہاں پر سوف لایا گیا اور سورۃ نباء میں روئے سخن اہل ایمان کی طرف ہے اور یہ قیامت کو قریب الوقوع سمجھتے ہیں۔ اس لئے یہاں مضارع پر سَ کو داخل کیا گیا جو مستقبل قریب کا معنی دیتا ہے"۔ ۲ے

شاہ عبدالعزیز متاخرین کے ذوق کے مطابق متشابہات کی تاویل کرتے ہیں۔ اور متقدمین کی طرح صرف واللہ اعلم پر اکتفا نہیں کرتے چنانچہ آپ نے سورۃ القلم کی تفسیر میں نٓ پر کلام کرتے ہوئے علماء متکلمین اور صوفیاء کے بکثرت اقوال نقل فرمائے ہیں"۔ ۳ے

حضرت شاہ صاحب کے ذوق پر تصوف کا غلبہ ہے اس لئے صوفیاء کرام کے اشارات کو بھی موقعہ بموقعہ پیش کرتے ہیں۔ مثلاً سورۃ بقرہ میں جہاں گائے ذبح کرنے کا واقعہ

لے۔ تفسیر فتح العزیز۔ ص: ۱۴۵، پارہ: ۳۰
۲ے۔ تفسیر فتح العزیز۔ ص: ۵، پارہ: ۳۰
۳ے۔ تفسیر فتح العزیز۔ ص: ۲۷، پارہ: ۲۹

Marfat.com

مذکور ہے۔ شاہ صاحب ظاہر تفسیر کو بیان کرنے کے بعد صُوفیانہ اشارہ بیان فرماتے ہیں کہ گائے ذبح کرنے سے مُراد نفس امارہ کی خواہشات اور قوّت غضبیہ اور شہویہ کا فنا کرنا ہے تاکہ رُوح زندہ ہو اور اسرار غیب بیان کرے۔

شاہ صاحب بعض اوقات مختلف ارباب فن کے ذوق کے مطابق متعدّد تفسیری اقوال بھی ذکر کر دیتے ہیں۔ چُنانچہ سورۃ والنازعات کی تفسیر میں صُوفیا، عُلماء ظاہر، ارباب نجوم وغیرہ کے ذوق کے مطابق متعدّد اقوال ذکر کیتے ہیں۔

غرضیکہ آپ کی تفسیر وسعتِ نظری، وقت ومعنویت، حسن عبارت اور کمال بلاغت کی بنا پر منفرد حیثیّت کی حامل ہے آپ کے ذوقِ تفسیری سے برّصغیر کے عُلماء میں تفسیر لکھنے کا شوق بیدار ہُوا۔ قاضی ثناءاللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری لکھی جو روایت و درایت کا حسین امتزاج ہے۔ شاہ رؤف احمد نے تفسیر رؤفی لکھی اور یُوں چراغ سے چراغ روشن ہوتا گیا جس کی وجہ سے برّصغیر انوارِ تفسیر سے جگمگا اُٹھا۔

تفسیر رُوح المعانی

تیرھویں صدی ہجری میں بغداد شریف میں قُرآن مجید کی ایسی تفسیر لکھی گئی جو اپنی جامعیّت، فصاحت و بلاغت اور حُسن اسلُوب کی بنا پر انتہائی قابل قدر تصنیف ہے یہ تفسیر رُوح المعانی ہے۔ اِس کے مؤلف ابوالثناء علّامہ شہابُ الدین محمُود بن عبداللہ الحسینی الالوسی ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۲۱۷ھ اور وفات ۱۲۷۰ھ میں ہے۔ آپ نے یہ تفسیر ۱۲۵۲ھ میں لکھنا شروع کی سببِ تصنیف کے بارے میں خُود لکھتے ہیں۔" کہ میں نے عالم خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے حُکم فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کو لپیٹ لُوں اور اُن کے بند دہانے کھول دُوں میں نے سُنتے ہی ایک ہاتھ آسمان کی طرف بڑھایا اور دُوسرا زمین کی طرف جہاں پانی کا منبع ہوتا ہے۔ پھر میری آنکھ کھل گئی۔ کافی غور وفکر

Marfat.com

کے بعد معلوم ہُوا کہ یہ تفسیر قرآن لکھنے کا اشارہ تھا پہلے بھی دل میں شوق انگڑائیاں لے رہا تھا۔ یہ خواب دیکھنے کے بعد تفسیر لکھنے پر عزم مصمم کر لیا"۔ ؎۱

علامہ شہاب الدین تقریباً بائیس کتابوں کے مصنّف ہیں جن میں تفسیر رُوح المعانی کے علاوہ الطراز المذهب، الاسئلة الایرانیه والاجوبة العراقیة نیز شرح رسالہ قطر الندیٰ (علم نحو) مشہور ہیں۔ آپ کا تذکرہ مختلف کتابوں میں ملتا ہے"۔ ؎۲

آپ کے بارے میں تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ استانبول تشریف لے گئے تو سُلطان عبد المجید خان ترکی نے آپ کا بڑا احترام کیا اور آپ کے شایانِ شان عُمدہ سلوک کیا۔

علامہ آلوسی عراق کے بہت بڑے فقیہ، مفتی، مُحدّث، مفسّر، ادیب، لغوی، نحوی اور صرفی ہیں۔ آپ کی تفسیر میں سارے رنگ نُمایاں نظر آتے ہیں۔ آپ نے رُوح المعانی تیس اجزا میں لکھی ہے۔ تفسیر رُوح المعانی کا مقدمہ بھی علمی مسائل پر مشتمل ہے اس میں علم تفسیر کا تعارف اس کے فضل و شرف کا بیان، شرائطِ مفسّر، تفسیر بالرائے، صُوفیانہ تفسیر پر تبصرہ، تفسیر و تاویل میں فرق، کلام باری تعالیٰ کے لفظی اور معنوی پہلو پر متکلمانہ انداز میں نفیس بحث، جمع قرآن اور ترتیب قرآن (وغیرہ) پر علمی گفتگو ہے اور اعجاز قرآن حکیم پر جامع بحث ہے۔ غرضیکہ بتیس صفحات کا یہ مقدمہ انتہائی علمی بحثوں کے ساتھ مزیّن ہے۔

خصُوصیاتِ تفسیر

۱۔ علامہ آلوسی کی یہ تفسیر روایت و درایت دونوں کی جامع ہے مگر متکلمانہ انداز اور استدلالی پہلو نمایاں ہے (اس لئے ہم نے اسے تفسیر بالمعقول میں شمار کیا ہے)

؎۱۔ مقدمہ رُوح المعانی۔

؎۲۔ مشاهیر الشرق۔ اعلام العراق التاج المكلل۔ الاعلام، معجم المؤلفین وغیرہ

Marfat.com

۲۔ تفسیر رُوح المعانی میں مصنّف نے ادبی انداز میں عمدہ کلام کیا ہے جو مقامات حریری اور مقامات بدیع الزمان ہمدانی سے کسی طرح کم نہیں۔

۳۔ مصنف نے امام فخر الدین رازی کی تفسیر سے استفادہ کیا ہے لیکن کئی مقامات پر اس پر تنقید بھی کی ہے اور اختلاف رائے کو دلائل سے واضح کیا ہے۔ امام فخرالدین رازی نے تسمیہ کے جزو فاتحہ ہونے پر سولہ دلائل دیتے ہیں۔ علّامہ آلوسی نے ان سب کو ردّ کر کے مسلک احناف کو ثابت کیا ہے کہ تسمیہ آیت مستقلہ ہے سُورۃ فاتحہ کی جز نہیں ہے[1]"

۴۔ مصنّف نے بلاغت قرآنی کی تشریح کے لئے کشاف کو سامنے رکھا ہے لیکن زمخشری کے معتزلانہ نظریات پر سخت گرفت فرمائی ہے اور مسلک اہل سُنّت کو برحق ثابت کیا ہے۔ سورۂ بقرہ کے پہلے رکوع کے آخر میں فرمایا گیا "ختم اللّٰہ علٰی قلوبھم وعلٰی سمعھم" اللہ تعالیٰ نے کافروں کے دلوں اور کانوں پر مُہر لگا دی ہے۔ چُونکہ فعل ختم کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف ہے جو معتزلہ کے ہاں دُرست نہیں ورنہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ افعال عباد کا خالق ہو اور کُفر کو اس نے کافروں کے دلوں میں پیدا کیا ہے۔ اس بات سے فرار کے لئے زمخشری نے کئی تاویلیں کی ہیں۔ قاضی بیضاوی نے معتزلہ کی تاویلیں پیش کی ہیں لیکن انھیں ردّ نہیں کیا جب کہ علّامہ آلوسی نے انتہائی محققانہ انداز میں ان کی تاویلات کا ردّ کر کے مسلک اہل سُنّت والجماعت کو ثابت کیا ہے"[2]

معتزلہ نے ارشاد خداوندی "فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر"[3] (جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر کرے) سے یہ استدلال کیا ہے کہ بندہ اپنے افعال میں مستقل ہے اور وُہ خُود اپنے افعال کا خالق و مُوجد ہے۔ کیُوں کہ

---

[1]۔ تفسیر رُوح المعانی۔ ج: ۱، ص: ۳۹ (امدادیہ ملتان)

[2]۔ تفسیر رُوح المعانی۔ ج: ۱، ص: ۱۳۴۔

[3]۔ سورۃُ الکہف۔ آیت: ۲۹

Marfat.com

اس آیت میں ایمان اور کفر کو بندے کی مشیت کے ساتھ معلّق کیا گیا ہے۔
علامہ آلوسی اس کے جواب میں فرماتے ہیں یہ بات عقلاً و نقلاً درست نہیں اس لئے
بندے کی مشیت کے باوجود فعل نہیں پایا جاتا۔ اب تو بندے کی مشیت دوسرے پر
موقوف ہو گی اور دوسرے کی تیسرے پر موقوف ہو گی یہ سلسلہ غیر متناہی ہو گا تو تسلسل ہے
اور اگر دوسرے کی مشیت پھر پہلے پر موقوف ہو تو یہ دور ہو گا۔ دونوں باطل ہیں لہٰذا بندے
کے لئے استقلال مشیت کا قول کرنا باطل ہے نقلی دیل یہ ہے کہ ارشادِ خداوندی ہے۔
وما تشاءون الا ان یشاء الله "[1] (اور تم کچھ نہیں چاہتے
مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے) اس آیت نے واضح کر دیا بندہ اپنی مشیت میں ربّ کی
مشیت کے تابع ہے وہ صورۃً مختار ہے حقیقتاً مضطر ہے۔"[2]
اسی طرح جہاں کہیں معتزلہ نے کسی آیت سے استدلال کیا ہے۔ علامہ آلوسی
نے بڑی جرأت کے ساتھ اس کا رد کیا ہے اور مسلک اہل سُنّت کو روز روشن کی
طرح واضح کیا ہے۔
۵۔ مصنف نے روافض کا بڑی عمدہ تحقیق سے ردّ کر کے ان کے دلائل کو مکڑی
کے جالے کی طرح کمزور ثابت کیا ہے اور مسلک حق اہل سُنّت کی پختگی کو عقل و نقل سے
واضح کیا ہے۔ روافض نے اباحت متعہ کے لئے سورۂ نساء کی ایک آیت سے استدلال
کیا ہے۔ علامہ آلوسی نے اس مقام پر برجستہ رد کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ متعہ شرعاً حرام
ہے اور آئمہ اہلِ بیت بھی اسے حرام سمجھتے ہیں۔ اسی طرح روافض نے سورۂ آل عمران
کی آیت "**الا ان تتقوا منهم تقاة**۔" مگر یہ کہ تم کفار کے شر سے
بچاؤ کرو"۔ بچاؤ کرنا سے جواز تقیہ کو ثابت کیا ہے۔ علامہ آلوسی نے خود شیعہ علماء

---

[1] سورۃ الدھر۔ آیت: ۳۰
[2] تفسیر روح المعانی۔ ج: ۵، ص: ۲۶۷

Marfat.com

کی روایات سے تقیہ کی نفی پر دلائل قائم کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ آئمہ اہل بیت کے نزدیک شرعاً تقیہ کی کوئی حیثیت نہیں۔ چنانچہ نہج البلاغہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے "الایمان ایثارک الصدق حیث یضرك علی الکذب حیث ینفعك" ایمان یہ ہے کہ تم وہاں سچ بولو جہاں تمھیں سچ بولنا ضرر دے۔ اسے جھوٹ پر ترجیح دو جہاں تمھیں جھوٹ نفع دے" علامہ آلوسی نے کتب شیعہ سے حوالے دیئے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رعب وجلال کی پرواہ کئے بغیر حق بات کہی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر تقیہ اصول دین سے ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے ترک نہ فرماتے"۔[1]

روافض نے ارشاد خداوندی "لا ینال عھدی الظلمین"[2] سے خلفائے ثلاثہ کی خلافت کا ابطال کیا ہے کہ معاذ اللہ وہ اسلام سے پہلے ظالم تھے۔ لہٰذا وہ خلافت کے اہل نہیں۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ یہاں پر عہد سے مراد نبوت کا عہد ہے نہ کہ خلافت کا۔ دوسرا ظالمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو امام وخلیفہ بنائے جاتے وقت ظالم ہوں وہ لوگ جو اسلام سے پہلے ظلم کے مرتکب ہوئے تھے۔ اسلام نے ان کے ظلم کو مٹا دیا لہٰذا وہ خلافت وامامت کے اہل بن سکتے ہیں۔

۹۔ مصنف آیات متشابہات پر تفصیلی بحث کرتے ہیں۔ چنانچہ استواء علی العرش کے مسئلے پر تفصیل سے بحث کی ہے اور وہ تمام احادیث لائے جو استواء علی العرش کے بارے میں ہیں امام رازی کا قول بھی ذکر کیا ہے لیکن اسے ضعیف قرار دیا ہے کہ تاویل میں نہیں جانا چاہیئے۔ استواء اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے

---

[1] ۔ تفسیر روح المعانی۔ ج:۱، ص: ۳۲۷

[2] ۔ سورۃ البقرہ، آیت: ۱۲۴

Marfat.com

اِس پر ایمان رکھنا چاہیئے"۔ ؎۱

۷۔ اوائل سُور میں جو مقطعات مثلاً الٓمّٓ۔ الٓمّٓرٰ وغیرہ استعمال ہوتے ہیں ان پر مصنّف نے تفصیل سے بحث کی ہے۔ سُورۂ بقرہ کے شروع میں الٓمّٓ کے بارے میں تمام مذاہب ذکر کیے ہیں جو قاضی بیضاوی اور دُوسرے مفسّرین نے ذکر کیے ہیں پھر اپنے مختار قول کو بیان کرتے ہُوئے لکھتے ہیں "میرا غالب گمان یہ ہے کہ ان مقطعات کی تحقیق ایک پوشیدہ علم اور چھپا ہُوا راز ہے عُلمار اس کے سمجھنے سے عاجز ہیں جیساکہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا ہے کہ خیالات کے گھوڑے متشابہات کے اسرار کو پانے سے قاصر ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا ہر کتاب میں کوئی نہ کوئی راز ہوتا ہے اور قرآن کا راز اس کی سُورتوں کے شروع میں آنے والے مقطعات ہیں۔ مشہُور تابعی شعبی کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا راز ہے تم اسے تلاش نہ کرو۔ ایک عربی شاعر کہتا ہے۔ (شعر)

بین المحبین سر لیس یفشیه قول ولا قلم للخلق یحکیه

محبّت والوں کے درمیان ایسے راز ہوتے ہیں جنھیں نہ زبان سے بیان کیا جا سکتا ہے نہ قلم حکایت کر سکتی ہے۔ پس ان مقطعات کو رسُول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد کوئی نہیں جانتا سوائے ان اولیار کاملین کے جو آپ کے رُوحانی وارث ہیں۔ وہ بارگاہِ رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ان کا علم حاصل کرتے ہیں اور کبھی حروف خُود ان سے باتیں کرتے ہیں اور اپنا راز بتاتے ہیں"۔ ؎۲

۸۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے فضائل میں نازل ہونے والی آیات کی محبت آمیز تفسیر کرتے ہیں اور کمالاتِ نبوّت کو بیان کرنے میں بخل سے کام نہیں لیتے چنانچہ سورۂ

؎۱۔ رُوح المعانی۔ ص ۱۵۳، جُز ۱۷

؎۲۔ روح المعانی۔ ص ۱۰۰، ج ۱

Marfat.com

انبیاء کی آیت " وما ارسلنك الا رحمة للعالمين "
کی تفسیر ایسے انداز سے کی ہے کہ دل وجدانی کیفیت محسوس کرتا ہے پوری تفسیر اصل کتاب میں ملاحظہ ہو۔[1]

بطورِ اقتباس چند سطور پیش کی جاتی ہیں " وكونه صلّى الله عليه وسلّم رحمة للجميع باعتبار انه عليه الصّلوٰة والسلام واسطة الفيض الالهى على الممكنات على حسب القوابل ولذا كان نوره صلّى الله عليه وسلّم اول المخلوقات ففى الخبر اول ما خلق الله نور نبيك يا جابر وجاء الله المعطى وانا القاسم وللصوفية قدست اسرارهم فى هذا الفصل كلام فوق ذلك "[2]

(ترجمہ) حضور رسول پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کا تمام جہانوں کے لیے رحمت ہونا بایں اعتبار ہے کہ آپ فیض الٰہی کے لیے واسطہ ہیں آپ کے وسیلے سے تمام جہانوں پر ان کی قابلیت کے مطابق فیضان ہوتا ہے اس لیے آپ کا نور سب مخلوقات سے پہلے ہے چنانچہ حضرت جابر کی حدیث ہے حضور رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اے جابر! سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا اور دوسری حدیث میں آیا اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔ صوفیائے کرام نے یہاں پر جو کلام کیا وہ اس سے بھی بالاتر ہے "

اسی طرح سورۂ بنی اسرائیل کی تفسیر میں اسراء و معراج پر محققانہ کلام کیا ہے۔

---

[1] روح المعانی۔ ج: ۱۷، ص: ۱۰۴ تا ۱۰۶

[2] روح المعانی۔ ج: ۱۷، ص: ۱۰۵

Marfat.com

جس کی تفسیر آیت اسراء کے تحت صفحہ ۱ سے صفحہ ۲۱ تک دیکھی جا سکتی ہے اسی اسراء پر کلام کرتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں (ترجمہ) بعض عرفاء نے کہا ہے کہ معراج کا واقعہ اتنا جلیل الشان ہے کہ کوئی اس کی کیفیت بیان نہیں کر سکتا اور یہاں پر صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ قادر مطلق محب نے جس کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی اپنے پیارے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جسے اس نے اپنے نور سے پیدا کیا تھا اپنے دیدار کے لئے بلایا اور اپنے خواص ملائکہ اس کی خدمت میں بھیجے جبریل رکاب اور میکائیل باگ پکڑنے والے تھے۔ جہاں تک چاہا اپنے حبیب پاک کو سیر کرائی پس ایسے محبوب کے سامنے کون سی مسافت طویل ہو سکتی ہے۔ اور کون سا جسم اس نورانی مخلوق کے آگے خرق (پھٹ جانا فلاسفہ کی اصطلاح) نہیں ہو سکتا۔" [1]

۹۔ علامہ آلوسی آیاتِ احکام کی تفسیر میں آئمہ مجتہدین کے مسلک کو ان کے دلائل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ مثلاً "**وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا**" کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ حج پر قدرت بدن یا مال دونوں سے ہوگی۔ امام مالک نے قدرت بدن کو شرط قرار دیا ہے اور امام شافعی نے قدرت مالیہ کو شرط قرار دیا ہے وہ صاحب مال معذور آدمی پر حج کو فرض مانتے ہیں کہ وہ اپنی طرف سے نمائندہ بنا کر بھیجے۔ امام اعظم کے نزدیک مال اور بدن دونوں کا مجموعہ شرط ہے۔ امام اعظم کی دلیل حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ استطاعت سبیل کے معنی یہ ہیں کہ بدن تندرست ہو اور زاد و راحلہ (سواری و سفر خرچ) کا بندوبست ہو۔ امام شافعی کا استدلال حضرت جابر انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا آیت پڑھ کر فرمایا استطاعت زادِ راہ اور سواری کا نام ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ صحت بدن ضروری ہے کیونکہ مذکورہ

---

[1] روح المعانی۔ ج: ۱۵، ص: ۱۰

Marfat.com

حدیث میں اس آدمی کی استطاعت کو بیان کیا گیا ہے جو جسمانی طور پر سفر کے قابل ہو اس کے بغیر زاد و راحلہ کا کوئی فائدہ نہیں یہ اور بات ہے کہ جب وجوب حج ہوا تو تندرست اور صاحبِ نصاب تھا بعد میں بوڑھا ہو گیا یا بیمار پڑ گیا تو اس کی طرف سے نائب بھیجا جائے گا۔" [1]

غرضیکہ مصنّف ایک عظیم فقیہ ہونے کی حیثیت سے مذاہب اربعہ کی جزئیات پر گہری نظر رکھتے تھے جس سے ان کی تفسیر کو مزید معنویت اور جامعیت حاصل ہو گئی ہے

۱۰۔ عام طور پر مصنّف مسلک جمہور کو ترجیح دیتے ہیں۔ مثلاً امام فخرالدین رازی نے سورۂ مریم کی تفسیر میں ابو مسلم اصفہانی کا قول لیا ہے کہ حضرت ذکریا علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ باوجود بول سکنے کے دنیاوی باتیں نہ کریں اور تین دن رات تسبیح و تہلیل میں گزاریں مگر علامہ آلوسی جمہور کا قول لیتے ہیں کہ یہاں پر بطورِ خرقِ عادت (معجزہ) حضرت زکریا علیہ السلام تین دن رات تک کلام نہ کر سکے یہ خاموشی بطورِ معجزہ تھی نہ کہ کسی اور وجہ سے۔" [2]

۱۱۔ جو روایات عصمت انبیاء کرام کے منافی ہوں انھیں رد کر دیتے ہیں اور قرآنی سیاق و سباق کی روشنی میں صحیح تفسیر بیان کرتے ہیں۔ مثلاً سورۂ حج کی تفسیر میں جہاں تلاوت نبوی میں شیطانی القاء کا ذکر ہے بعض مفسرین نے اس بارے میں یہ روایت نقل کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ النجم کی تلاوت فرما رہے تھے۔ درمیانی وقفہ میں ابلیس نے آپ کی آواز سے آواز ملا کر کہہ دیا" **تلك الغرانيق العلى وان شفاعتهن لترتجى** " یہ بڑی اونچی شان والے بت ہیں اور ان کی شفاعت کی امید کی جا سکتی ہے۔ حضور پاک نے سورۂ النجم کے آخر

---

[1] روح المعانی۔ ص: ۸، ج: ۴

[2] روح المعانی۔ ص: ۷۱، ج: ۱۶

Marfat.com

میں سجدۂ تلاوت کیا تو نہ صرف مُسلم بلکہ کافر و مشرک بھی سجدے میں گر گئے۔ اس روایت کا آخری ٹکڑا مُسلمانوں کے ساتھ کافر بھی سجدے میں گر گئے یہ صحیح ہے لیکن پہلا حصّہ کہ حضُور رسُول پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبان اقدس پر یا آپ کی مشابہت میں شیطان نے کوئی من گھڑت عبارت پڑھ دی ملحدین کی آمیزش ہے علامہ آلوسی نے اسے بڑے اچھے انداز میں ردّ کیا ہے اور یہ حقیقت واضح کی ہے کہ شیطان کو یہ جُرأت نہیں کہ وہ رسُول پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبانِ اقدس پر یا آپ کے مشابہ صوت بنا کر کوئی کلمہ ادا کرے۔

علامہ آلوسی نے مُحمّد بن اسحاق صاحب المغازی کا قول نقل کیا ہے کہ یہ زنادقہ کا افتراء ہے اس میں کوئی حقیقت نہیں۔ امام ابُو منصور ماتریدی کا قول نقل کیا ہے کہ یہ زنادقہ کی من گھڑت روایت ہے شیطان نے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے اپنے پیرکاروں کے ذریعے اسے پھیلانے کی کوشش کی ہے تاکہ ضعیف الاعتقاد لوگ شک وشبہ میں مبتلا ہو جائیں۔ جب حضُور پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کے اکابر اولیاء کرام کو یہ بشارت ہے۔ "ان عبادی لیس لك علیھم سلطٰن" اے ابلیس میرے مخلص بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا۔ تو حضُور صلی اللہ علیہ وسلّم جو سیّد المرسلین ہیں کس طرح تصرّف ابلیس میں آسکتے ہیں یا کس طرح آپ کی زبان سے یہ کلمات ادا ہو سکتے ہیں" لہ۔

غرضیکہ علامہ آلوسی نے عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ اسے ردّ کیا ہے۔ اسی طرح سورۂ صٓ کی تفسیر میں اسرائیلی روایت مذکُور ہے کہ حضرت داوٗد علیہ السّلام نے حتی بن اوریا کی بیوی سے نکاح کرنے کے لیے اسے میدانِ جہاد میں بھیج دیا وہ قتل ہو گیا تو آپ نے عدّت گذرنے کے بعد شادی کر لی۔ اس پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں "ہم قطعی طور پر جانتے ہیں کہ انبیاء کرام ہر قسم کی خطاؤں سے معصُوم ہیں ان کا کسی معصیت میں واقع ہونا

لہ۔ روح المعانی۔ ص ۱۷۷، ج ۹

Marfat.com

ناممکن ہے اگر ہم اسے جائز سمجھیں تو پھر تمام شرائع باطل ہو جائیں گی"۔ لے

غرضیکہ تفسیر رُوح المعانی اپنی جامعیت، عقل و نقل کی آمیزش اور مصنف کی ہمہ گیر علمی شخصیت کی بنا پر تمام طبقوں میں مقبول اور متداول ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم

لے۔ رُوح المعانی۔ ص: ۱۸۵، ج: ۲۳

Marfat.com

باب سوم

صُوفیائے کرام اور اُن کا ذوقِ تفسیر

تصوّف اصل میں پاکیزگی حاصل کرنے اور مدارج سعادت کو طے کرنے کا نام ہے تصوّف کا مقصود یہ ہے کہ انسان میں خیر کی صلاحیت کو بروئے کار لایا جائے اور شر کی آمیزش کو جہاں تک ہو سکے ختم کیا جائے۔ صحابہ کرام تزکیہ نفس کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ اُنھیں تصوّف کے اعلیٰ مدارج تک پہنچانے والی چیز حضُور رسول کریم علیہ افضل الصّلوٰۃ والتسلیم کی صحبت و رفاقت تھی۔ تابعین کرام کے سامنے بھی صحابہ کرام کا قول و عمل اور وہ فیضان تھا جو اُنھیں بارگاہِ رسالت مآب علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے حاصل ہُوا تھا۔ تاہم اس دَور کے اخیر میں تصوّف کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے ابُوہاشم کو صُوفی کا لقب دیا گیا اور ان کا سن وصال سنہ ۱۵۰ھ ہے۔" [1]

بعد میں تصوّف نے مستقل فن کی حیثیت اختیار کر لی۔ مفکّر اسلام شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی نے تصوّف کو چار طبقات میں تقسیم کیا ہے اور اس کے چار دَور قرار دیئے ہیں۔

---

[1] کشف الظنون۔ ص: ۴۲، جلد اوّل۔

Marfat.com

محدث دہلوی رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب "ہمعات" میں جو تفصیل ذکر کی ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

تصوّف کا پہلا دَور

یہ دَور عہدِ رسالت صلّی اللہ علیہ وسلّم اور عہدِ صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے عبارت ہے جب کہ زیادہ مجاہدات اور گوشہ نشینی کی ضرورت نہ تھی۔ حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت اور اتباع کی برکت سے صحابۂ کرام کو بہت جلد گوہرِ مقصود مل جاتا تھا اور وہ احسان کے اعلیٰ مقام تک پہنچ جاتے تھے۔ احسان کی تفسیر حدیث جبریل میں ہے جب کہ وُہ اجنبی بن کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہُوئے اور وہاں کئی سوالات کئے تھے۔ ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ احسان کیا چیز ہے۔ حضور رسُول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "اعبد ربك كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك"۔[1] ربّ تعالیٰ کی عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم نہیں دیکھ رہے تو وُہ تمھیں ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔

پہلے مقام کو صُوفیائے کرام مشاہدہ سے تعبیر کرتے ہیں اور دُوسرے مقام کا نام مراقبہ ہے جو لوگ مُشاہدے پر فائز نہیں ہوتے اُنھیں مراقبے میں رہنا چاہیئے کہ کب اُنھیں دولت مُشاہدہ نصیب ہوتی ہے۔ صحابۂ کرام کے بعد تابعین عظام کا دَور آیا یہ لوگ بھی زیادہ تر قرآن و حدیث کے علوم سیکھنے پر وقت صرف کرتے تھے اور عملی طور پر بارگاہِ نبوّت سے تربیّت حاصل کرنے والے صحابۂ کرام سے عملی تربیت حاصل کرتے لیکن ان میں تصوّف کی اصطلاحات تجلّی، استتار، کشف، مراقبہ کا استعمال شروع نہیں ہوا تھا۔

---

[1] مشکوۃ المصابیح۔ ص: ۱۱

Marfat.com

تصوّف کا دُوسرا دَور

حضرت شاہ ولی اللہ مُحدّث دہلوی کی تحقیق کے مُطابق تصوّف کا دُوسرا دَور تیسری صدی ہجری کے آخر میں شروع ہُوا۔ اس دَور کے سربراہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ متوفّی ۲۹۷ھ ہیں۔ جنھوں نے حقائق پر کلام شروع کیا اس دَور میں عوام تو ظاہری اعمال تک محدُود رہے خواص نے علمِ دین کے لِئے اپنے آپ کو مختص کر دیا۔ اور اخص الخواص نے اللہ تعالیٰ کا قرب اُس کی معرفت اور باطنی نسبت کو قوی کرنے پر توجّہ صَرف کی یہ لوگ اعلیٰ مقصُود کے سچّے طالب تھے اُنہوں نے دُنیا کے عیش و آرام سے مُنہ موڑ کر مجاہدے کی زندگی اختیار کی اور آخر کار گوہرِ مقصُود کو پا لینے میں کامیاب ہو گئے یہ لوگ نہ تو دوزخ کے ڈر سے رب تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے اور نہ جنّت کے لالچ سے۔ بلکہ خالصتاً اپنے محبُوبِ حقیقی کی رضا اور لقار کے لِئے تمام صعُوبتیں برداشت کرتے تھے

تصوّف کا تیسرا دَور

شاہ ولی اللہ مُحدّث دہلوی کی تحقیق کے مطابق تصوّف کا تیسرا دَور پانچویں صدی ہجری کے وسط میں شروع ہُوا۔ اِس دَور میں حضرت ابُوالحسن خرقانی، شیخ ابوسعید بن ابی الخیرم ۴۴۰ھ نمایاں نظر آتے ہیں اِس دَور میں عوام نے اپنی توجّہ ظاہری اعمال کی طرف رکھی۔ خواص نے باطنی احوال اور کیفیاتِ صالحہ کے حصُول کو اپنا نصب العین ٹھہرایا۔ اور اخص الخواص نے احوال و کیفیات سے گزر کر اعلیٰ و ارفع مقامات کی طرف پرواز کی اور جذبِ باطن کے ذریعے باطنی نسبت کو ترقّی دینے اور مقامِ استقامت کو حاصل کرنے میں وقت صَرف کیا۔ یہ لوگ عشقِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم اور محبتِ الٰہیہ میں بہت بلند مقام تک پہنچے توحید کی معرفت کا اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ مقامِ صبر، رضا، شکر،

Marfat.com

توکل میں اُونچی رفعتوں تک پہنچے اور ان کے شہبازِ ہمت نے ذاتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے سوا کسی چیز کو اپنا مقصود نہ ٹھہرایا۔

تصوّف کا چوتھا دور

حضرت شاہ ولی اللہ مُحدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تصوّف کا چوتھا دُور امام العارفین حضرت شیخ اکبر محیّ الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۳۸ھ) سے شروع ہُوا۔ اگرچہ آپ سے پہلے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی حقائق پر کلام شروع کر چکے تھے اور فنِ تصوّف کے اصطلاحی پہلُو کا آغاز کر چُکے تھے مگر اسے بامِ عروج تک پہنچانے والے شیخ اکبر ابن عربی ہی ہیں۔ آپ کے دَور میں حقائق تصوّف پر بحث شرُوع ہُوئی کائنات اور خالق کائنات کے رابطے کو موضُوعِ سُخن بنایا۔ وجُود کی حقیقت اور اس کے تنزلات پر بحثوں کا آغاز ہُوا۔ یہیں سے مسئلہ وحدت الوجُود نے علمی اور تحقیقی شکل اختیار کی۔

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اصل مقصُود کے اعتبار سے ان چاروں میں کوئی بنیادی فرق نہیں چاروں ادوار کے اہلِ کمال جزوی اختلافات سے قطع نظر اصل مقصُود۔ قربِ خُداوندی اور معرفتِ الٰہی کے حصُول میں یکساں سرگرمِ عمل نظر آتے ہیں۔ فرق صرف اصطلاحات اور تعبیرات کا ہے۔

تصوّف کے یہ چاروں طریقے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبُول اور پسندیدہ ہیں اور اُنھیں ملاءِ اعلیٰ میں بڑی قدر و منزلت حاصل ہے۔ اربابِ تصوّف پر بحث کرتے وقت ہمیشہ اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ ان بزرگوں کے اقوال و افعال کو ان کے مخصُوص دَور کی روشنی میں جانچا جائے۔ یہ بات نامناسب ہو گی کہ ہم ایک عہد کے اربابِ فضل و کمال کو دُوسرے عہد کے معیار سے جانچنا شرُوع کر دیں۔

Marfat.com

صوفیائے کرام اور اسرار قرآن حکیم

قرآنی اسرار و رموز کے بارے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس موضوع پر صوفیائے کرام کے اقوال کی حیثیت کیا ہے اور یہ ذوقِ تاویل کب سے شروع ہوا ہے۔ ؟ — اس کا جواب دینے سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ صوفیائے کرام کے اقوال کو ظاہر تفسیر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ تفسیر صرف وہی ہے جو صحابۂ کرام اور تابعین عظام سے روایت ہے۔ صوفیائے کرام کے اقوال و تاویلات اشارہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کا تعلق آیات کے ظاہری مدلول سے نہیں بلکہ باطنی مفہوم سے ہوتا ہے۔ ظاہر و باطن کی یہ تفریق خود حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ثابت ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیث مرفوع روایت ہے:

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انزل القرآن علیٰ سبعۃ احرف لکل آیۃ منہا ظہر وبطن ولکل حد مطلع" [۱]

"قرآن مجید کو سات حرفوں پر اُتارا گیا ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور ہر حد تک مطلع ہونے کا خاص طریقہ ہے۔"

حضرت شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر کے مقدمہ میں اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ظاہر سے مُراد تفسیر اور باطن سے مُراد تاویل ہے۔ حد وہ مقام ہے جہاں کسی کلام کے سمجھنے کے بارے میں انسانی فہم ختم ہو جاتی ہے اور مطلع سے مُراد وہ مقام اطلاع ہے جہاں سے کلام الٰہی کے اسرار کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ مراتب سلوک میں جوں جوں ترقی ہوتی جاتی ہے انسان پر نئے اسرار منکشف ہوتے جاتے ہیں۔" [۲]

---

[۱] مشکوٰۃ المصابیح۔ ص: ۳۵ کتاب العلم

[۲] مقدمہ تفسیر شیخ اکبر۔ ص: ۳

Marfat.com

حضرت شیخ اکبر کے کلام سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اپنے اقوال کو تاویل و اشارہ کا نام دیتے ہیں۔ ظاہر تفسیر کا نہیں۔ اِس بات سے صُوفیاء کرام اور باطنیہ کے درمیان حدِّ فاصل قائم ہو جاتی ہے کہ باطنیہ ظاہر تفسیر کے مُنکر ہیں اپنے مزعومات کے مطابق نصوص قرآنیہ کو من گھڑت معانی پر محمُول کرتے ہیں اور ان کے مُرادی معانی کا انکار کرتے ہیں نماز روزہ و دیگر اعمال کی ان کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں۔ آخرت، حشر، نشر، جنّت و نار کی حقیقتوں کا انکار کرتے ہیں اور من گھڑت تاویلات کر کے نصوص قطعیہ کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں صُوفیاء اہلسنت تمام عقائد میں علماء اہل سنت کے ہم خیال ہیں قرآن حکیم کی ظاہری تفسیر کو برحق مانتے ہیں اسلامی عبادات کی فرضیت کے قائل اور دل و جان سے عمل پیرا ہیں۔ آخرت اور اس کے تمام مراحل کو کتاب و سُنّت کی تصریحات کے مطابق حق تسلیم کرتے ہیں۔ اِس لئے صُوفیاء کرام اور فرقہ باطنیہ کے درمیان کوئی مناسبت نہیں۔ علم کلام کی مشہُور کتاب شرح عقائد نسفیہ میں ہے۔ بعض محققین کا مذہب یہ ہے کہ نصوص کے ظاہری معنی مُراد ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ دقیق اور پوشیدہ اشارات بھی پائے جاتے ہیں جو اہل سلوک کے دِل پر منکشف ہوتے ہیں تو یہ بات کمال ایمان اور محض عرفان پر دال ہے۔"[۱]

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ حقائق اسلام پر مفصّل گفتگو حضرت شیخ اکبر محیّ الدین ابن عربی نے فرمائی ہے اس کا یہ مفہوم نہیں کہ آپ سے پہلے کسی نے حقائق و اشارات کی طرف دھیان نہیں دیا۔ یہ بات تسلیم شُدہ ہے کہ صحابۂ کرام حقائق تصوّف اور اسرار قرآن کو بخوبی جانتے تھے لیکن حکمت و مصلحت کی بنا پر ان کو افشا نہیں کرتے تھے تاکہ کہیں کوئی فتنہ نہ اُٹھ کھڑا ہو۔

حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ، کا مشہُور ارشاد ہے کہ مجھے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم

---

[۱] شرح عقائد نسفیہ۔ ص: ۱۱۶

Marfat.com

نے علم کے دو برتن عطا فرمائے ایک میں نے لوگوں میں تقسیم کر دیا اور دُوسرا چھپا رکھا ہے اگر اُسے ظاہر کر دوں تو خطرہ ہے کہ میرا گلا کاٹ دیا جائے گا۔" [1]

امام غزالی نے احیاء العلوم میں نقل کیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہٗ اپنے سینۂ اقدس کی طرف اشارہ کر کے فرماتے تھے کہ یہاں پر علوم کثیرہ موجود ہیں کاش! کوئی ان اسرار کا حامل ہوتا۔" [2]

صحابۂ کرام اور اہلِ بیت اطہار نے علوم شریعت کو لوگوں تک پہنچایا اور علوم اسرار کو عامۃ الناس سے چھپائے رکھا۔ تاکہ ان کے اظہار سے لوگوں میں فتنہ رونما نہ ہو جائے۔ بعض اوقات ایک اولیٰ کام کو مصلحت کی بنا پر چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ مفسدہ رونما ہونے پائے۔ جیساکہ امام بخاری کے اس قائم کردہ عنوان سے وضاحت ہوتی ہے۔ کتاب العلم میں ہے۔" باب من ترك بعض الاختيار مخافة ان يقصر فهم الناس فيقعوا في اشد منه۔" [3]

(ترجمہ)" بعض پسندیدہ کاموں کو اس لئے چھوڑ دیا جاتا ہے کہ عوام انھیں سمجھنے سے عاجز رہیں گے اور وہ زیادہ سخت فتنے میں مبتلا ہوں گے۔" امام بخاری نے اس کے تحت حضرت عبداللہ بن زبیر کی حدیث روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عائشہ! اگر تیری قوم کا عہد کفر تازہ نہ ہوتا تو میں کعبہ کی موجودہ عمارت کو گرا کر از سر نو بنائے ابراہیمی پہ بناتا اور کعبہ شریف کے" دو دروازے بناتا ایک داخل ہونے کے لئے اور دُوسرا باہر نکلنے کے لئے۔" یہ حدیث ابن زبیر کے علم میں تھی۔ لہٰذا جب ان کا عہدِ خلافت آیا تو انھوں نے ایسا ہی کیا بعد میں حجاج بن یوسف کو غلبہ حاصل ہوا تو اس نے عبداللہ بن زبیر کی بنا کو گرا کر پھر بنائے قریش پہ کعبے کی تعمیر کی۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح۔ ص: ۳۷

[2] احیاء العلوم۔ ص: ۱۰۷

[3] صحیح بخاری۔ ص: ۲۴، ج: ۱

Marfat.com

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ بعض اوقات کسی فتنے کے ڈر سے اچھے کام کو (جو فرض واجب نہ ہو) ملتوی کر دیا جاتا ہے تاکہ فتنہ برپا نہ ہونے پائے اور اُمت کے تشخص کو ضرر نہ پہنچے۔

اسرار و اشارات کے اظہار میں بھی یہی حکمت مانع تھی اسلام کی تازہ اشاعت ہو رہی تھی۔ ہر طرف فتوحات کا سیل رواں تھا۔ ان حالات میں ظاہر شریعت کو منظم کرنے کی ضرورت تھی اور لوگوں کو دینی ارکان و فرائض پر عمل پیرا کرانا ضروری تھا اس لیے اسرار و اشارات کے کام کو ملتوی کر دیا گیا۔ پھر جب حکمت الٰہیہ کو منظور ہوا تو ایسے لوگ پیدا کر دیئے جنھوں نے حقائق کو اس عمدگی سے بیان کیا کہ ظاہر شریعت سے تعارض نہ آئے۔ گویا بقول مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ۔

بر کفے جام شریعت در کف سندان عشق
ہر ہوس ناکے نداند با جام و سندان باختن

وہ لوگ شریعت اور طریقت کے جامع تھے اور حقیقت کے اسرار و رموز سے پوری طرح باخبر تھے یاد رہے کہ یہاں اسرار سے مراد وہ شطحیات نہیں جو غلبہ سکر کی بنا پر بعض صوفیائے کرام سے سرزد ہوتے ہیں بلکہ عرفاء کاملین کے وہ نکات ہیں جو انھوں نے نور عرفان کے ساتھ حاصل کیے۔

رہا یہ سوال کہ ایسے اسرار کی اشاعت کا کیا فائدہ ؟ جن پر نہ نجات کا دار و مدار ہے نہ ظاہر قرآن کا سمجھنا موقوف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اسرار و اشارات ان کشفی علوم کا نتیجہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کو عطا فرماتا ہے ظاہر ہے کہ ایک بلند ہمت انسان کے لیے صرف اتنا علم کافی نہیں جس پر اس کی نجات موقوف ہو بلکہ اس سے بڑھ کر وہ حقائق کائنات اور اسرار قدرت کو معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ اُس کے علم و عرفان میں مزید اضافہ ہو۔ ارشادِ خداوندی "وقل رب زدنی علما"

Marfat.com

یہ ارشاد بھی ہمارے مؤقف کی تائید کرتا ہے۔

۲۔ صوفیائے کرام کے اسرار و رموز سے جہاں علم میں اضافہ ہوتا ہے وہاں عملی صلاحیتیں اور اصلاحِ نفس کا کٹھن مرحلہ بھی انجام پذیر ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت ایک مثال سے ہوگی۔ ارشاد خداوندی ہے۔ "واذ فرقنا بکم البحر فانجینٰکم واغرقنا آل فرعون وانتم تنظرون" [۱]

اور یاد کرو جب ہم نے تمہارے لئے دریا چیر دیا تمہیں نجات دی اور فرعون والوں کو غرق کر دیا اس حال میں تم دیکھ رہے تھے۔"

یہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ بحیرۂ قلزم کو بنی اسرائیل پار کر گئے مگر فرعون اور اُس کی قوم غرق ہو گئی۔

صوفیاء کرام یہاں پر ایک ایسا اشارہ اخذ کرتے ہیں جس کا تعلق ہماری اصلاح اور تزکیۂ نفس سے ہے۔ علامہ شہاب الدین محمود آلوسی اس آیت کی ظاہری تفسیر کے بعد صوفیاء کرام کا اشارہ نقل کرتے ہیں۔

"سمندر سے مُراد دُنیا اور اس کی لذّات ہیں۔ مُوسیٰ سے اشارہ دل کی طرف ہے اور قومِ مُوسیٰ سے مُراد صفات قلب ہیں فرعون کا اشارہ نفسِ امارہ کی طرف ہے اور قومِ فرعون سے مُراد صفات نفس ہیں جو مُوسیٰ اور اُس کی قوم کے دُشمن ہیں اور اس کے تعاقب میں لگے ہوئے ہیں کہ اسے ہلاک کر ڈالیں۔ اگر موسئے دل ذِکر الٰہی کا عصا لے کر دُنیا کی شہوات و لذات پر مارے تو نجات کا خُشک رستہ نکل سکتا ہے ورنہ فرعون نفس اس قدر سرکش ہے کہ مُوسیٰ اور اُس کی قوم کو ہلاک کر دے گا۔" [۲]

۳۔ صُوفیاء کرام کی تفسیر بالاشارہ سے بعض اوقات ایسے اُلجھے ہوئے مسائل حل

---

[۱]۔ سورۂ بقرہ۔ آیت: ۵۰، پارہ: ۱

[۲]۔ تفسیر رُوح المعانی۔ ص: ۲۵۶، ج: ۱

Marfat.com

ہو جاتے ہیں جو علمائے ظاہر کے نزدیک ناقابلِ فہم ہوتے ہیں۔ مثلاً قضا و قدر کا مسئلہ لیجیے اس مسئلے میں علماء کے درمیان بہت اختلاف ہے۔ بعض نے جبر کا قول کیا ہے بعض نے مطلق اختیار کا۔ علماء اشاعرہ نے اگرچہ جبر و قدر کے درمیان راہ نکالنے کی کوشش کی ہے لیکن بندے سے مؤثر اختیار کی نفی کر دی ہے جس سے معاملہ پھر جبر تک پہنچ جاتا ہے۔ حضرت شیخ اکبر ابن عربی رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ پر بڑی نفیس تقریر کی ہے جس کا کچھ حصہ علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں بیان فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"بندوں کو اسی طرف چلایا جاتا ہے جسے وہ اختیار کرتے ہیں۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں کسی اکراہ و جبر کے بغیر کرتے ہیں۔ وہ اپنے اختیار ازلی میں مجبور نہیں اس لئے کہ یہ تعلق علم سے پہلے کا ہے تعلق علم تعلق ارادہ سے پہلے ہے اور ارادہ علم کے تابع ہوتا ہے اور علم معلوم کے تابع ہوتا ہے یہاں پر معلوم سے مراد وہ اختیار ازلی ہے جو علم الٰہی میں ازل سے تھا جیسا کہ رب تعالیٰ نے جانا ویسا ہی رب تعالیٰ نے ارادہ کیا اور جیسے ارادہ کیا ویسے قضا و قدر ظہور میں آئی لہٰذا بندہ جبر کا عذر نہیں کر سکتا" [1]

غرضیکہ صوفیائے کرام کے حقائق اور باطنی اشارات سے اہلِ علم پر بہت سے غیبی دریچے کشادہ ہوتے ہیں اور مسائل شرعیہ پر گہرا عبور حاصل ہوتا ہے۔ صوفیاء کرام کی اشاراتی تفسیر بہت سے علمی اور فکری مسائل میں ہماری راہنمائی کرتی ہے جنہیں سمجھے بغیر ہم حقائق کی دنیا سے دور رہتے ہیں۔

مفسّرین صوفیاء کرام

صوفیاء کرام نے ظاہری تفسیر پر بھی قلم اٹھایا ہے اور باطنی اشارات کو بھی قلم بند کیا ہے اس وقت ہمارے پیشِ نظر صوفیاء کرام کا وہ تحقیقی کام ہے جس کا تعلق بطن آیات

[1] تفسیر روح المعانی۔ ص: ۱۳۳، ج ۱:

Marfat.com

ہے لیکن کہیں کہیں مناسبت کی بنا پر تفسیر ظاہر کا ذکر بھی آئے گا۔

ا۔ شیخ ابُوعبدالرحمٰن سلمی

پہلے صُوفی مفسّر شیخ ابُوعبدالرحمٰن سلمی نیشاپُوری ہیں آپ کا نام محمّد بن حسین بن محمّد بن مُوسیٰ ہے۔ آپ کے شیخ ابوالقاسم نصر آبادی ہیں شیخ ابُوسعید ابوالخیر نے اپنے پیر ابوالفضل کی وفات کے بعد آپ کی صحبت اختیار کی شیخ ابُوسعید فرماتے ہیں کہ آپ نے پہلی مُلاقات میں مجھے یہ یہ تحریر دی "التصوف هو الخلق من زاد عليك بالخلق زاد عليك بالتصوف واحسن ما قيل في تفسير الخلق ما قال الشيخ الامام ابو سهل الصعلوكي الخلق هو الاعراض من الاعتراض"۔[1]

"تصوّف اخلاق کا نام ہے جو اخلاق میں تم سے آگے بڑھ گیا وہ تصوّف میں بھی سبقت لے گیا۔ شیخ ابُوسہل صعلوکی فرماتے ہیں کہ خُلق کے معنی ہیں خلقِ الٰہی پر اعتراض نہ کرنا۔"

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فتوحات میں لکھتے ہیں کہ محرم ۵۹۰ھ میں مجھ پر صدیقیت اور نبوّت کے درمیان ایک مقام منکشف ہُوا۔ مجھ پر سخت حیرت غالب آئی مجھے اس مقام کا نام معلُوم نہ ہو سکا۔ میں عصر کے بعد ایک واقف حال شخص کے گھر میں تھا وہاں مجھے کسی شخص کا سایہ نظر آیا جسے دیکھتے ہی مجھے سرور حاصل ہُوا۔ اس نے مجھے گلے لگایا۔ غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہُوا کہ وہ شیخ ابُوعبدالرحمٰن سلمی ہیں جو وفات پا چکے تھے اور ان کی رُوح جسمانی شکل میں متمثل ہُوئی ہے اُنھوں نے بتایا کہ میں بھی اسی مقام میں ہُوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے اطمینان کے لئے بھیجا ہے۔ پھر فرمانے

---

[1] نفحات الانس : ص ۔ ۲۸۶

Marfat.com

لگے خُدا کا شکر کرو اس کی عنایت نے تمھیں یہ مقام بخشا ہے۔ خضر علیہ السلام کا بھی یہی مقام ہے میں نے اس مقام کا نام پُوچھا تو فرمانے لگے اسے مقام قربت کہتے ہیں۔ آپ نے ۴۱۲ھ میں وفات پائی۔ آپ کی متعدد تصانیف ہیں جن میں تفسیر حقائق القرآن زیادہ مشہُور ہے" ۱ے

اس میں قرآن مجید کے اسرار و رموز کو بیان کیا گیا ہے۔ آپ نے مشائخ صُوفیا کے طبقات پر بھی بہترین کتاب لکھی ہے۔ تذکرۃ الحفاظ میں آپ کی تصانیف کی فہرست ایک سو سے زائد ہے۔ جب کہ طبقات شافعیہ میں ایک ہزار جز بتائی گئی ہیں" ۲ے

شیخ روزبہان بن ابی النصر البقلی

شیخ روزبہان بن ابی النصر البقلی ثم الشیرازی اپنے وقت کے اکابر علماء و مشائخ میں سے تھے آپ شیخ سراالدین محمُود بن خلیفہ کے مُرید ہیں۔ آپ نے شیراز کے اطراف و اکناف میں ریاضات و مُجاہدات کئے آپ اعلیٰ ذوق اور کامل بصیرت کے مالک تھے ذکر الٰہی میں ہمیشہ سرد آہ کھینچتے تھے۔ شب و روز گریہ و بکا میں مشغُول رہتے آپ نے حقائق و اشارات قُرآن پر تفسیر لکھی جو تفسیر عرائس البیان کے نام سے مشہُور ہے اس کے علاوہ مکنون الحدیث حقائق الاخبار اور کتاب العقائد وغیرہ تالیف کیں آپ کے خلفاء میں شیخ ابُوبکر بن طاہر کا بیان ہے کہ میں روزانہ سحری کے وقت شیخ کو قُرآن پاک کے تین پارے سناتا آپ بھی مجُھے تین پارے سُنادیا کرتے مُدت تک یہی حال رہا ایک بار میں نے دوستوں کے سامنے اس کا چرچا کیا تو پھر قبر سے آواز آنا بند ہو گئی۔ حضرت شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ میں آپ کے ذوق و شوق اور وجد و حال کا ذکر کیا ہے۔ آپ نے محرم الحرام ۶۰۶ھ میں وفات پائی ــــ آپ نے اپنی تفسیر کے مقدمے میں لکھا ہے کہ میں جب مجاہدات و ریاضات

۱ے۔ فتوحات مکیہ۔ باب: ۱۶۱، ج: ۲، ص: ۲۶۱

۲ے۔ معجم المؤلفین۔ ج: ۹، ص: ۲۵۰

Marfat.com

سے بے فارغ ہُوا اور مکاشفہ و مشاہدہ کے باغ میں پہنچا تو پہلے دَور کے مشائخ کرام کی پیروی کرتے ہُوئے حقائق قرآن کی طرف توجہ دی۔

آپ عموماً تاویل آیات میں اپنے ذوق و وجدان اور کشف صادق کے مطابق اسرار بیان کرتے ہیں پھر اکابر سلف مثلاً جنید بغدادی، ابُوبکر شبلی، امام جعفر صادق اور امام علی بن مُوسیٰ رضا رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال پیش کرتے ہیں۔

آپ نے الٓمٓ کے اشارات بیان کرتے لکھا ہے "ان الالف اشارة الیٰ وحدانية الذات واللام اشارة الیٰ ازلية الصفات والميم اشارة الیٰ ملكه فی اظهار الآيات" [1]

الف کا اشارہ وحدانیت ذات کی طرف ہے لام کا اشارہ ازلیت صفات کی طرف ہے اور میم کا اشارہ اس کے ملک کی طرف ہے جس میں دلائل قدرت کا اظہار ہوتا ہے۔

غرضیکہ آپ کی تفسیر اشارات و دقائق پر مشتمل ہے جو باطنی ذوق رکھنے والوں کے لئے نفیس سرمایہ ہے۔

شیخ اکبر محیّ الدّین ابن عربی

شخصیّت

حضرت شیخ اکبر محیّ الدین ابن عربی قدس سرہ العزیز کا اسم گرامی مُحمّد بن علی ہے۔ حاتم طائی کے خاندان سے ہیں اس لئے حاتمی کہلاتے ہیں۔ آپ کی دو کنیتیں بیان کی گئی ہیں ابُوعبداللہ اور ابُوبکر۔ آپ اُندلس کے مردم خیز خطّہ مرسیہ میں ۱۷ رمضان المبارک

---

[1] تفسیر عرائس البیان۔ ص: ۱۱

Marfat.com

۵۶۰ھ کو پیدا ہوئے آپ کی عمر سات یا آٹھ سال تھی کہ والدین کے ساتھ اشبیلیہ آ گئے
یہاں پر بڑے بڑے قابل اساتذہ سے قرآن مجید، حدیث، تفسیر، فقہ، اصول، عربی اد
نحو، صرف وغیرہ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں ابوالقاسم عبدالرحمٰن قرطبی
قاضی ابومحمد ابوعبداللہ بازلی، ابومحمد عبدالحق بن عبداللہ اشبیلی یونس بن یحییٰ ہاشمی نزیل مک
ابوطاہر سلفی اصفہانی ابوالقاسم خلف بن بشکوال اور ابن عساکر دمشقی کے نام بہت
مشہور ہیں۔ آپ نے تمام علوم بڑی محنت اور تحقیق کے ساتھ پڑھے آپ ۵۹۰ھ تک
اشبیلیہ میں رہے اور علوم ظاہرہ میں کمال حاصل کیا۔ آپ کا عہد شباب شروع ہو
تھا۔ آپ نے باطن میں تبدیلی محسوس کی اور تصوّف کی طرف شدید میلان آپ کے
دل میں پیدا ہوا۔ آپ نے تصوّف کے تمام مراحل ضبط نفس اور مجاہدہ و ریاضت
ساتھ طے کیے۔ اور آپ کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی۔ مشہور فلسفی ابن رشد
آپ کے والد بزرگوار کا دوست تھا آپ سے ملاقات کا خواہشمند ہوا۔ والد بزرگوار
کہنے پر آپ نے اس سے ملاقات کی اس نے آپکے روحانی کمالات کو تسلیم کیا۔ اور کہ
میں پہلے اس بات کو صرف عقلاً ممکن کہتا تھا۔ کہ کوئی آدمی اپنی سعادت کی بنا پر کشف
میں اونچا مقام حاصل کرلے اور فلسفہ و حکمت کے بغیر اس کے دل پر حقائق کائنا
کا دروازہ کھل جائے۔ آج میں نے اپنی آنکھوں سے ابن عربی کو دیکھا اور مجھے یقین
کامل ہوگیا کہ یہ بات صرف ممکن ہی نہیں بلکہ واقع بھی ہے کہ ایک آدمی روحانی کشف
کی بنا پر بہت بڑا وسیع علم حاصل کرلے۔ امام ابن عربی نے اشبیلیہ غرناطہ قرطبہ اور الم
کے بہت سے مشائخ سے ملاقات کی اور روحانی فیوضات حاصل کیے۔ خصوصی طو
شیخ ابومدین مغربی سے آپ کی روحانی نسبت بہت قوی تھی۔ آپ نے اپنی کتاب
فتوحات مکیہ میں بار بار شیخ ابومدین کا ذکر کیا ہے اور انہیں اپنا شیخ قرار دیا۔
حضرت ابن عربی کو شیخ ابومدین سے گہری محبت تھی۔ آپ نے فتوحات میں انہیں

Marfat.com

رجالِ غیب سے شمار کیا ہے۔" ۱؎

امام ابن عربی نے شیخ ابومدین کو قُطب وقت کا لقب بھی دیا ہے جس کی منزل قل اللّٰہ ثم ذرھم تھی۔" ۲؎

دیارِ مشرق کو روانگی

آپ نے ایک غیبی حُکم کے تحت مغرب سے مشرق کا سفر کیا۔ آپ مصر، شام، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بیت المقدس اور بغداد گئے۔ آپ ہر ایک مقام پر اولیاء کرام اور علماء راسخین سے مُلاقات کرتے تھے آپ کی وجہ سے علمی و رُوحانی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں اور افادہ و استفادہ کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

آپ ۶۰۷ھ میں رُوحانی اشارے کے تحت ترکی کے مشہُور شہر قونیہ پہنچے (قونیہ بعد میں مولانا جلال الدین رومی تشریف لے گئے) قونیہ کے کیکاؤس اوّل نے بڑا پرتپاک استقبال کیا اور آپ سے قونیہ میں قیام کی درخواست کی اور آپ کی رہائش کے لئے عالی مکان مہیا کیا۔ حضرت ابن عربی نے ایک سائل کی درخواست پر یہ مکان اسے دے دیا۔ آپ کی طبیعت سیاحت پسند تھی کسی ایک جگہ مستقل طور پر ٹھہرنا آپ کو پسند نہیں تھا چنانچہ آپ نے مولانا صدرالدین قونوی کو رُوحانی فیض عطاء فرما کر قونیہ میں اپنا نشین مقرر کرنے کے بعد وہاں سے کوچ کیا۔

۶۰۸ھ میں بغداد آئے۔ اس موقع پر شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی سے مختصر مُلاقات کی بعد میں دونوں بزرگوں سے ان کے تاثرات پُوچھے گئے تو شیخ اکبر نے فرمایا کہ شیخ سہروردی اتباع سُنّت سے مالا مال ہیں۔

اور شیخ سہروردی نے آپ کے بارے میں فرمایا کہ شیخ اکبر سراپا اسرار و حکمت سے بھرے ہُوئے ہیں۔" ۳؎

بغداد میں آپ کو حضُور غوث پاک سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے

۱؎ فتوحات مکیہ۔ ج:۲، ص:۱۱ ۲؎۔ فتوحات مکیہ۔ ج:۴، ص:۱۴۱

Marfat.com

فیض یافتہ بزرگ شیخ ابُو سعید ابن شبلی سے سلسلۂ قادریہ کی سند اور خرقہ نصیب ہُوا[1]
سنہ ۶۰۲ھ میں ایشیائے کوچک کے بادشاہ نے آپ کو بلایا کہ رُوحانی طور پر اس کی راہنمائی فرمائیں۔ آپ خُود تشریف نہ لیجا سکے لیکن اسے ایک خط بھیجا جس میں بڑی قیمتی نصیحتیں اور دُعائیں فرمائیں۔

سنہ ۶۱۰ھ میں حلب تشریف لے گئے۔ وہاں کے عُلماء کو آپ کی کتاب ترجمان الاشواق پر اعتراض تھا۔ آپ نے اس کتاب کی شرح لکھی جس سے عُلما کے اعتراضات دور ہو گئے اور وُہ آپ کے عقیدت مند بن گئے۔

سنہ ۶۱۱ھ میں دوبارہ قونیہ تشریف لے گئے۔ کیکاؤس اوّل سے مُلاقات نہ ہو سکی تاہم آپ نے خط کے ذریعے اسے فتح انطاکیہ کی بشارت دی جو حرف بحرف پُوری ہُوئی[2] ایک غیبی اشارہ کے تحت حلب کا بادشاہ سُلطان الظاہر غیاث الدین جو سُلطان صلاح الدین کا بیٹا تھا آپ کا بہت معتقد بن گیا۔ بہت سے حاجت مند آپ کے ذریعے بادشاہ تک عرضیاں پہونچاتے اور مقصد میں کامیاب ہُوئے آخر کار طویل سیر و سیاحت کے بعد آپ سنہ ۶۲۰ھ میں تقریباً ساٹھ سال کی عُمر میں دمشق میں قیام پذیر ہو گئے اور آخر دم تک وہیں رہے۔ صرف ایک بار حلب تشریف لے گئے۔ دمشق میں قیام کے دوران آپ نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ نے مکّہ شریف میں فتوحات مکیہ لکھنا شروع کی تھی تقریباً پینتیس برس بعد دمشق میں مکمل ہُوئی۔ اسی عرصہ میں آپ نے اور بہت سی کتابیں لکھیں۔ دمشق کا سُلطان اور تمام حکام اور وہاں کے تمام عُلماء اور فقہاء آپ کا بے حد ادب کرتے تھے۔ اور احمد بن خلیل خوئی جو فقہ شافعی کے قاضی القضاۃ تھے غلاموں کی طرح آپ کی خدمت کرتے تھے اور روزانہ مُلاقات سے پہلے تین درہم صد

---

[1] سوانح ابن عربی۔ ص: ۱۸۱

[2] محاضرۃ الابرار۔ جلد: ۲، ص: ۴۲۰

کرتے تھے۔

بادشاہِ وقت اور دُوسرے علماء وصلحاء کی درخواست پر آپ نے روایت حدیث اور اپنی دُوسری تصانیف کی شروطِ معتبرہ کے ساتھ روایت کرنے کی اجازت دے دی۔ اسی شہر دمشق میں آپ کو عالم رؤیا میں حضُور پاک علیہ الصلوٰۃُ والسّلام کی طرف سے کتاب فصوص الحکم لکھنے کا حکم ہُوا۔ آپ نے تعمیل ارشاد میں مذکورہ بالا کتاب تالیف کی جو فنِ تصوّف کا نادر شاہکار ہے۔

وصال

آخر کار اِسی شہر دمشق میں ۲۲ ربیع الاوّل ۶۳۸ھ میں وصال فرمایا۔ آپ کو جبلِ قاسیون کے دامن میں دفن کیا گیا۔ اب یہ مقام صالحیہ کے نام سے مشہُور ہے۔ آپ کے دو صاحبزادے شیخ عماد الدّین اور شیخ سعد الدّین بھی ساتھ ہی مدفون ہیں۔

شیخ اکبر کی تصانیف

شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ریاضت و مجاہدہ اور کثرت سے سیاحت کے باوجود بڑی تعداد میں کتابیں تصنیف فرمائیں اور بہت سے رسائل تالیف فرمائے۔ آپ کے کچھ رسائل حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکے ہیں۔ فتوحات اور فصوص بھی کئی بار شائع ہو چکی ہیں۔ آپ کی تصانیف کی تعداد میں مختلف روایتیں ہیں آپ نے ۶۳۲ھ میں دمشق کے حکمران کے نام لکھے گئے خط میں تقریباً دو سو چالیس کتابوں کا ذکر کیا ہے اور یہ وضاحت بھی فرمائی ہے میری چھوٹی سے چھوٹی کتاب ایک جلد میں اور بعض بڑی کتابیں سو جلدوں میں ہیں۔

علّامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ کی تصانیف کی تعداد چار سو سے کچھ اُوپر بتائی ہے۔" [1]

---

[1] ۔ الیواقیت والجواھر۔ ج:۱، ص:۸

Marfat.com

جب کہ علّامہ عبد الرحمٰن جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ تعداد پانچ سو سے زائد قرار دی ہے۔" ؎

دورِ حاضر کے محقق ڈاکٹر محسن جہانگیری ایرانی نے پانچ سو گیارہ کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں چند مشہور کتابیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ فتوحاتِ مکیہ ۲۔ فصوص الحکم ۳۔ دیوانِ عربی ۴۔ اختصار سیرت النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم ۵۔ کتاب الارواح ۶۔ کتاب اشارات القرآن فی عالم الانسان ۷۔ کتاب تاج الرسائل ومنہاج الوسائل ۸۔ کتاب ترتیب الرحلۃ ۹۔ کتاب الحال والمقام والوقت ۱۰۔ کتاب الحق ۱۱۔ کتاب الحکمۃ الالٰہیہ ۱۲۔ کتاب الرسالۃ والنبوۃ والولایۃ والمعرفۃ ۱۳۔ کتاب رُوح القدس ۱۴۔ کتاب شرح الاسماء ۱۵۔ کتاب العوالی فی اسانید الحدیث ۱۶۔ کتاب الغیبۃ والحضور ۱۷۔ کتاب محاضرۃ الابرار ومسامرۃ الاخیار ۱۸۔ کتاب مشکوٰۃ الانوار ۱۹۔ کتاب المصباح فی الجمع بین الصحاح ۲۰۔ کتاب العلوم بین عقائد علماء الرسوم۔ ۲۱۔ کتاب النون فی سر المکنون ۲۲۔ الجواب المستقیم عما سئل عنہ الترمذی الحکیم (حکیم ترمذی پر جو سوالات کیے گئے تھے شیخ اکبر نے ان کے جوابات دیئے) ۲۳۔ کتاب الرسائل فی الاجوبۃ عن عیون المسائل۔ ۲۴۔ کتاب العین (اس میں دیدار باری تعالیٰ مشاہدہ، کشف، تجلّی وغیرہ کی بحث ہے۔ ۲۵۔ کتاب المواقف فی معرفۃ المعارف (پندرہ جلدوں میں تحقیقی کارنامہ ہے) وغیر ذٰلک

فنِ تفسیر اور شیخ اکبر

شیخ اکبر محی الدّین ابن عربی نے جہاں دُوسرے علُوم وفنُون پر سینکڑوں کتابیں لکھیں وہاں فنِ تفسیر پر بھی اپنے ذوق کے مطابق چند کتابیں لکھیں۔

۱۔ شیخ اکبر کی سب سے بڑی تفسیر الجمع والتفصیل فی اسرار المعانی والتنزیل ہے جو سُورۂ کہف تک ہے۔ بعض علمائے اِس کی ساٹھ جلدیں بتائیں اور بعض علمائے پچانوے جلدوں کا قول کیا ہے۔

Marfat.com

۲۔ شیخ اکبر کی ایک اور تفسیر آٹھ جلدوں میں ہے۔
۳۔ آپ کی ایک مختصر تفسیر دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ اور یہی ہمیں دستیاب ہوئی ہے۔ ہم اسی پر مختصر تبصرہ کریں گے۔
۴۔ حضرت شیخ اکبر نے آیت الکرسی کی تفسیر میں مستقل کتاب لکھی۔
۵۔ شیخ اکبر نے آیات متشابہات کی تاویلات کے بارے میں ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے۔ کتاب ردمعانی الایٰت المتشابہات الی المحکمات۔
۶۔ آپ کی ایک اور تفسیر کشف الاسرار و (ہتک) الاستار چوبیس جلدوں میں ہے۔
۷۔ شیخ اکبر نے قرآنی سورتوں کے شروع میں آنے والے کلمات کے بارے میں کتاب الرمز فی اوائل السور تصنیف کی ہے۔ غرضیکہ علوم قرآنیہ پر بھی شیخ کو مکمل تبحر حاصل تھا۔ حضرت شیخ اکبر کی تفسیر جو دو جلدوں میں ہے اس کے مقدمے میں آپ فرماتے ہیں۔ فشرعت فی تسوید هذه الاوراق بما عسٰی یسمح به الخاطر علی سبیل الاتفاق غیر حائم بقعة التفسیر ولا خائض فی لجة من المطلعات مالا یسعه التقریر۔ مراعیا لنظم الکتاب و ترتیبه وغیر معید لما تکرر منه او تشابه فی اسالیبه کل مالا یقبل التاویل عندی اولا یحتاج الیه فما اوردته اصلاً۔[1]

ترجمہ: میں نے یہ کتاب لکھنا شروع کی ان الہامات کی روشنی میں جو میرے دل پر وارد ہوئے۔ میں نے اصطلاحی تفسیر کا چکر نہیں لگایا۔ اور نہ ہی حد مطلع کے گہرے پانی میں داخل ہوا ہوں نہ ہی وہ بحث چھیڑی جس کی تقریر نہ ہو سکے۔ میں نے نظم کتاب اور

---

[1]۔ مقدمہ تفسیر شیخ اکبر۔ ص ۵

Marfat.com

ترتیب آیات و سور کی رعایت کی ہے جو بحثیں مکرر تھیں انہیں چھوڑ دیا جو اسلوب ملتے جلتے تھے اُنہیں بھی اختصاراً حذف کر دیا۔

ایسی آیات جو تاویل کو قبول نہیں کرتیں یا ان میں تاویل کی حاجت نہیں میں نے اُنھیں قصداً وارد نہیں کیا۔ ہمارے شیخ کامل اور عارف برحق پیر سید مہر علی شاہ قدس سرہ العزیز حضرت شیخ اکبر کی تفسیر کے بارے میں فرماتے ہیں شیخ کی تفسیر اشارات دقیقہ و اسرار حقیقت کی تفسیر ہے۔ ورنہ تفسیر تو وہی ہے جو قرونِ اُولے مشھود لھا بالخیر و زمانۂ ائمہ مجتہدین، واکابر مفسّرین میں کی گئی جس سے احکام شرعیہ اور خطابات شرعیہ ثابت ہُوئے ہیں۔

شیخ نے اشارات بیان کئے ہیں شیخ نے تفسیر کے مقدّمہ میں تصریح کی ہے کہ تفسیر وہی ہے جس کے ساتھ ظاہر آیات سے امر و نہی ثابت ہوتے ہوں۔ میرا کلام اشارات پر مشتمل ہے معترض اس وجہ سے غلطی میں پڑتے ہیں کہ وہ مشائخ کے احوال سے آگاہ نہیں۔ نہ ہی ان کی کتب پر وسعت سے نظر رکھتے ہیں۔ اس لئے حقیقت کو نہ سمجھتے ہُوئے اعتراض کرتے ہیں اور اپنی خرابی کا سامان پیدا کرتے ہیں۔" [1]

اب ہم شیخ کی تفسیر سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ جس سے شیخ کا اندازِ تفسیر قارئین کرام پر واضح ہو جائے۔

۱۔ حضرت شیخ اکبر سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۲۶ (یٰبنی آدم قد انزلنا علیکم لباسًا یواری سوآتکم وریشا ولباسُ التقوٰی ذالك خیر) کی باطنی تاویل میں فرماتے ہیں۔

لباس یواری سوآتکم سے مُراد شریعت کا لباس ہے جو انسان کو قبیح اور فحش افعال سے بچاتا ہے۔

---

[1] ملفوظات مہریہ۔ ج: ۲، ص: ۶۴

Marfat.com

تقویٰ کا لباس اصل دین ہے یہ انوار صفات سے ہے اور صفات نفس سے مکمل پرہیز اس صورت میں ممکن ہے جب کہ صفات حق کی تجلّیات دل پر پڑیں۔ اس لئے صوفیاء کرام کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے کی صفت میں تصرّف نہیں فرماتا مگر یہ کہ اسی جنس سے اس سے اچھی صفت عطا فرما دیتا ہے۔" [1]

۲۔ آیت الکرسی کی تشریح کرتے ہوئے **وسع کرسیه السموٰت والارض** کی تاویل میں فرماتے ہیں۔ کرسی سے مراد علم الٰہی ہے کرسی کے بارے میں حضرت بایزید بسطامی فرماتے ہیں۔ اگر جہان اور اس کے تمام اجزاء کو ہزاروں بار عارف کے دل کے کونے میں ڈال دیا جائے تو اسے پرواہ نہیں ہوگی کیونکہ اس کے دل کی کرسی بہت وسیع ہے۔ امام حسن بصری فرماتے ہیں کرسی سے مراد عرش الٰہی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے مومن کا دل عرش الٰہی ہے۔" [2]

۳۔ حضرت شیخ اکبر سورۂ حج کی آیت نمبرہ کی تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وتری الارض هامدة فاذا انزلنا علیها الماء اهتزت و ربت و انبتت من کل زوج بهیج۔

تو زمین کو دیکھتا ہے کہ وہ خشک پڑی ہے جب ہم نے اس پر پانی اتارا تو وہ تر و تازہ ہوگئی ابھر آئی اور اس میں ہر قسم کا خوشنما سبزہ اُگ آیا۔

شیخ اکبر فرماتے ہیں۔ زمین سے مراد نفس انسانی ہے اس کے ویران ہونے سے مراد اس کا فضائل و کمالات سے خالی ہونا ہے اس پر جب آسمانِ روح کی طرف سے علم کا پانی اترتا ہے تو وہ حیات حقیقی کے ساتھ تر و تازہ ہو جاتی ہے اور مقامات میں ترقی کرتی ہے اور اس میں کمالات و فضائل کے پھول اُگ آتے ہیں۔" [3]

---

[1] ۔ تفسیر ابن عربی ۔ ج : ۱ ، ص : ۴۲۹

[2] ۔ تفسیر ابن عربی ۔ ج : ۱ ، ص : ۴۳

[3] ۔ تفسیر ابن عربی ۔ ج : ۲ ، ص : ۹۷

Marfat.com

ان مثالوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ اکبر ظاہر تفسیر کی بجائے باطن تاویل بیان کرتے ہیں۔ البتہ اس باطنی تاویل کو ظاہری تفسیر سے کچھ نہ کچھ مناسبت ضرور ہوتی ہے۔ صوفیاء کرام کے اس انداز سے قرآن کی تاویل بیان کرنے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ انسان عالم کون میں مختلف واقعات اور احوال کو اپنے ظاہر و باطن پر قیاس کرے اور آیات آفاقی ہوں یا انفسی ان میں اپنی اصلاح اور باطنی ترقی کا راستہ ڈھونڈے۔

۴۔ سورۂ کوثر کی تفسیر میں شیخ اکبر اپنے اشاراتی رنگ میں فرماتے ہیں۔ کوثر سے مراد وحدت سے کثرت کی پہچان ہے اور یہ علم توحید تفصیلی ہے۔ عین کثرت میں وحدت کا مشاہدہ کرنا اور یہ بھی صحیح ہے کہ وہ جنت کی ایک نہر ہے جو اس سے پی لے گا کبھی پیاسا نہیں رہے گا۔

فصل لربك وانحر ۔ یعنی جب تم نے عین کثرت میں وحدت کا مشاہدہ کر لیا تو اب استقامت کے ساتھ کامل نماز شہودِ روح اور حضور قلب کے ساتھ ادا کرو۔ کیونکہ یہی نماز کامل وافی اور مقبول ہے اور نفس کی ان خصال کی قربانی کردو جو تجلی روح اور مقام تمکین کے منافی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنے والا بے نشان رہے گا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ کی دی ہوئی بقا کے ساتھ باقی ہیں۔ آپ کی ذریات نسبی اور روحانی کثرت کے ساتھ موجود رہے گی لیکن آپ کا مخالف ہلاک ہوگا۔ اور کبھی اپنا نام پیدا نہیں کر سکے گا۔" [1]

۵۔ سورۂ نجم میں **اذ یغشی السدرة ما یغشی ما زاغ البصر وما طغی** کی تاویل میں لکھتے ہیں کہ سدرہ کو اللہ تعالیٰ کے جلال اور عظمت کی تجلی نے گھیر لیا۔ آپ نے حق تعالیٰ کو متجلی دیکھا اس کی صورت میں کیونکہ نہ تو نظر نے غیر کی طرف التفات کی اور نہ اپنے نفس کی طرف توجہ کی۔ اس طرح آپ نے رب تعالیٰ

---

[1] ۔ تفسیر شیخ اکبرؒ۔ ج: ۲، ص: ۸۶۱

Marfat.com

کی آیات کبریٰ کا مشاہدہ کیا۔
صفت رحمٰن کو جلوہ گر دیکھا جس میں تمام صفات ایک ساتھ جلوہ گر ہیں"۔[1]
شیخ اکبر کی تفسیر میں سے ہم نے صرف پانچ مثالیں پیش کیں۔ پوری تفسیر اسی انداز میں لکھی گئی ہے۔ جس سے صوفیانہ ذوق رکھنے والے اہل علم بخوبی استفادہ کرسکتے ہیں۔

شیخ اکبر پر علماء ظاہر کی تنقیدات کا جائزہ

حضرت شیخ اکبر کی تعلیمات پر بعض علماء ظاہر نے اعتراضات کیے۔ معترضین میں حافظ ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ اور برہان الدین بقاعی متوفی ۸۸۵ھ بہت مشہور ہیں۔ ان لوگوں کے اتباع میں کچھ اور لوگوں نے بھی حضرت شیخ اکبر پر اعتراضات کیے ہر دور میں اکابر محققین اور علماء عارفین نے ان کے اعتراضات کے جوابات دیے اور شیخ اکبر کی شخصیت کو کندن سونے کی طرح بے عیب ثابت کیا۔ ہم ذیل میں مخالفین کے اہم اعتراضات اور علماء محققین کی طرف سے ان کے جوابات تحریر کریں گے۔

۱۔ شیخ اکبر پر ایک اعتراض یہ ہے کہ وہ کلمۂ توحید کو فاسد کہتے ہیں۔ معاذ اللہ ایک عام مسلمان بھی ایسی بات کہنے کی جسارت نہیں کرسکتا چہ جائیکہ امام العارفین کے بارے میں یہ تصور کیا جائے کہ انہوں نے ایسی بات کہی ہے۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے فرض کرلیں کہ شیخ نے کوئی ایسی بات کہی ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ توحید باری تعالےٰ کو اپنے کلمہ پڑھنے پر موقوف نہیں سمجھنا چاہیئے توحید باری تعالیٰ نہ ہماری تصدیق کی محتاج ہے نہ اقرار کی وہ ذات از خود وحدہٗ لاشریک ہے نہ کہ ہمارے کلمے پڑھنے سے۔
شیخ اکبر کی اس حقیقت پسندانہ بات کو غلط الفاظ کا دامن پہنایا گیا ہے۔

۲۔ مخالفین حضرت شیخ اکبر کے بارے میں فرماتے ہیں۔ کہ وہ ولایت کو نبوت

---

[1] تفسیر شیخ اکبر۔ ج: ۱، ص: ۵۵۷

Marfat.com

سے افضل سمجھتے تھے حالانکہ یہ بات سراسر غلط ہے۔ شیخ کی مُراد یہ ہے کہ نبی نبوّت اور ولایت کا جامع ہوتا ہے نبی کی ولایت اُس کے حق میں اس کی نبوّت سے بایں معنی افضل ہے کہ ولایت تعلقِ خالق کا نام ہے اور نبوّت و رسالت میں تعلّق بالمخلوق کا پہلُو غالب ہے کیونکہ تعلق خالق افضل ہے تعلّق مخلُوق سے۔ اِس لئے نبی کے حق میں اُس کی ولایت نبوّت افضل ہے ورنہ کسی بڑے سے بڑے ولی کی ولایت بھی نبوّت سے افضل نہیں ہوسکتی۔

۳۔ ابن تیمیہ اور بعض دُوسرے لوگوں نے حضرت شیخ اکبر پر یہ الزام لگایا کہ وُہ عالم کو قدیم مانتے ہیں اور اللہ کے لئے حلول و اتحاد کے قائل ہیں۔

دور ماضی قریب میں ہمارے شیخ کامل حضُور سیّدی و مُرشدی پیر مہر علی شاہ قدس سرہ العزیز نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ میں عالم کو حادث قرار دیا چنانچہ باب معرفۃ بدءِ الخلق میں تحریر فرماتے ہیں۔

وان وجد شئ عن عدمی کوجود ماسوی اللہ تعالیٰ۔ وھو المحدث الموجود بغیرہ۔

عالم میں جو چیز عدم سے وجُود میں آئے جیسے ماسوی اللہ سب کے سب حادث ہیں۔ اور موجُود بغیرہ ہیں۔ اسی طرح حلول اور اتحاد کی نفی کرتے ہُوئے فرماتے ہیں۔ **اعلم ان اللہ تعالیٰ واحد والواحد تعالیٰ ان یحل فیہ شئ او یحل ھو فی شئ**۔"[1]

جان تو اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے اُس کی شان اس سے بلند تر ہے کہ کسی چیز میں حلول کرے یا اس میں کوئی چیز حلول کرے حضرت شیخ اکبر خالق اور مخلوق کے درمیان ایسی تمام نسبتوں کی نفی کرتے ہیں جن سے حلول و اتحاد لازم آئے یا فرقِ مراتب ختم ہو جائے۔

---

[1] فتوحات مکیہ۔ ج: ۲، ص: ۸۳

Marfat.com

حضرت شیخ اکبر ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں۔

"فاي نسبة بين المحدث والقديم۔ وكيف يصح تشبيه من لا يقبل المثل بمن يقبل المثل"۔ [1]

حادث اور قدیم کے درمیان کیا نسبت ہو سکتی ہے؟۔ وہ ذات جو مماثلت کو قبول نہیں کرتی اس کی تشبیہ مخلوق سے دینا کیوں کر جائز اور صحیح ہو سکتا ہے جب کہ مخلوق مماثلت کو قبول کرتی ہے۔

۴۔ حضرت شیخ اکبر پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ فرعون کے ایمان کے قائل ہیں۔ حالانکہ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ فتوحات مکیہ میں اس کے برخلاف صراحت فرماتے ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے:

"وهؤلاء مجرمون اربع طوائف كلها في النار لا يخرجون منها وهم المتكبرون على الله كفرعون وامثاله ممن ادعى الربوبية لنفسه"۔ [2]

"یہ مجرمون کے چار گروہ ہیں اور سب ناری ہیں کوئی ان میں سے جہنّم سے نہیں نکلے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بہت متکبر تھے۔ فرعون اور اس جیسے لوگ جنہوں نے اپنے لئے ربوبیت کا دعویٰ کیا"۔ یہاں پر حضرت شیخ اکبر نے صراحت فرمادی کہ فرعون اور اس جیسے دُوسرے کفّار ناری ہیں اور وہ کبھی جہنّم سے نہیں نکلیں گے اس سے مخالفین کے ایک اور اعتراض کی نفی ہو جاتی ہے کہ شیخ اکبر کے نزدیک لمبے عرصہ

---

[1] بحوالہ مجالہ بر دو سالہ۔ ص: ۳۹

[2] فتوحات مکیہ۔ ج: ۱، ص: ۳۰۱

Marfat.com

کے بعد کفار نجات پالیں گے۔ یہاں پہ شیخ اکبر نے لا یخرجون منہا فرما کر صراحت کر دی ہے کہ کفار کبھی جہنّم سے نہیں نکلیں گے۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اس کے خلاف شیخ کی عبارت پیش کرتا ہے تو وہ عبارت مدسوس اور الحاق ہے۔ علامہ محمود آلوسی صاحب رُوح المعانی فرماتے ہیں۔ کہ بالفرض شیخ کے دو قول متعارض ہوں تو ہم اسی قول کو ترجیح دیں گے جو ادلہ شرعیہ اور مسلک جمہور کے موافق ہو۔[1] غرضیکہ فتوحات مکیہ کے باب ۶۲ کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ شیخ اکبر فرعون کو دائمی ناری قرار دیتے ہیں اور اس مسئلہ میں وہ جمہور اہل سُنّت کے ساتھ ہیں۔

اسی طرح عقیدہ اجمالیہ میں فرماتے ہیں۔

والتابيد للمؤمنين الموحدين فى النعيم المقيم فى الجنان حق والتابيد لاهل النار فى النار حق ۔[2]

مؤمنین موحدین کا ہمیشہ کے لئے جنّت میں مقیم رہنا حق ہے۔ اور اہل نار (کفار) کا ہمیشہ کے لئے نار میں رہنا بھی برحق ہے۔ غرضیکہ حضرت شیخ اکبر محیی الدین ابن عربی ارباب تحقیق کے مقتدا ہیں ارباب مُشاہدہ کے قائد ہیں اور اصحاب کشف کے امام ہیں۔ ایسی شخصیت کو حلول کا قائل قرار دینا یا غلط باتیں منسُوب کرنا سراسر ناانصافی اور زیادتی ہے۔

اکابر عُلمار وعرفار کا خراجِ عقیدت

علمار اہل سُنّت کے اکابر اور گروہ صُوفیار کے برگزیدہ حضرات نے شیخ اکبر کو زبردست

---

[1] ۔ تفسیر رُوح المعانی ۔ ج : ۶، ص : ۱۸۸

[2] ۔ فتوحات مکیہ ۔ ج : ۱، ص : ۳۸

Marfat.com

الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔
۱۔ امام فخرالدین رازی جو علمار اشاعرہ کے امام ہیں اُنہیں حضرت شیخ اکبر نے خط لکھا کہ آپ معقولات کے ساتھ ساتھ علومِ رُوحانیہ کی طرف بھی توجّہ دیں اس خط سے متاثر ہو امام رازی نے علومِ باطن کی طرف توجّہ دی اور حضرت شیخ اکبر کو عظیم ولی قرار دیا۔"[1]
۲۔ شیخ مجد الدین فیروز آبادی صاحبِ قاموس فرماتے ہیں کہ شیخ اکبر شیخ طریقت ہیں تحقیق کے امام ہیں۔ آپ کی تصانیف بحرِ ذخار کی طرح ہیں۔ جو ان کے مطالعے پر مداومت کرے اس پر بہت سے حقائق منکشف ہوں گے اور مشکل مسائل حل ہوں گے۔"[2]
اسی طرح شیخ سراج الدین مخزومی اور کمال الدین زملکانی نے آپ کی تعریف و توصیف کی ہے۔
۳۔ شیخ قطب الدین حموی جب شام سے وطن واپس آئے تو ان سے پوچھا گیا کیا کہ آپ نے شیخ اکبر ابنِ عربی کو کیسا پایا تو اُنہوں نے فرمایا کہ وہ علم، زہد اور معرفت میں ایک بحرِ ذخّار ہیں جس کا کوئی ساحل نہیں۔
۴۔ شیخ صلاح الدّین صفدی نے تاریخ علمائے مصر میں لکھا ہے کہ جو آدمی علم لدنی پر مشتمل کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہے اسے چاہیئے کہ شیخ اکبر کی تصانیف کی طرف رجُوع کرے۔
۵۔ حافظ شمس الدّین ذہبی جو پہلے شیخ اکبر کے سخت مخالف تھے ان سے پُوچھا گیا کہ آپ کا شیخ اکبر کے اس دعوے کے متعلق کیا خیال ہے کہ اُنہوں نے اپنی کتاب فصُوص الحکم حضور رسُول پاک علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ارشاد پر لکھی ہے۔

---

[1]۔ سوانح ابن عربی : ص : ۵۱۵۔
[2]۔ مجالہ بر دو سالہ۔ ص : ۳۷۔

Marfat.com

علّامہ ذہبی نے جواباً کہاکہ میں یہ گمان نہیں کرسکتا کہ شیخ محیؒ الدین جیسا آدمی جھوٹ بول سکتا ہے۔

۶۔ شیخ قطب الدین شیرازی کہا کرتے تھے کہ شیخ اکبر علمِ شریعت اور حقیقت میں کامل تھے۔ ان پر صرف وہی اعتراض کرتا ہے جو ان کے کلام کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتا۔

۷۔ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی نے فرمایا کہ شیخ اکبر حقائق کا سمندر ہیں"۔ [۱]

۸۔ دورِ حاضر کے شیخ کامل پیر مہر علی شاہ قدس سرہ العزیز اپنی کتاب فتوحاتِ صمدیہ میں فرماتے ہیں کہ امام سبکی فرماتے تھے شیخ محیؒ الدین ابن عربی آیۃ من آیات اللہ ہیں۔ فضل وکرم اور علم نے اپنی تمام چابیاں آپ کے سپرد کردیں اور کہاکہ میں اس زمانے میں ابن عربی کے سوا کسی کو نہیں جانتا"۔ [۲]

اسی طرح علّامہ سراج الدین بلقینی نے فرمایاکہ اپنے آپ کو شیخ اکبر پر انکار کرنے سے دُور رکھو شیخ پر ان لوگوں نے اعتراض کیا ہے جو ان کی اصطلاحات سے بے خبر تھے۔ شیخ اکبر حلول، اتحاد وغیرہ ہر قسم کے بہتانوں سے بری اور پاک ہیں۔

۹۔ حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں منکرِ شیخ در محلِ خطر است شیخ را از اکابرِ اولیاء باید دانست [۳]
"شیخ ابن عربی کا انکار کرنے والا خطرے کے مقام میں ہے شیخ کو اکابر اولیائے اللہ سے جاننا چاہیئے۔

۱۰۔ علّامہ محبّ الدین ابن نجار صاحب ذیل علیٰ تاریخ بغداد فرماتے ہیں کہ میں نے

---

[۱] ۔ نفحات الانس۔ ص: ۴۹۶
[۲] ۔ فتوحات صمدیہ ۔ ص: ۳۴
[۳] ۔ فتوحات صمدیہ ۔ ص: ۳۸

Marfat.com

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی سے دمشق میں ملاقات کی اور ان کو ایک عالم باکمال مختلف علوم میں بحرِ بے کراں اور حقائق میں راسخ و پختہ کار پایا۔" [۱]

۱۱۔ علامہ عز الدین بن عبد السلام دمشقی جو پہلے شیخ اکبر سے حسن ظن نہیں رکھتے تھے بعد میں اُنہوں نے بھی شیخ اکبر کی تعریف میں زبان کھولی اور آپ کو ایک کامل ولی اور وقت کا قطب قرار دیا۔

۱۲۔ علامہ جمال الدین زکریا بن محمد انصاری جو اپنے دور کے قاضی القضاۃ اور مورخ تھے۔ اُنہوں نے حضرت شیخ ابنِ عربی کے بارے میں فرمایا کہ میں نے دمشق میں شیخ ابن عربی سے ملاقات کی وہ شیخ دوراں اور علومِ شریعت و حقیقت کے متبحر عالم تھے۔ اپنے ہم عصروں کے پیشوا تھے اپنے مقام و منزلت اور رفعت و علو شان میں لاثانی تھے ان کی بڑی ہی مفید مطلب تصنیفات و تالیفات ہیں۔

۱۳۔ دورِ ماضی قریب میں ہمارے شیخ کامل قدوۃ العارفین پیر سید مہر علی شاہ قدس سرہ العزیز متوفی ۱۳۵۶ھ نے اس آخری دور میں شیخ اکبر کے علوم کی تشریح کی آپ شیخ اکبر کی دو مشہور کتابوں فتوحات اور فصوص الحکم کا درس دیتے تھے جس میں اکابر علما اور صوفیا شریک ہوتے تھے۔ آپ بھی شیخ اکبر کو عارف کامل اور روحانی اور لدنی علوم کا بحرِ بیکراں قرار دیتے تھے اور شیخ اکبر پر اُٹھنے والے اعتراضات کا مدلل جواب دیتے تھے۔" [۲]

علامہ اقبال مرحوم نے حقیقت زمان کے مسئلے میں شیخ اکبر کا مسلک معلوم کرنے کے لئے حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ کی طرف رجوع کیا تھا۔" [۳]

غرضیکہ چند متعصبین معاندین کو چھوڑ کر تمام علما، صوفیا، اور مورخین نے حضرت شیخ اکبر

---

[۱]۔ سوانح ابن عربی۔ ص: ۵۱۹

[۲]۔ مہر منیر۔ ص: ۴۷۲ تا ۴۷۵

[۳]۔ روح مکاتیب اقبال۔ ص: ۴۶۸

Marfat.com

کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اور آپ کے علمی وقار اور رُوحانی کمال کو تسلیم کیا ہے۔

شیخ صدرالدّین قونوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت شیخ اکبر کے علوم رُوحانیہ میں شاگردِ خاص ہیں۔ آپ نے حضرت شیخ کی حمایت اور ان کے مسلک کی اشاعت میں سرتوڑ کوشش کی اور یہ حقیقت ہے کہ مش علاقوں میں شیخ ابن عربی کے عُلوم کی ترویج و اشاعت کرنے والوں میں آپ کا نام سرفہرست ہے۔ آپ کو حضرت شیخ اکبر کے علاوہ مولانا جلال الدّین رومی کی صحبت میں رہنے کا شرف بھی حاصل ہُوا۔ دونوں بزرگ ایک دُوسرے کا بے حد احترام کرتے تھے آپ نے ۶۷۳ھ میں وصال فرمایا، آپ کی تصانیف میں سورہ فاتحہ کی تفسیر ہے ج صُوفیانہ اسرار کا گنجینہ ہے۔ اس کے علاوہ مفتاح الغیب نصوص، فکوک عربی میں او تبصرۃ المبتدی اور المفاوضات فارسی میں تالیف کیں۔ ان کی یہ کتابیں ان کے شیخ حضرت ابن عربی کے تصوّف و عرفان کی شرحیں ہیں۔ علّامہ قونوی نے عفیف الدین تلمسا اور سعدالدّین فرغانی جیسے لائق شاگرد تیار کئے۔ جنہوں نے شیخ اکبر کے تصوّف کو ممالک اسلامیہ میں پھیلا دیا۔

حضرت مولانا جلال الدّین رومی اور فہم القرآن

مولانا جلال الدین رومی ساتویں ہجری میں اسلام کے نامور مبلغ قرآن و سنّت کے بہت بڑے شارح اور تصوف کے بہت بڑے امام ہو گزرے ہیں۔

گو آپ کی الگ کتاب تفسیر کا ذکر نہیں ملتا لیکن آپ نے مثنوی میں جس طرح قرآ مطالب کی تشریح کی ہے اور قرآنی تعلیمات کو عام فہم تمثیلات کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کی ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔

Marfat.com

مولانا رُوم کا اسم گرامی محمدؐ لقب جلال الدین اور شہرت مولانا روم کے نام سے ہے آپ کا نسب باپ کی طرف سے بائیس واسطوں سے حضرت صدّیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے جا ملتا ہے اور ماں کی جانب سے آپ کا نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے۔ آپ بلخ خراساں کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد مولانا بہاء الدین کا لقب سُلطان العلماء تھا۔ بلادِ اسلامیہ کے مُشکل سے مشکل فتاویٰ آپ کے پاس آتے تھے۔ آپ کے ہاں چھ ربیع الاول سنہ ۶۰۴ھ کو مولانا رُوم کی ولادت ہُوئی۔ والد بزرگوار نے بڑے احسن طریقے سے آپ کی تعلیم و تربیّت فرمائی۔ حضرت مولانا کے والد بزرگوار نے سُلطان خوارزم شاہ کے درباریوں کے رویے کو دیکھ کر اور ساتھ ہی غیبی اشارہ پاکر بلخ سے کوچ فرمایا۔ آپ جہاں پہنچتے وہاں کے عُلماء و فضلاء عمائدینِ شہر استقبال کے لئے حاضر ہوتے۔ آخر کار آپ نے قونیہ میں جاکر قیام کیا۔ جو موجُودہ ترکی کا مشہُور شہر ہے۔ سنہ ۶۲۸ھ میں حضرت مولانا کے والد بزرگوار نے قونیہ میں اِنتقال فرمایا۔ والد کی وفات کے بعد تعلیم، تدریس اور فتویٰ نویسی کی ذمہ داریاں حضرت مولانا رُوم کے کندھوں پر آپڑیں جنھیں آپ نے احسن طریقے سے پُورا فرمایا بعد میں آپ حلب تشریف لے گئے اور وہاں مزید عُلوم عالیہ حاصل فرمائے۔ دمشق میں آئے جو عُلماء و عرفاء کا مرکز تھا بعض سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ دمشق میں مولانا روم کی مُلاقات حضرت شیخ مُحی الدین ابن عربی سے بھی ہُوئی یہ بات بدیں وجہ معقُول نظر آتی ہے کہ شیخ اکبر سنہ ۶۲۰ھ میں دمشق میں قیام پذیر ہو گئے تھے مولانا روم سنہ ۶۳۰ھ کے بعد وہاں پہنچے۔ دونوں حضرات کا روحانی مشرب ملتا جلتا تھا۔ اِس لئے کوئی بڑی بات نہیں کہ دونوں بزرگوں کے درمیان مُلاقات ہُوئی ہو اور آپس میں رُوحانی صحبتیں رہی ہوں۔ گو عام تذکرہ نگار اس کا ذکر نہیں کرتے ۶۳۴ تا ۶۳۵ھ میں دمشق سے واپس آکر مولانا روم نے قونیہ میں مستقل قیام کیا۔ سنہ ۶۳۸ھ میں جب دمشق میں شیخ اکبر کا وصال ہُوا تو وہ بزم علم جو ان کے گرد جمع تھی منتشر ہُوتی ان میں مولانا صدر الدّین قونوی بھی تھے جو قونیہ میں آگئے۔

Marfat.com

کئی اور علماء و فضلا بھی انقلاب زمانہ کے ہاتھوں پریشان ہو کر قونیہ میں آ گئے۔ اِس طرح حضرت مولانا روم کی برکت سے قونیہ کو علمی و رُوحانی مرکز کی حیثیت حاصل ہو گئی ۶۴۲ھ تک مولانا روم پر علوم ظاہرہ کی شان غالب تھی۔ درس و تدریس، فتویٰ نویسی اور وعظ کہنا آپ کا شغل تھا۔ اس کے بعد مولانا کی زندگی میں ایک زبردست رُوحانی انقلاب آیا اور یہ قونیہ میں شمس الدّین تبریزی کی آمد کا نتیجہ تھا۔ دونوں بزرگوں کی ملاقات شروع میں علمی سوال و جواب پر مشتمل تھی لیکن بعد میں ایک عظیم رُوحانی انقلاب کی صُورت میں مولانا روم کی زندگی پر اثر انداز ہُوئی۔ مولانا روم پر ذوقِ سماع اور وجد و حال کا غلبہ ہو گیا اسی عرصہ میں آپ کے رُوحانی اور کشفی علوم کا دروازہ کھُل گیا اور آپ نے بعد میں اپنے کشفی علوم کو کتاب مثنوی کی صُورت میں عام فہم انداز میں دُنیا کے سامنے پیش کیا۔

مثنوی کیا ہے۔؟

مثنوی قرآنی علوم کی تفسیر ہے۔ شریعت اور طریقت کا سنگم ہے۔ حقائق و معارف کا بحرِ ذخّار ہے مثنوی کا انداز سلیس اور عام فہم ہے۔ انتہائی مشکل مطالب کو عام فہم انداز میں پیش کیا گیا۔ مولانا کا انداز استدلال منطقی نہیں بلکہ وجدانی اور کشفی ہے۔ مثنوی میں توحید باری تعالیٰ کا مسئلہ ضرورتِ نبوّت و رسالت، صداقتِ وحی، معجزہ کی حقیقت معاد و حشر کا ثبوت ایسے زوردار انداز میں کیا گیا ہے کہ منکر کے لئے انکار کی گنجائش نہیں رہتی مولانا کے زمانے میں جبر و اختیار کا مسئلہ بڑی اہمیت اختیار کر چکا تھا۔ جبریہ اِنسان کو مجبورِ محض قرار دیتے تھے جب کہ قدریہ انسان کو مختارِ مطلق مانتے تھے۔ مولانا روم مثنوی میں فرماتے ہیں کہ اِنسان اگر مجبورِ محض ہوتا تو وہ خُدا تعالیٰ کی طرف سے امر و نہی کا مخاطب کیونکر بنتا اور شریعت کے احکام اس کی طرف کیوں کر متوجہ ہوتے آپ فرماتے ہیں ؛

Marfat.com

جبریش گوید کہ امر و نہی راست
اختیاری نیست و ایں جملہ خطا است
جُملہ قرآں امر و نہی است و وعید
امر کردن سنگ مرمر را کہ دید

ترجمہ: جبری کہتا ہے کہ امر و نہی پر عمل کرنا ہمارے اختیار میں نہیں ہے اور یہ ساری باتیں خطا ہیں۔ مولانا جواباً فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں امر و نہی، وعید سب کچھ موجود ہے۔ کیا کوئی آدمی پتھر کو حکم دے سکتا ہے یعنی اگر انسان پتھر کی طرح بے اختیار ہو تو اسے امر و نہی کرنے کے کوئی معنی نہیں۔

مولانا مثالوں سے واضح کرتے ہیں کہ اگر کسی کے سر پر چھت کی لکڑی گر جائے تو وہ چھت پر غصہ نہیں کرتا اگر ہوا کسی کی پگڑی اُڑا لیجائے تو وہ ہوا پر غصہ نہیں کرتا لیکن اگر کوئی دُوسرا آدمی اس کی پگڑی اچھالے یا اس کے سر پہ لکڑی مارے تو وہ سراپا احتجاج بن جاتا ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ جمادات کو مکلف نہیں سمجھتا۔ البتہ انسان کو صاحب اختیار اور مکلف سمجھتا ہے اس لئے اس کے فعل پر اعتراض کرتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ حیوانات بھی اس مسئلہ کو سمجھتے ہیں اگر تم اُونٹ کو لکڑی مارو تو وہ لکڑی پر غصہ نہیں کرے گا تم پر غصہ کرے گا۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ لکڑی بے جان ہے اس کا قصور نہیں انسان صاحب اختیار ہے اس کا قصور ہے۔

غرضیکہ مثالوں کے ذریعے مولانا روم نے ایک مشکل مسئلہ کو سہل کر دیا۔ اسی طرح علمأ فلسفہ کے نزدیک علت و معلول اور سبب و مسبب کا مسئلہ بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے بعض لوگ اسباب کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ سبب کے بغیر مسبب کے وقوع کو نہیں مانتے۔ مولانا روم اُنہیں سمجھاتے ہیں کہ یہ صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عالم اسباب بنایا ہے اور علت و معلول

Marfat.com

کی دُنیا بسائی ہے۔ لیکن وہی خالق و مالک اگر چاہے تو سبب کے بغیر مسبب پیدا کر سکتا ہے۔ اسے خرقِ عادت کہتے ہیں انبیاء کرام کے ہاتھوں سرزد ہو تو اسے معجزہ کہتے ہیں اور اولیاء کرام کے ہاتھوں پر ظاہر ہو تو اسے کرامت کہتے ہیں۔

مولانا روم فرماتے ہیں ؛

ع بیش تر احوال بر سنت رود　　گاہ قدرت خارقِ سنت شود

ترجمہ : بہت سے حالات اسباب کے مطابق ظاہر ہوتے ہیں لیکن کبھی کبھی اللہ تعالیٰ اس عادت کو توڑ کر اپنی شانِ قدرت و حکمت کو ظاہر فرماتا ہے۔ دُوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔

ع عقل در اسباب میدارد نظر　　عشق میگوید مسبب را نگر

ترجمہ : عقل اسباب پر نظر رکھتی ہے۔ عشق کہتا ہے مسبب پر نظر رکھو۔ مولانا روم فرماتے ہیں انبیاء کرام کے معجزات قطعِ اسباب کی دلیل ہیں۔

ع جُملہ قرآنست در قطعِ سبب　　عزِ دُرویش و ہلاک بُولہب

ترجمہ : سارے کا سارا قرآن قطعِ اسباب کی دلیل ہے۔ قُرآن درویش کو عزت دیتا ہے۔ جیساکہ بلالِ حبشی اور صہیب رومی رضی اللہ عنہما کو اس نے عزت دی اور ابُولہب کو جو صاحبِ اسباب تھا ہلاک ہونے کی وعید سنائی۔

مولانا روم کی مثنوی دورِ حاضر کے مُسلمانوں کے لیئے انتہائی مفید اور کارآمد ہے۔ اس لیئے شاعرِ مشرق ڈاکٹر محمّد اقبال اُمتِ مسلمہ کو مشورہ دیتے ہیں۔

ع پیرِ رومی را رفیقِ راہ ساز　　تاکہ حق بخشد ترا سوز و گداز

ترجمہ : تم مولانا رومؒ کو اپنے سفر کا ساتھی بناؤ۔ تاکہ تمہیں اللہ تعالیٰ دل کا سوز و گداز عطا فرمائے۔

Marfat.com

مولانا عبدالرزاق کاشانی

آپ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے افکار و نظریات کے ترجمان تھے۔ آپ نے فصوص الحکم کی شرح لکھی اور تاویلات القرآن تصنیف کی جو سورۂ ص تک ہے[۱]۔ اس میں صوفیا کے انداز پر اشاراتی تفسیر کی گئی ہے۔ مولانا کاشانی کو کاشی بھی کہتے ہیں۔ صاحب کشف الظنون نے آپ کا سن وصال ۸۸۰ھ قرار دیا ہے۔ جب کہ صاحب معجم المؤلفین نے آپ کا سن وصال سن ۷۳۰ھ قرار دیا ہے۔

مولانا اسمٰعیل حقی اور تفسیر روح البیان

حضرت علامہ ابو فداء اسمٰعیل حقی بن مصطفےٰ استنبولی بہت بڑے عالم دین اور صوفی گذرے ہیں۔ آپ کی ولادت سن ۱۰۶۳ھ آیدوس (ترکی) میں ہوئی اور ۱۱۳۷ھ کو بروسا (ترکی) میں وفات پائی[۲]۔

آپ کی تصانیف میں تفسیر روح البیان کے علاوہ تسہیل طریق الاصول لتیسیر الحصول کتاب التوحید کتاب النجات اور شرح اربعین مشہور ہیں۔ آپ کی تفسیر کو بہت بڑی مقبولیت اور شہرت حاصل ہے۔ آپ کی تفسیر ظاہر تفسیر اور باطن تاویل دونوں پر مشتمل ہے۔ علامہ اسمٰعیل حقی پہلے ظاہر تفسیر لے آئے ہیں۔ پھر اشارات اور صوفیانہ نکات لے آئے ہیں۔

علامہ اسماعیل حقی کے مطالعہ کی وسعت قابل داد ہے۔ وہ اپنی کتاب میں شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ شیخ صدرالدین قونوی رحمۃ اللہ علیہ شیخ عبدالرزاق کاشانی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دوسرے اکابر صوفیاء کرام کی منظوم کلام بھی بطور تشریح و تائید لے آتے ہیں مثلاً مولانا جلال الدین رومیؒ حضرت مولانا مصلح الدین سعدیؒ اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ وغیرہم حضرت مولانا اسماعیل حقی مسلک اہل سنت کے عظیم ستون ہیں۔ جہاں کہیں مخالفین اہل سنت کی طرف

۱۔ کشف الظنون نسخہ قدیم۔ ص: ۳۴۳ ۲۔ معجم المؤلفین۔ ج: ۲، ص: ۲۶۶

Marfat.com

سے مناقشہ کا امکان ہوتا ہے۔ احسن طریقے سے اس کا ازالہ کر دیتے ہیں۔ مثلاً سورہ فتح کی تفسیر میں **لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک و ما تاخر** کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

یہاں پر ذنب سے مراد گناہ نہیں وہ امور مراد ہیں جو بظاہر خلاف اولیٰ ہیں۔ حضور رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی بلندیٔ شان کی بنا پر انہیں ذنب کہا گیا کیونکہ صالحین کی نیکیاں مقربین کے اعتبار سے خطائیں ہیں۔

دوسرا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ ما تقدم سے مراد پہلے لوگوں کی خطائیں ہیں جو آپ کی برکت سے معاف ہوئیں جیسے آدم جو اکی ظاہری خطا آپ کی برکت سے معاف ہوئی اور **ما تاخر** سے امت کے گناہ مراد ہیں جو آپ کی دعا اور شفاعت سے معاف ہوں گے۔[1]

سورہ والضحیٰ کی تفسیر میں **ووجدک ضالاً فھدیٰ** کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

۱۔ یہاں پر ضلالت کا معنی شرائع اور احکام کا فقدان ہے۔ جس کی طرف عقل راہنمائی نہیں کرتی بلکہ دلائل سمعیہ کی ضرورت ہے۔

۲۔ یہاں پر ضلالت کا مفہوم غیبت ہے۔ جیسا کہ محاورہ عربی ہے۔ **شربت الاثم حتی ضل عقلی**۔ میں نے شراب پی یہاں تک کہ میری عقل غائب ہو گئی۔ یہاں پر راغب اصفہانی کہتے ہیں کہ راستے سے ہٹ جانا چاہے عمداً ہو یا سہواً تھوڑا ہو یا بہت اسے ضلال کہتے ہیں۔

انبیاء کرام کی طرف بھی اس کی نسبت ہے اور اہل ضلال کی طرف بھی لیکن دونوں کے درمیان بہت دور کا فاصلہ ہے یہاں پر اپنے آپ کو سوء ادبی سے بچانا ضروری ہے۔

---

[1] تفسیر روح البیان۔ جزء ۳۰، ص: ۴۵۷

Marfat.com

۳۔ اس آیت کے معنی یہ ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو گمراہوں کے درمیان پایا پھر آپ کے ذریعے انہیں ہدایت دی۔ ضلالت قوم کی صفت ہے نہ کہ آپ کی۔

۴۔ صاحب تاویلات نجمیہ فرماتے ہیں کہ آپ کو صحرائے الوہیّت میں متحیر پایا تو اپنی طرف راہنمائی فرمائی یہاں پر ضلالت سے مُراد محبّت کی وارفتگی ہے جیسا کہ سُورہ یُوسف میں ہے۔ **تاللہ انك لفی ضلالك القدیم** ۔ اللہ کی قسم آپ اپنی پُرانی وارفتگی پر ہیں۔

۵۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضُور پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم بچپن میں کسی گھاٹی میں گُم ہو گئے جناب عبد المطلب آپ کو ڈھونڈھتے رہے اور کعبہ کے پردے تھام کر دُعائیں کرتے رہے اللہ کی قُدرت دیکھئے کہ دشمن اسلام ابُوجہل کو آپ مل گئے اور اس نے آپ کو جناب عبد المطلب تک پہونچا دیا جیسا کہ فرعون کے ذریعے مُوسیٰ علیہ السّلام کو ان کی والدہ کی گود تک پہونچا دیا۔ [1]

سورۂ مریم کے آغاز میں **کھیعص** کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جبریل علیہ السّلام نے جب ک کہا تو حضُور نے فرمایا علمت (میں جان گیا) اُنہوں نے ھ فرمایا تو آپ نے فرمایا علمت (میں جان گیا) آپ آخر تک علمت فرماتے گئے تو جبریل نے عرض کی اے اللہ کے رسُول آپ یہ اسرار جانتے ہیں میں نہیں جانتا۔ [2]

غرضیکہ علاّمہ اسمٰعیل حقی کی یہ تفسیر نکات و معارف کا گنجینہ ہے بارہویں صدی ہجری میں آپ نے مسلک اہل سُنّت کو بُنیاد بنا کر قرآن پاک کی تفسیر و تاویل فرمائی اور زائغین کے شبہات کا ازالہ فرمایا۔

ہم نے اس باب میں صرف چند کُتب تفسیر پر تبصرہ کیا ہے۔ جو صُوفیائے کرام

---

[1] تفسیر رُوح البیان۔ جُزء ۳۰، ص: ۴۵۷

[2] تفسیر رُوح البیان۔ جُزء ۱۶، ص: ۳۱۳

Marfat.com

نے اشاراتی رنگ میں تحریر فرمائیں۔

ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ ہم صُوفیاء کی تفاسیر کا استیعاب نہیں کر سکے اور نہ ہی ایسا کرنا عملاً ممکن تھا ہم نے صُوفیاء کی جماعت میں سے خصُوصی طور پر شیخ اکبر محیّ الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ذکر قدرے تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ کیونکہ آپ کی شخصیّت انتہائی جامع شخصیّت ہے۔ اور آپ کو ظاہری و باطنی علُوم پر کامل دسترس حاصل ہے۔ ہم نے ان اعتراضات کا جواب بھی دیا جو شیخ اکبر کی ذات پر اور ان کی تصانیف پر کیئے جاتے ہیں۔ تاکہ شیخ اکبر کی شخصیّت نمایاں ہو کر سب کے سامنے نمودار ہو اور ان کی کتابوں سے اہل علم مستفیض ہو سکیں۔ یورپ میں شیخ اکبر کے علوم پر تحقیقی کام ہو رہا ہے۔ مشرق میں بھی یہ کام ہونا چاہیئے۔ اور بلاد اسلامیہ میں خاص طور پر شیخ اکبر کی تصنیفات اور تعلیمات کی بھرپور اشاعت ہونی چاہیئے۔

ہم نے اپنے شیخ کامل حضُور سیدنا پیر مہر علی شاہ قدس سرہٗ العزیز کی تصنیفات میں حضرت شیخ اکبر کا ذکر اور اُن کے اسرار کی تشریح انتہائی عمدہ انداز میں موجُود پاتے ہیں۔ اور ہماری دیانت دارانہ رائے ہے کہ شیخ اکبر کے علُوم سے صحیح فیض یاب ہونے کے لیئے ضروری ہے کہ حضرت اعلیٰ سیّدنا پیر مہر علی شاہ قدس سرہٗ العزیز کی تصنیفات کا گہری نظر سے مُطالعہ کیا جائے۔

غرضیکہ حضرت شیخ اکبر اور دُوسرے صُوفیاء کرام کے علُوم کو سمجھنے کے لیئے اور فہم قُرآن میں ان کی گہرائی معلُوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ صُوفیاء کرام کی تصنیفات کا کسی تعصّب کے بغیر مطالعہ کیا جائے۔ اور ان کی علمی و فکری تحقیقات سے کسی عصبیت کے بغیر استفادہ کیا جائے۔

واللہ و رسولہ اعلم

Marfat.com

باب چہارم

علمِ تفسیر اور عصرِ حاضر

عصرِ حاضر سائنسی ترقی کا دور ہے۔ دورِ حاضر میں جدید علوم کی ترقی کا سلسلہ جاری ہے جب کہ دینی علوم روز بروز تنزل اور انحطاط کا شکار ہیں۔ اس انحطاط کی بنیادی وجہ مسلمان قوم کی غفلت اور مذہب سے دوری ہے۔ جوں جوں ہم مذہب سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ دینی علوم مناسب سرپرستی نہ ملنے کی وجہ سے روپوش ہوتے جا رہے ہیں۔ قرونِ اولیٰ اور وسطیٰ میں دینی علوم کی ترقی کا سب سے بڑا عامل یہ تھا کہ مسلمان سلاطین اور حکمران دینی علوم سے گہری محبت رکھتے تھے اور دینی علوم کی ترویج و اشاعت کے لئے تمام وسائل بروئے کار لاتے تھے۔ عوام میں بھی دینی علم حاصل کرنے کا جذبہ انتہائی عروج پر تھا۔ اِس طرح حکمران اور عوام کے تعاون سے دینی علوم کو مناسب سرپرستی مل جاتی تھی۔

جب سے مسلمان سیاسی تنزل کا شکار ہوئے غیر مسلم قوموں نے مسلمانوں کی آزادی چھین لی۔ مسلمانوں کی تہذیب و تمدن اور ثقافت کو بدلنے کی کوشش کی گئی۔ علماءِ حق کو طرح طرح کی اذیتیں اور عقوبتیں دی گئیں۔ علومِ دینیہ کے مقابلے میں دُنیاوی علوم کو

Marfat.com

برتری دی گئی۔

رفتہ رفتہ مسلمان قوم نے جدید علوم کو اپنی توجّہ کا مرکز بنا لیا۔ اور دینی علوم سے ان کی بے رغبتی بڑھتی گئی۔ وہ علماء، محدثین اور فقہاء و مفسّرین انتہائی خراجِ عقیدت کے مستحق ہیں۔ جنہوں نے ایسے نازک حالات میں بھی علومِ دینیہ کی شمع کو بجھنے نہ دیا۔ اور وسائل نہ ہونے کے باوجود اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے قرآن و حدیث، تفسیر، فقہ، اصول فقہ اور دوسرے علوم کی سرپرستی کرتے رہے اور آنے والی نسلوں تک علم کی روشنی پہونچاتے رہے۔ ہم اس مقالے میں اپنے موضوع کی مناسبت سے ان حضرات کا ذکر کریں گے جنہوں نے فنِ تفسیر کے موضوع پر کام کیا۔ اس وقت ہمارے پیشِ نظر دو علمی مرکز ہیں۔ ایک مصر کے علماء کا مرکز۔ دوسرا برِصغیر کے علماء کا مرکز۔ ان مراکز میں جن علماء نے قرآن فہمی کا علم بلند کیا۔ چاہے ان کا تعلق ماضی قریب سے ہو یا زمانۂ حال سے۔ ہم ان کا تذکرہ مختصر انداز میں کر کے ان کے تفسیری کام کا تعارف پیش کریں گے۔ تاکہ ہمارا پیشِ نظر مقالہ تکمیل کی حدود کو چھو سکے۔

وہ علماء و مفسّرین جو گذشتہ صدی میں گزرے ہیں یا دورِ حاضر میں اُنہوں نے تفسیر کے موضوع پر کام کیا ہے۔ ان کی علمی صلاحیت اور دینی خدمات کا مختصر جائزہ نئی نسل کے سامنے آجائے اور وہ بھی اِس راہ پہ گامزن ہو کر علمِ تفسیر اور دوسرے دینی علوم کی اشاعت کر سکیں۔

دورِ حاضر میں تفسیر کے انداز

دورِ حاضر میں دوسرے علوم کی طرح علمِ تفسیر پر بھی جدید نکتہ نظر سے کام کیا گیا۔ علماء کرام کی ایک جماعت تو ایسی رہی جنہوں نے سلف صالحین کی راہ سے اِدھر اُدھر ہٹنا گوارا نہ کیا۔ اُنہوں نے علمِ تفسیر کو سابقہ خطوط پر برقرار رکھا۔

علماء کرام کے دوسرے گروہ نے تفسیر کا سارا انداز بدل ڈالا اور اسے سائنسی علوم

Marfat.com

فلکیات، ریاضیات، طبیعیات، علم الحیوانات اور علم النباتات کے مباحث سے پُر کر دیا۔ ایسی تفسیر پڑھنے والا یہ محسوس نہیں کرتا کہ وہ براہِ راست قرآن پاک سے ہدایت حاصل کر رہا ہے بلکہ اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ یہ جدید سائنسی علوم کی سائنٹیفک کتاب ہے جو اوّل سے آخر تک جدید علوم اور جدید افکار سے مالا مال ہے۔

علماء کرام کا ایک تیسرا گروہ بھی ہے جو راہ اعتدال پر چلنے کی کوشش کر رہا ہے یہ حضرات قرآن کو سائنسی علوم کا مبداء و ماخذ قرار نہیں دیتے نہ ہی پہلے گروہ کی طرح بالکل صرف نظر کرتے ہیں۔ یہ حضرات جدید علوم سے بقدرِ ضرورت استدلال کرتے ہیں اور جدید دَور میں اُٹھنے والے مسائل کا جواب دیتے ہیں۔ لیکن قدیمی علوم سے قرآن کے رابطہ کو برقرار رکھتے ہیں۔ ہمارے خیال میں مفسّرین کی یہ جماعت زیادہ تحسین و ستائش کی مستحق ہے کیونکہ اس کی نظر قرآن کی شانِ جامعیت پر ہے اور یہ کہ قرآن مجید ہر دَور میں اُٹھنے والے باطل چیلنج کا جواب دینے کی کامل صلاحیّت رکھتا ہے۔

یہ گروہ قرآن پاک کو اپنے فروعی اختلافات کے لئے حوالہ کی کتاب بنانے کی بجائے اُس سے امّتِ مُسلمہ کی ہدایت و راہنمائی، باطل کی شکست اور پسپائی کا کام لیتا ہے۔

قرآن مجید اپنے ارشادات کے مطابق تمام دُنیا کے لئے کتاب ہدایت، سراپا رحمت اور شفاء ہے۔ یہ کتاب فرقان ہے جو حق و باطل کے درمیان واضح حد فاصل قائم کر دیتی ہے۔ یہ کتاب اپنے ماننے والوں کو اُخوت، اتحاد، باہمی محبّت اور یگانگت کا درس دیتی ہے اور ان کے لئے اس میں سامان بشارت موجود ہے۔ جب کہ کفّار اور منافقین کیلئے عذاب الٰہی کی وعید بھی اس میں موجود ہے۔ یہ کتاب توحید، نبوّت، رسالت، معاد و آخرت کے بُنیادی عقائد کی تشریح کرتی ہے اور اپنے ماننے والوں کے لئے کامل نظام حیات پیش کرتی ہے جس پر عمل کر کے وُہ اپنی عظمتِ رفتہ کو بحال کر سکتے ہیں۔ اور نئی نسل کا مستقبل بھی درخشاں کر سکتے ہیں۔

Marfat.com

عُلمارِ مصر کا علمی کام

مصر کے علمار بالخصوص جامعہ ازہر کے فضلار نے دینی علوم پر کافی محنت کی ہے اُنہوں نے جدید عصری مسائل کو بھی حل کرنے کی کوشش کی ہے اور قرآن کی ابدی ہدایت و صداقت کو بھی اجاگر کرنے کی سعی کی ہے۔ تفسیر، حدیث، فقہ علم کلام اور اصول دین پر ان کا علمی اور تحقیقی کام قابلِ قدر ہے۔ اس تحقیقی کام میں بعض باتیں ایسی بھی ہیں جنہیں ہمارے علمار کرام غلط قرار دیتے ہیں۔ لیکن مجموعی طور پر دیکھا جائے تو علمار ازہر کا علمی کام قابلِ تحسین ہے اور بعض مسائل میں خطا واقع ہونا ایسا امر نہیں جس سے ان کے تمام علمی اور تحقیقی کام پر خطِ نسخ کھینچ دیا جائے ہم نے اختصار کے پیشِ نظر علمار مصر کی صرف تین تفاسیر پر تبصرہ کیا ہے جو ہمیں دستیاب ہوئی ہیں۔

۱۔ تفسیر طنطاوی ۲۔ تفسیر منار ۳۔ تفسیر فی ظلال القرآن

علّامہ طنطاوی اور اُن کی تفسیر

علّامہ طنطاوی جوہری ۱۲۸۷ھ مصر میں پیدا ہوئے جامعہ ازہر اور بعض دوسرے مدارس میں تعلیم پائی۔ آپ نے اہل مصر میں علمی بیداری پیدا کرنے کے لئے "نهضة الامة وحياتها" تالیف کی اس کے بعد کئی کتابیں لکھیں جن میں زیادہ تر مشہور الجواهر فی تفسير القرآن ہے۔ جو چھبیس اجزار پر مشتمل ہے۔ علّامہ خیرالدین زرکلی (صاحب الاعلام) کی رائے ہے۔

علّامہ طنطاوی نے بالکل نیا اُسلوب اپنایا ہے وہ تفسیر کے اصل معنی سے دُور چلے گئے ہیں۔ اُنہوں نے بعض قصّوں کو طوالت دی ہے۔ فنون عصریہ پر بڑا وقت صرف کیا ہے۔ اپنی کتاب میں مختلف عنوان دیئے ہیں جو رسائل کی حیثیّت

Marfat.com

رکھتے ہیں۔ مثلاً جواب العلوم، النظام والاسلام التاج المرصع، این الانسان؟، الحکمۃ والحکمار، فی عجائب الکون، الفرائد الجوہریہ، بہجۃ للعلوم فی الفلسفہ، العربیہ وموازنتہا بالعلوم العصریہ وغیرہ۔ مولانا طنطاوی نے ۱۳۵۸ھ میں وفات پائی۔[1]

علامہ طنطاوی نے اپنی تفسیر کا ملحق (ضمیمہ) بھی تصنیف کیا ہے۔ اس میں اُنہوں نے بعض ان اسرارِ قرآن کی نقاب کشائی کی ہے جس کا اُنہوں نے اپنی تصنیف میں وعدہ کیا تھا۔

اس میں اُنہوں نے اس سوال کا جواب دینے کی بھی کوشش کی ہے جو مختلف حلقوں کی طرف سے ان پر کیا جارہا تھا۔ کہ سائنسی نظریات محض ظنی اور تخمینی ہیں۔ ان نظریات میں آئے دن تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ اس لئے ان پر تفسیر قرآن کو منطبق کرنا مناسب نہیں۔؟

طنطاوی جوہری اس کے جواب میں العلم والدین کے عنوان سے کہتے ہیں کہ قرآن نے ہمیں علوم کی ترغیب دی ہے اس سلسلے میں کسی مخصوص رائے کا پابند نہیں کیا۔ اس لئے سائنسی نظریات میں اختلاف رائے سے قرآنی عظمت اور صداقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

علامہ طنطاوی کا یہ جواب مجلہ ہدی الاسلام ستمبر ۱۹۳۴ء کے شمارہ میں شائع ہو گیا ہے۔ علامہ طنطاوی نے اپنی تفسیر میں یہ رائے پیش کی ہے کہ انسانی استعداد کے مطابق علوم کا ظہور تدریجی ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ سلسلہ جاری ہے اور مستقبل میں جاری رہے گا۔

علامہ طنطاوی نے اللہ تعالیٰ کے اسم الرحمٰن کی تشریح کی ہے۔ جس سے اہلِ مغرب کا یہ نظریہ غلط ثابت ہوتا ہے کہ اسلام حسن وجمال اور محبت کی حقیقت سے عاری ہے[2]

---

[1] الاعلام - ج: ۳، ص: ۳۳۴ -

[2] ملحق الجواهر - ج: ۲، ص: ۲۲ -

Marfat.com

علامہ جوہری نے اپنی تفسیر میں اپنے علمی نکات کو جوہرہ الماسہ اور زبرجد کا نام دے کر خوبصورتی پیدا کی ہے۔ علوم عصریہ کے بارے میں ان کا نظریہ ہے۔ "ان علوم الشرق والغرب کلها تبیان القرآن تبیان للرحمة الشاملة التامة فی عوالمینا السماویة والارضیة"۔ ۱

مشرق و مغرب کے تمام علوم قرآن کا بیان ہیں اور اس کامل اور شامل رحمت کا بیان ہیں جو آسمانوں اور زمینوں میں جلوہ گر ہے۔

علامہ طنطاوی کا اندازِ تفسیر

علامہ طنطاوی تفسیر شروع کرنے سے پہلے مضامین سورۃ تقسیم کر دیتے ہیں۔ پھر ہر قسم کی آیات بالترتیب ذکر کرتے ہیں۔ جس میں اختصار کے ساتھ مفسرین کے انداز میں تشریح کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد ان آیات سے متعلقہ لطائف و جواہر بیان کرتے ہیں جو زیادہ تر علوم کونیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

مولانا طنطاوی اپنی تفسیر میں اخبارات و رسائل کے اقتباسات اور حیوانات و نباتات کی تصاویر بھی لے آتے ہیں۔ کہیں کہیں ایک ساتھی کا ذکر کرتے ہیں جو ان پر تفصیلی مباحث میں اعتراضات وارد کرتا ہے اور علامہ اسے جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ سورہ یوسف میں ارشادِ قرآنی **وفوق کل ذی علم علیم** ہر علم والے سے زیادہ علم والا ہے کی تشریح کرتے ہوئے امریکہ کی مادی ترقی، تعلیم، مواصلات اور تعلیم نسواں کا بڑی شد و مد سے ذکر کیا ہے۔ پھر مسلمانوں کی زبوں حالی پر آنسو بہائے ہیں۔" ۲

۱۔ ملحق الجواہر۔ ص: ۲۷

۲۔ تفسیر الجواہر۔ ج: ۷، ص: ۵۱

Marfat.com

اس سوال کے جواب میں کہ علامہ موصوف تفسیر قرآن میں غیر مسلموں کے علوم اور اقوال کا حوالہ کیوں دیتے ہیں۔؟

فرماتے ہیں کہ یہ علوم ہمارے تھے غیر مسلموں نے ہمارے بزرگوں سے حاصل کیے ان کو دوبارہ حاصل کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ ان علوم کو نیہ کو حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔ ان کے حصول میں نفع عام ہے اور عدم حصول میں سب کا ضرر ہے۔ اس اہمیت کے پیش نظر ان علوم کو تفسیر میں لایا گیا ہے۔[1]

غرضیکہ طنطاوی مرحوم کا ایک مخصوص ذوق بلکہ جنون ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی دو کتابیں ہیں ایک کو دست قدرت نے لکھا اور دوسری کو وحی کے ذریعے املاء کرایا۔ جو کتاب وحی کے ذریعے نازل ہوئی ہے اسے ہم کانوں سے سنتے ہیں جو اس نے اپنے دست قدرت سے لکھی ہے اسے ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہم نے اس کتاب کو جو آنکھوں سے دیکھی جاتی ہے اسے ہم نے بالکل چھوڑ دیا ہے اور اب وہ ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو گئی ہے۔"[2]

مولانا طنطاوی کے اس فلسفے کے پیش نظر پاکستان میں ڈاکٹر غلام جیلانی برق نے "دو قرآن" نامی کتاب تحریر کی۔ علامہ طنطاوی نے جمہور مفسرین سے ہٹ کر جو نیا انداز تفسیر اختیار کیا ہے اسے امت کے مجموعی مزاج نے آج تک قبول نہیں کیا۔

۲۔ قطب شہید اور اس کی تفسیر

فی ظلال القرآن سید قطب شہید کی تصنیف ہے جو مشہور اسلامی تحریک الاخوان المسلمون کے راہنما تھے۔ مؤلف پہلے آیات میں ربط دیتے ہیں پھر اپنے

---

[1] ۔ تفسیر الجواہر ۔ ج : ۱۵، ص : ۴۳

[2] ۔ الجواہر ۔ ۱۵/۷

Marfat.com

مخصوص انداز میں تفسیر لکھتے ہیں۔ تفسیر کا انداز سلیس اور عام فہم ہے۔ قدما کے انداز کے برعکس انہوں نے صرفی نحوی اور لغوی تحقیق سے گریز کیا ہے۔ تفسیر میں انقلابی رنگ نمایاں ہے۔ موزوں مقامات پر روایات و احادیث سے بھی استدلال کیا ہے مؤلف مرحوم متشابہات کی تفسیر بھی لکھتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد قرآنی **الرحمٰن علی العرش استوٰی** کی تفسیر میں لکھا ہے کہ استواء علی العرش کنایہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تصرّف اور تسلّط سے قرآن مجید نے اسے ایسے انداز میں بیان کیا ہے جسے لوگ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں یہ قرآن پاک کا خصوصی انداز ہے کہ غیر محسوس معانی اور حقائق کو تمثیل و تصویر کے رنگ میں پیش کرتا ہے تاکہ مخاطبین بآسانی سمجھ لیں "۔ [1]

مصنّف جب کہیں شان نزول کی روایات میں اختلاف محسوس کرتے ہیں تو لمبی بحث میں پڑنے کی بجائے نص قرآنی کے اشارات پر اکتفا کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر سورۂ کہف میں ارشاد باری ہے۔ **یسئلونك عن ذی القرنین**۔ لوگ آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ اس آیت کے شان نزول میں مختلف روایات ہیں اس لئے مصنّف لکھتے ہیں۔ اسباب نزول کے بیان میں روایات مختلف ہیں۔ اس لئے ہم اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ نص قرآنی کا مفہوم سمجھنے پر اکتفا کیا جائے اور اس بحث میں نہ پڑا جائے کہ سکندر ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرنے والے کون تھے مشرک تھے یا اہل کتاب اس سے دلالت قصہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

۳۔ تفسیر المنار اور اس کا مؤلف

یہ تفسیر مصر کے مشہور عالم اور سیاسی مفکر مفتی محمّد عبدہ اور ان کے شاگرد رشید

---

[1] ۔ فی ظلال القرآن۔ ج ۱۱، ص: ۵۶۔ مطبع عیسیٰ بابی حلبی پہلا ایڈیشن

Marfat.com

سید رشید رضا مصری کی کوششوں کا نتیجہ ہے مُفتی محمد عبدہ کے تفسیری خطبات کو سید رشید رضا نے ترتیب دیا اور اپنی طرف سے علمی فوائد کا اضافہ کیا۔ اس طرح المنار کی بارہ جلدیں جو بارہویں پارے کے آخر تک ہیں معرض وجود میں آئیں۔

مُفتی مُحمّد عبدہ ۱۲۶۶ھ میں پیدا ہُوئے۔ وہ مصر کے نامور فقیہہ مفسّر لغوی اور سیاسی زعیم تھے۔ اُنہیں سیاسی اختلافات کی بنا پر مصر سے جلاوطن ہونا پڑا۔

وہ سید جمال الدین افغانی سے ملے اور ان کے ساتھ مل کر رسالہ العروۃ الوثقیٰ نکالا جو علمی دُنیا میں کافی مشہور رہا۔

مفتی صاحب کو دوبارہ مصر آنے کی اجازت ملی اور عہدۂ قضا بھی تفویض ہُوا۔ یہاں پر ان کے شاگرد رشید سید رشید رضا نے مفتی صاحب کے تفسیری خطبات کا اہتمام کیا۔ مفتی صاحب کے خُطبات کو سید رشید رضا تحریر کرتے تھے اور مُفتی صاحب کی اصلاح و ترمیم کے بعد مجلّہ المنار میں مضمون شائع ہوتا تھا۔ بعد میں یہ کتابی صُورت میں سامنے آیا۔ سب سے پہلے سورہ والعصر کی تفسیر شائع ہُوئی۔ اس کے بعد عم یتساءلون کی سُورتیں اور فاتحہ کی تفسیر شائع ہُوئی۔ مفتی عبدہ کی وفات ۱۳۲۳ھ کے بعد تفسیر قرآن کا یہ سلسلہ رشید رضا نے جاری رکھا اور ان کی وفات تک اس کی بارہ جلدیں (بارہویں پارے تک) شائع ہو سکیں۔

مشہور جرمن مستشرق گولڈزیہر نے رشید رضا کے بارے میں کہا ہے کہ مختلف احادیث کے رواۃ کی جرح و تعدیل میں رشید رضا نے جس قابلیت کا ثبوت دیا ہے اس سے بعض اوقات قدیم نقاد محدثین کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔" [1]

مفتی مُحمّد عبدہ کے تفسیری خطبات کے علاوہ بھی کئی تصانیف ہیں۔ مثلاً رسالۃ التوحید اور شرح مقامات ہمدانی اور الاسلام والرد علی المنتقدیہ۔" [2]

---

[1] - مقدم الوحی المحمدی۔ ص: ۱۲، مطبوعہ علمی پرنٹنگ پریس لاہور

[2] - معجم المؤلفین۔ ج: ۱۰، ص: ۲۷۲

Marfat.com

تفسیر المنار کی خصوصیات درج ذیل ہیں

۱۔ تفسیر المنار کا خصوصی پہلو یہ ہے کہ جن صرفی ونحوی بحثوں کو اور شانِ نزول کی روایتوں کو پہلے مفسّرین نے طوالت کے ساتھ بیان کیا ہے اُنہیں صاحب منار اختصار سے بیان کرتے ہیں۔ اور جن اعجازی اور تاثیری بحثوں کو پہلے مفسّرین نے اجمال سے بیان کیا انہیں صاحب المنار تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

۲۔ تفسیر المنار کا انداز کچھ ایسا ہے کہ پہلے جلالین کی عبارت کو لے کر تحقیق کرتے ہیں اور جہاں تنقید کی ضرورت ہو وہاں پر تنقید کرتے ہیں پھر اس آیت کے مفہوم میں مشابہت رکھنے والی دُوسری آیت کا حوالہ دیتے ہیں۔

۳۔ صاحب المنار غیر ضروری طویل بحثوں کو پسند نہیں کرتے چاہے وہ متقدمین کی طرف سے ہوں یا متاخرین کی طرف سے چنانچہ ایک مقام پر علّامہ طنطاوی کا نام لئے بغیر لکھتے ہیں۔

"ہمارے بعض معاصرین نے امام فخرالدین رازی کی تقلید کی ہے اور اس زمانے کے مختلف علوم وفنون کو تفسیر میں سمونے کی کوشش کی ہے کسی ایک کلمے کی مناسبت کی بنا پر وہ فلکیات، حیوانات اور نباتات کے علوم کی لمبی بحثیں شروع کر دیتے ہیں جن سے قرآن پڑھنے والے کی توجہ اصل مقصد سے ہٹ جاتی ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل کیا۔" [۱]

۴۔ مفسّر نے غیر ضروری عبارت تحریر کرنے سے گریز کیا ہے چنانچہ آیت کریمہ۔ ان علیکم لحافظین کراماً کاتبین۔ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ عالم الغیب کی بات ہے جس پر ہمارا ایمان ہے کہ ایسے محافظ فرشتے ضرور ہیں جو اعمال لکھتے ہیں لیکن ہم اس بحث میں نہیں پڑتے کہ ان کا مادۂ تخلیق کیا ہے اور کتابت کا فریضہ کس طرح سرانجام

۱۔ مقدمہ تفسیر المنار۔ص:۷ ۲۔ تفسیر المنار۔پ:۳۰، ص:۱۵۸

Marfat.com

دیتے ہیں۔
قرآن مجید نے ان بحثوں کو نہیں چھیڑا لہٰذا ہمیں بھی ان بحثوں میں جانے کی ضرورت نہیں۔

۵۔ مفسّر کا یہ انداز قابل تنقید ہے کہ وہ بعض اوقات جمہور مفسّرین کی مخالفت کر جاتے ہیں اور احادیث صحیحہ کا انکار کر جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر سورۃ الفیل کی تفسیر میں جہاں ابرہہ کے لشکر پر کنکریاں مارنے کا ذکر ہے وہاں پر مفسّر نے عکرمہ کی روایت ضعیفہ کا سہارا لے کر یہ کہہ دیا کہ ابرہہ کے لشکر پر کنکریاں نہیں پھینکی گئی تھیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ان میں چیچک کی وبا پھیل گئی تھی،، [۱]

یہ کہہ کر مفسّر نے جمہور مفسرین کی مخالفت کی ہے اور روایت صحیحہ سے اعراض کیا ہے۔ اسی طرح مفسّر نے سورہ فلق کی تفسیر میں بُخاری کی حدیث صحیح کا انکار کیا ہے جس میں حضور رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سحر ہونے کا واقعہ مذکور ہے۔،، [۲]

۶۔ آیات احکام کی تفسیر میں بعض اوقات جمہور فقہاء سے اختلاف کر جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر طلاق کے مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا مسلک یہ ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں تین طلاقیں ہی شمار ہوتی ہیں۔ مگر صاحب المنار نے ابن تیمیہ، ابن قیم اور قاضی شوکانی کا سہارا لیکر جمہور کی مخالفت کی ہے اور ایسی طلاق کو رجعی قرار دیا ہے،، [۳]

۷۔ مفسّر اپنی تفسیر میں معاشرتی مسائل کو بڑے حُسن و خُوبی سے بیان کرتے ہیں مثلاً مُسلمان خواتین کے لئے شرعی احکام مُسلمان خواتین کی عفّت کا مسئلہ مُسلمان خواتین کیلئے ملازمت کرنے کا مسئلہ، حقُوق زوجیّت اور تعدد ازواج کا مسئلہ ہے۔

۸۔ مفسّر دورِ حاضر کے دُوسرے "روشن خیال مفکّرین" کی طرح تعدد ازواج کے حق میں نہیں۔ چُنانچہ سُورۃ نساء کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

---

[۱]۔ تفسیر المنار۔ پ: ۳۰، ص: ۱۵۸

[۲]۔ صحیح بخاری۔ ج: ۲، ص: ۸۵۸

[۳]۔ المنار۔ ج: ۲، ص: ۳۸۶

Marfat.com

"جو شخص دونوں آیتوں میں غور و فکر کرے گا اس حقیقت کو جان لے گا کہ ایک سے زائد بیویوں کی اجازت کا مسئلہ بڑا تنگ مسئلہ ہے گویا یہ ایسی ضرورت ہے کہ صرف احتیاط کی حالت میں مباح ہے بشرطیکہ اس بات کا وثوق ہو کہ مرد عدل کر سکے گا اور ظلم و جور سے دور رہے گا۔" [۱]

۹. مصنّف کو سابقہ آسمانی کتابوں پر گہری نظر حاصل ہے اور وہ مناسب مقام پر حوالے بھی دیتا ہے۔ مثال کے طور پر انجیل یوحنا کے حوالے سے کہتے ہیں کہ جناب مسیح نے فرمایا۔ "میں روحانی باپ کے پاس جا کر معزی بھیجوں گا۔ اور وہ آکر میرے حق میں شہادت دے گا۔ مصنّف فرماتے ہیں کہ معزی اور فارقلیط کے ایک معنی ہیں۔ محمدؐ یا احمد صلّی اللہ علیہ وسلّم۔

انجیل برناباس میں اس کا ترجمہ محمّدؐ سے کیا گیا ہے۔ جو حضور خاتم النبیّین صلّی اللہ علیہ وسلّم کا علَم ہے۔ [۲]

غرضیکہ یہ تفسیر دورِ حاضر کی قابلِ مطالعہ تفسیروں میں سے ایک ہے۔ اس میں علمی مواد بھی موجود ہے اور عبارت بھی فصیح اور شستہ ہے اگر اس میں چند مسائل میں جمہور سے اختلاف نہ ہوتا تو لازماً یہ جمہور اہلِ سُنّت کی ترجمان ثابت ہوتی۔

برِّصغیر پاک و ہند میں علمِ تفسیر کا ارتقاء

برِّصغیر پاک و ہند میں علم تفسیر کو ہر دور میں نمایاں حیثیت حاصل رہی ہے۔ برِّصغیر کے علماء نے تفسیر پر اپنے اپنے انداز میں علمی و تحقیقی کام کیا ہے۔

ہم پہلے تفسیرِ عقلی کے دور میں علاّمہ نظام الدّین نیشاپُوری کی تفسیر کا ذکر کر چکے ہیں

---

[۱] - تفسیر المنار - ج: ۴، ص: ۳۴۹

[۲] - تفسیر المنار - ج: ۶، ص: ۸۵

Marfat.com

جو ہندوستان میں دولت آباد آکر مقیم ہو گئے تھے۔ اور یہاں پر اُنہوں نے اپنی تفسیر مکمّل کی جو ہندوستان کی مکمل عربی تفسیروں میں سب سے پہلی تفسیر سمجھی جاتی ہے اسی دور کے قریب شیخ علی مہائمی نے بھی تفسیر تبصیر الرحمٰن لکھی جو اپنے انداز کی قابلِ قدر تفسیر ہے ہم اِس پر تبصرہ کر چکے ہیں۔

تفسیر بالمعقول کے آخری دور میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلوی کی تفسیر فتح العزیز بھی قابلِ قدر علمی کارنامہ ہے۔ آپ کے والد بزرگوار شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ بھی علومِ دینیہ میں بڑا اُونچا مقام رکھتے ہیں۔ آپ نے فارسی میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا۔ اصُول تفسیر پر رسالہ الفوز الکبیر تالیف فرمایا۔ فتح الخبیر فیما یتعلق بالتفسیر بھی آپ کی تالیف ہے۔ علاوہ ازیں شریعت اسلامیہ کے حکم و اسرار پر آپ نے حجۃ اللہ البالغہ تصنیف فرمائی۔ جو اپنی نوعیّت کی منفرد کتاب ہے۔ شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی نے ہندوستان میں علمِ تفسیر و حدیث کی اشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا۔ شاہ عبدالحق محدّث دہلویؒ کے بعد شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ کی شخصیّت مسلمانان ہندوستان کے لئے علوم دینیہ بالخصُوص حدیث و تفسیر کا بحرِ ذخار ثابت ہُوئی۔ شاہ ولی اللہ کے دو اور صاحبزادوں مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی اور مولانا شاہ رفیع الدّین دہلوی نے بھی اپنے اپنے انداز میں قرآن مجید کے ترجمے تحریر فرمائے۔ اور اِسی طرح قرآنی علوم کو پھیلانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اِسی دور میں بیہقی وقت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری تالیف کی شاہ عبدالعزیز نے آپ کو بیہقی وقت کا خطاب عطا کیا۔

آپ کی رُوحانی نسبت حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ سے تھی جو سلسلہ نقشبندیہ کے عظیم بزرگ تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ قاضی ثناء اللہ شریعت و طریقت کا حسین مرقع ہے۔ صفات ملکوتیہ سے متصف فرشتے بھی آپ کی تعظیم و توقیر کرتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اپنے ایک مکتوب میں اپنے ہونہار شاگرد کے بارے

Marfat.com

میں فرماتے ہیں:" قاضی ثناء اللہ صاحب نے مجھ سے مشکوٰۃ اور صحیح بخاری و مسلم کا سماع کیا۔ ان میں صحاح ستّہ بلکہ عشرہ متداولہ کی استعداد موجود ہے۔"

قاضی صاحب کی تصانیف میں تفسیر مظہری کے علاوہ مالابدمنہ فارسی تذکرۃ الموتیٰ والقبور، رسالہ فی العشر والخراج، کتاب فی سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، منارالاحکام اور السیف المسلول کو بڑی اہمیّت حاصل ہے۔ آپ کی تفسیر میں عقل و نقل کا بہترین امتزاج موجود ہے۔ انداز بیان بڑا شستہ اور دل نشین ہے کہیں کہیں حضرت مجدد الف ثانیؒ و دیگر بزرگانِ دین کے حوالے سے تصوّف و سلوک کے عمدہ نکات بیان فرماتے ہیں۔ آپ کی تفسیر کو برصغیر کی تصانیف میں خصوصی اہمیّت حاصل ہے۔ آپ کی تفسیر میں مشہور کتب حدیث کی روشنی میں آیات قرآنی کی تشریح کی گئی ہے۔ ہر مسلک اور ہر طبقہ کے علماء آپ کی تفسیر کو مستند اور قابل اعتماد تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت قاضی صاحب پانی پتی نے ۱۲۲۵ھ میں وصال فرمایا۔

علماء کے اندازِ تفسیر میں تبدیلی

چودھویں صدی ہجری میں پاک و ہند کے علماء کے اندر اندازِ تفسیر میں تبدیلی رونما ہوئی۔ مغربی علوم و افکار، سائنسی تحقیقات اور سیاسی تحریکات کا فنِ تفسیر پر گہرا اثر پڑا۔ کچھ حضرات نے سلف صالحین کے انداز کو اپنائے رکھا۔ اور عصر حاضر کی تبدیلیوں کو تفسیر پر اثر انداز نہ ہونے دیا۔ لیکن اکثریت نے اس اثر کو قبول کیا اور تفسیر کا انداز بدل دیا۔ یہ اثر قبول کرنے والے پھر دو طبقوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک وہ جنہوں نے مغربی افکار کی یلغار کو روکا نئی نسل میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا۔ اور قرآن پاک کی تفسیر عصری حقائق کی روشنی میں کی۔

دوسرے وہ جنہوں نے مغربی افکار سے گہرا اثر قبول کیا وہ قرآنی حقائق کی تاویل

Marfat.com

کرنے لگے اور نظریاتی محور پر اکابر اہلِ سُنّت کا مسلک چھوڑ دیا۔ اُنہوں نے صرف وہی بات قبول کی جو فلسفۂ جدید اور سائنس کی روشنی میں صحیح نظر آئی ان لوگوں نے علم کلام کو جدید رنگ میں ڈھالا۔ علمِ تفسیر کو بالکل نیا رنگ دیا اور اس طرح قرآن فہمی کی الگ راہ متعین کر کے سلف صالحین کے صراطِ مستقیم کو چھوڑ دیا۔

ہم پہلے اسی طبقہ کی تفاسیر پر تبصرہ کریں گے۔ پھر ان اعتدال پسند علمار کی تفاسیر کا حوالہ دیں گے جنہوں نے جدید علوم سے استفادہ کے باوجود اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ اور علُوم جدید کے صرف ان پہلوؤں کا انتخاب کیا جو قرآنی افکار سے متصادم نہیں۔ آخر میں ان علمار اور راسخین کا حوالہ دیں گے جنہوں نے اکابر اہلِ سُنّت کی پُرانی روِش کو نہیں چھوڑا۔ اور سائنسی علُوم سے اعتنار کئے بغیر قدیم رنگ میں ترجمہ و تفسیر کے فرائض کو سرانجام دیا۔

سرسیّد احمد خان اور اُن کی تفسیر

سرسیّد احمد خان کو جو شہرت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ اُنہوں نے علومِ جدیدہ کی اشاعت کے لئے جو محنت کی اور نوجوان نسل کو انگریزی تعلیم دلانے کیلئے جو تحریک چلائی وُہ تحریک پاکستان کا ایک مستقل باب ہے۔ اس تحریک کے مفید نتائج برآمد ہُوئے مُسلم یُونیورسٹی علی گڑھ کے فارغ التحصیل حضرات نے تحریک پاکستان میں نمایاں کردار ادا کیا۔ لیکن ساتھ ہی یہ افسوسناک حقیقت بھی سامنے آئی کہ مغربی تعلیم کے ساتھ مغربی تہذیب اور ثقافت بھی ہمارے معاشرے میں بُری طرح سرایت کر گئی مصیبت بالائے مصیبت یہ کہ اس طرز تعلیم نے نوجوانوں کے دلوں میں اسلام کے بنیادی عقائد کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کر دیئے۔

علمار کرام کے علاوہ علّامہ اقبال اور علّامہ اکبر الہ آبادی جیسے عظیم دانشوروں نے

Marfat.com

بھی اس فتنے کو بُری طرح محسوس کیا۔ اور فلسفۂ مغرب کے مضر اثرات کی نشاندہی کی
عقائدِ اسلامیہ میں تشکیک کا سبب مغربی فلسفہ ہے جسے چھانٹے بغیر درآمد کیا گیا۔
دُوسرا سبب سرسید احمد خان کی تصنیفات ہیں جن میں اُنہوں نے اپنے نظریات اور اپنے
خُود ساختہ اجتہاد کو قوم کے سامنے پیش کیا۔ اُنہوں نے سلف صالحین سے الگ
راہ اختیار کی ہم یہ فیصلہ نہیں کرسکتے کہ آیا اُنہوں نے عمداً عقائد کی تشریح میں الگ راہ
اپنانے کی کوشش کی ہے یا سہواً نادانستہ طور پر ایسا ہُوا ہے۔ بہرحال جو صُورت بھی ہو
اس سے اُمتِ مُسلمہ اور بالخصوص نوجوان طبقے کو کافی نقصان پہونچا ہے۔ اور ان کے
عقائد میں وہ پختگی نہیں رہی جو ہونی چاہئے تھی۔ سرسید کے مقالات سولہ جلدوں میں
شائع ہو چکے ہیں جن سے ان کے نظریات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس وقت
ہمارے پیشِ نظر ان کی تفسیر ہے جس کا نام اُنہوں نے تفسیر القرآن وھو الھدی والفرقان
رکھا ہے۔ اس کے شروع میں اُنہوں نے اصولِ تفسیر پر روشنی ڈالی ہے اس سے بعض
اقتباسات کو اس لئے پیش کر رہے تاکہ ان کی نیچریت اور عقل پرستی سامنے آجائے وحی
قرآنی پر تبصرہ کرتے ہُوئے لکھتے ہیں۔

ا۔ "یہ بھی مسلّم ہے کہ قرآن مجید بلفظہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قلب پر
نازل ہُوا یا وحی کیا گیا خواہ یہ تسلیم کیا جائے کہ جبریل فرشتہ نے آنحضرت تک پہونچایا
ہے جیسا کہ مذہب عام علماءِ اسلام کا ہے۔ یا ملکۂ نبوت نے جو روح الامین سے تعبیر
کیا گیا ہے۔ آنحضرت کے قلب پر القاء کیا۔ جیسا کہ میرا خاص مذہب ہے۔" لہ

اس عبارت سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ وہ جبریل امین کو ملکۂ نبوت سے تعبیر کر رہے
ہیں اور اس ملکہ نبوت کو نزولِ قرآن کا ذریعہ قرار دے رہے ہیں۔

بظاہر یہ خوشنما بات ہے لیکن اس سے قرآن و حدیث کی تصریحات کی نفی

لہ۔ تفسیر سرسیّد احمد خان۔ ج: ۱، ص: ۳

Marfat.com

ہوتی ہے جن میں تواتر کے ساتھ جبریل امین کو اللہ کا فرشتہ قرار دے کر نزولِ قرآن کا اہم واسطہ قرار دیا گیا۔ ملکہ نبوّت ماننے سے جبریل کے تشخص کی نفی ہوتی ہے جو قرآن و حدیث کے صریحاً خلاف ہے۔

۲۔ سرسیّد احمد خان خود ساختہ قانونِ فطرت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"وہ اِس قانونِ فطرت کے قائم کرنے کا بھی مختار تھا جس پر کسی کائنات کو بنایا ہو یا اس موجودہ کائنات کو بنایا ہو یا آئندہ اور کسی صورت میں بنا دے۔ مگر اس وعدہ اور قانونِ فطرت میں جب تک کہ وہ قانونِ فطرت قائم ہے تخلف محال ہے"[1]

یہاں پر سرسیّد نے قانونِ فطرت کی اصطلاح قائم کر کے یہ فیصلہ صادر کر دیا ہے کہ قانونِ فطرت میں تخلف ناممکن ہے گویا قانونِ فطرت بدل نہیں سکتا اور خوارق عادات جو معجزات کی صورت میں انبیاء کرام سے صادر ہوتے ہیں بقول سرسید محال کو مستلزم ہونے کی بنا پر خود محال ہیں۔ جن آیات سے انبیاء کرام کے معجزات کا ثبوت ملتا ہے سرسیّد ان کی تاویل کر جاتے ہیں۔ تاکہ معجزات کو نہ ماننا پڑے اور نہ کوئی ایسی حقیقت ماننی پڑے جو مافوق الفطرت (سپر نیچر) ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا مشہور معجزہ ہے کہ اُنھوں نے حکم خداوندی سے اپنا عصا سمندر پر مارا تو وہ پھٹ گیا اور اس میں بارہ خشک راستے بن گئے۔ جن سے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے بامن و سکون گذر گئے۔ بعد میں فرعون اپنے لشکر سمیت اِس دریا میں غرق ہوا۔ قرآن شریف نے سورۂ بقرہ، سورۂ طٰہٰ اور کئی دوسری سورتوں میں اس معجزہ کو بیان کیا ہے۔ سرسیّد اسے اپنے فرضی قانونِ فطرت کے خلاف سمجھتے ہیں اِس لئے اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

"معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بسبب جوار بھاٹا کے جو سمندر میں آتا رہتا ہے

---

[1] تفسیر سرسید احمد خاں: ج: ۵، ص: ۱

Marfat.com

اس مقام پر کہیں خشک زمین نکل آتی تھی اور کہیں پایاب رہ جاتی تھی۔ بنی اسرائیل پایاب و خشک راستوں سے راتوں رات پار اتر گئے"۔ [1]

ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل کا واقعہ مذکور ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک آدمی قتل ہوا لوگ اس میں جھگڑنے لگے کہ قاتل کون ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ ایک گائے ذبح کریں اور اس کے جسم کا کوئی حصہ مردے کو ماریں وہ زندہ ہو کر بتا دے گا کہ اس کا قاتل کون ہے۔ کیونکہ اس میں احیاء موتیٰ کا ذکر ہے جو موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے اور سرسید کے قانونِ فطرت کے خلاف ہے اس لئے انہوں نے یہاں بھی دور از کار تاویل کی چنانچہ لکھتے ہیں:

"بنی اسرائیل میں ایک شخص مارا گیا تھا اور قاتل معلوم نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ سب لوگ جو موجود ہیں انہیں میں قاتل بھی ہے۔ مقتول کے اعضاء سے مقتول کو ماریں جو لوگ درحقیقت قاتل نہیں ہیں وہ بسبب یقین اپنی بے جرمی کے ایسا کرنے میں کچھ خوف نہ کریں گے مگر اصل قاتل بسبب خوف اپنے جرم کے جو از روئے فطرتِ انسان کے دل میں اور بالتخصیص جہالت کے زمانے میں اس قسم کی باتوں سے ہوتا ہے ایسا نہیں کرے گا۔ اور اسی وقت معلوم ہو جائے گا"۔ [2]

ناظرین! غور فرمائیں سرسید نے کس طرح ہوشیاری سے ایک معجزہ کو عام تدبیر میں بدل دیا کہ قاتل نفسیاتی طور پر متاثر ہونے کی بنا پر مقتول کے جسم کا کوئی عضو مقتول کے جسم پر نہیں مار سکے گا۔ اس طرح اس کا قاتل ہونا معلوم ہو جائے گا۔ افسوس کہ سرسید نے قرآن مجید کے اس ارشاد پر بھی تاویل کی قینچی چلا دی جو اس واقعہ کے متصل بعد میں موجود

---

[1] - تفسیر سرسید احمد خاں۔ ج: ۱، ص: ۸۳
[2] - تفسیر سرسید احمد خاں۔ ج: ۱، ص: ۱۰۱

Marfat.com

ہے۔ ارشاد ہوتا ہے؛

کذالک یحی اللہ الموتٰی ویریکم آیتہٖ لعلکم تعقلون۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ مُردوں کو جلاتا ہے اور تمہیں اپنی قُدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ عقل سے کام لو۔ سرسید نے قانونِ فطرت کا جو خُود ساختہ فارمولا پیش کیا اس کے نتیجے میں پُورے قُرآن مجید میں دور از کار تاویلات کرنا پڑیں۔ سرسید احمد خاں تحریک وہابیت سے بھی متاثر تھے۔ معجزے اور کرامت کے انکار میں ان کے عقیدہ وہابیت کا دخل ہے۔ چُنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"ہماری سمجھ میں کسی شخص میں معجزے یا کرامت کے ہونے کا یقین کرنا ذاتِ باری کی توحید فی الصفات پر ایمان کو ناقص اور نامکمل کر دیتا ہے۔ اس کا ثبوت پیر پرست وگور پرست لوگوں کے حالات سے جو اس وقت بھی موجُود ہیں اور صرف معجزہ وکرامت کے خیال نے ان کو پیر پرستی وگور پرستی کی رغبت دلائی ہے اور خدائے قادرِ مطلق کے سوا دُوسرے کی طرف ان کو رجُوع کیا ہے اور منتیں ماننا، نذر نیاز چڑھانا اور ان کے نام کے نشانات بنانا اور جانوروں کی بھینٹ دینا سکھایا ہے بخوبی حاصل ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے سچّے ہادی مُحمّد الرسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اور ہمارے سچّے خُدا وحدہٗ لاشریک نے صاف صاف معجزات کی نفی کر دی تاکہ توحید کامل بندوں کو حاصل ہو۔"[1]

یہاں پر سرسید نے واضح کر دیا کہ معجزات کو ماننا محض پیر پرستی اور گور پرستی ہے۔ توحید پرستی یہ ہے کہ معجزات کا انکار کر دیا جائے۔ سرسیّد کے اندازِ بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وُہ وہابیت کے سرگرم مبلغ تھے اور نیچریت کے بانی تھے۔ ان کی تفسیر دونوں عقیدوں کا مجمُوعہ ہے۔

---

[1] تفسیر القرآن سرسیّد۔ ج: ۲۔ ص: ۳۴

Marfat.com

مولانا ابوالکلام آزاد اور ان کی تفسیر

مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت جانی پہچانی ہے وہ ایک سیاسی لیڈر ہونے کی حیثیت سے تمام حلقوں میں پہچانے جاتے ہیں۔ علم و ادب میں بھی اُنہیں نمایاں مقام حاصل ہے۔ وُہ ایک مخصُوص انداز تحریر کے مالک ہیں۔ جسے ہر شخص نہیں اپنا سکتا۔ اُنہوں نے ستائیس برس تک محنت و مطالعہ کرنے کے بعد تفسیر ترجمان القرآن تصنیف کی جو قدیم و جدید علم کا سنگم ہے۔ اس میں علُوم قدیمہ اور علُوم جدیدہ دونوں کو سمونے کی کوشش کی گئی ہے۔ مصنّف نے پہلی جلد میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر لکھی ہے جو تقریباً دو سو ساٹھ صفحات پر پھیلی ہُوئی ہے۔

رب العلمین کی تفسیر میں ضرورتِ نبوّت و رسالت پر کلام کرتے ہُوئے لکھتے ہیں۔

"جس رب العلمین نے تمہاری پرورش کے لِئے ربوبیت کا ایسا نظام قائم کر رکھا ہے کیا ممکن ہے کہ اس نے تُمہاری رُوحانی فلاح و سعادت کے لِئے کوئی قانُون کوئی نظام کوئی قاعدہ مقرّر نہ کیا ہو۔ جس طرح تمُہارے جسم کی ضرورتیں ہیں اِسی طرح تمہاری رُوح کی بھی ضرورتیں ہیں پھر کیوں کر ممکن ہے کہ جسم کی نشوونما کے لِئے اس کے پاس کوئی پروردگار نہ ہو۔"[1]

۲۔ مصنّف نے مذاہب عالم کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ مصنّف نے ظہورِ قرآن کے وقت دُنیا کے پانچ مذاہب کو خصُوصی طور پر ذکر کیا ہے۔ ۱۔ چینی ۲۔ ہندوستانی ۳۔ مجوسی ۴۔ یہوُدی ۵۔ مسیحی۔

مصنّف نے وجُود باری تعالیٰ کے بارے میں ان مذاہب کے تصوّرات کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے البتّہ ایک جگہ مصنّف کے قلم نے بُری طرح ٹھوکر کھائی ہے۔ مصنّف نے اُپ نشد کے ہندی تصوّر کو وحدت الوجُود قرار دیا ہے جو سراسر غلط ہے

---

[1] تفسیر ترجمان القرآن۔ ج: ۱، ص: ۹۲

Marfat.com

وحدت الوجود اکابر اولیاء کرام کا کشف اور وجدان ہے جو کتاب و سنّت کی روشنی میں ان کے قلوب پر منعکس ہوتا ہے۔ جب کہ ہندو تصوّر صوفیاء کے نظریہ وحدت سے بہت دُور ہے۔ صوفیاء کرام کے نزدیک توحید باری تعالیٰ ہر قسم کے حلول، اتحّاد اور اوتار کے تصوّر سے پاک ہے۔ جب کہ ہندو تصوّر میں مظاہر کثرت کی پرستش جائز ہے۔ جب کہ صوفیا کرام اس کے سخت مخالف ہیں اور ذاتِ واحد کے سوا کسی کے لیے سجدہ جائز نہیں سمجھتے۔

صوفیاء کرام فرق مراتب کے قائل ہیں۔ وہ تنزیہہ اور تشبیہہ دونوں کو برحق مانتے ہیں۔ وُہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانتے وہ اللہ تعالیٰ کی توحید ذاتی، صفاتی اور افعالی کے قائل ہیں۔ لہٰذا صوفیاء کرام کے نظریہ وحدت الوجود کو ہندو فلسفہ سے تعبیر کرنا انصاف سے بالکل بعید ہے۔

۳۔ مولانا ابُوالکلام آزاد نے اپنی تفسیر میں وحدت ادیان کا تصوّر پیش کیا ہے۔ جس کی رو سے تمام مذہبی گروہ بندیاں غلط ہیں۔ سب لوگوں کا دین ایک ہے چاہے کوئی مُسلم ہو یہودی ہو یا نصرانی ہو۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

اس (قرآن) نے کسی مذہب کے پیرو سے بھی یہ مطالبہ نہیں کیا کہ وہ کوئی نیا دین قبول کر لیں۔ بلکہ ہر گروہ سے یہی مطالبہ کرتا ہے کہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر جسے تم نے طرح طرح کی تحریفوں اور اضافوں سے مسخ کر دیا ہے۔ سچائی کے ساتھ کاربند ہو جاؤ۔ وہ کہتا ہے کہ اگر تم نے ایسا کر لیا تو میرا کام پُورا ہو گیا؛ [1]

دُوسری جگہ لکھتے ہیں :

"اس نے صاف صاف لفظوں میں اعلان کر دیا اس کی دعوت کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ تمام مذاہب سچّے ہیں لیکن پیروانِ مذاہب سچائی سے منحرف ہو گئے ہیں" [2]

---

[1]۔ تفسیر ترجمان القرآن۔ ج : ۱، ص : ۴۳

[2]۔ " ترجمان القرآن۔ ج : ۱، ص : ۲۵۱

Marfat.com

ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔

"انعام یافتہ لوگ وہ تمام راست باز انسان ہیں جو نوعِ انسانی میں گزر چکے تھے اس میں نہ تو کسی خاص نسل و قوم کی خصوصیت رکھی گئی ہے نہ کسی خاص مذہب اور اس کے پیروؤں کی" [1]

مولانا ابوالکلام آزاد کی تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ وحدت ادیان کے قائل ہیں انہیں چاہیئے تھا کہ تمام مذاہب کے پیروکاروں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کی راہ دکھاتے۔ کیونکہ اس کے بغیر نجات ناممکن ہے چاہے اعمالِ صالحہ بھی کئے ہوں۔ مولانا آزاد نے ایک ایسا انداز بیان اختیار کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر مذہب والا اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے ایمان اور عمل کی بدولت نجات پا سکتا ہے۔ انہیں یہاں پر یہ وضاحت کرنی چاہیئے تھی کہ کسی مذہب کے پیروکار کا ایمان مقبول نہیں جب تک وہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کا آخری رسول نہ مانے۔ اس بات کی صراحت نہ کرنے سے غیر مسلموں کو یہ کہنے کا موقع ملتا ہے کہ ان کا مذہب بھی صحیح ہے اور وہ نیک عمل کر کے نجات پا سکتے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے یہاں پر یہ وضاحت کیوں نہیں کی اس کی اصل وجہ تو وہ خود جانتے ہیں البتہ اتنا تاثر ضرور ملتا ہے کہ ہندو کانگرس کے راہنما ہونے کی حیثیت سے وہ اس عظیم صداقت کا برملا اظہار نہ کر سکے۔ انہوں نے انگریز کے خلاف ترکِ موالات پر زور دیا۔ لیکن ہندوؤں کے ساتھ محبت کا رشتہ آخر دم تک قائم رکھا۔

قرآنی ارشاد کی روشنی میں یہی کہا جا سکتا ہے۔ **افتؤمنون ببعض الکتب وتکفرون ببعض۔**

۴۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے کوشش کی ہے کہ ترجمہ سلیس اور بامحاورہ ہو۔ نیز کسی

---

[1] ترجمان القرآن۔ ج: ۱، ص: ۳۵۳

Marfat.com

لفظ کا ترجمہ رہنے نہ پائے۔ اس کوشش کے باوجود کہیں کہیں فروگذاشت رہ گئی ہے۔ چنانچہ سورۃ طٰہٰ کی آیت ۸۲ کا ترجمہ کیا ہے۔ وانی لغفار لمن تاب وآمن وعمل صالحاً ثم اھتدٰی۔ اور (میں نے کہا) جو کوئی توبہ کرے ایمان لائے نیک عمل ہو تو میں یقیناً اس کے لیے بڑا ہی بخشنے والا ہوں۔[۱]

یہاں پر ترجم سے ثم اھتدٰی کا ترجمہ چھوٹ گیا جسے سہو کہا جا سکتا ہے۔

۵۔ مولانا آزاد نے ترجمے میں بارگاہ نبوت کے ادب کو ملحوظ رکھنے کی کوشش کی ہے جو ایک قابل تعریف بات ہے چنانچہ سورہ والضحیٰ کی آیت ۷ کے ترجمے میں لکھتے ہیں "اے پیغمبر ہم نے دیکھا کہ ہماری تلاش میں ہو ہم نے خود ہی تمہیں اپنی راہ دکھلا دی۔"[۲]

یہ ترجمہ ان مترجمین کے تراجم سے بدرجہا بہتر ہے۔ جنہوں نے اللہ کے رسول کو سرگرداں یا ناواقف لکھ کر ترجمہ کیا۔

البتہ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ادب و محبت کی گہرائی میں اتر کر ایسا ترجمہ کیا جس تک مولانا آزاد بھی نہیں پہونچ سکے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی فرماتے ہیں "اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو تمہیں اپنی طرف راہ دی۔"[۳]

۶۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی تفسیر میں جدید عصری تحقیقات کے حوالے بھی دیئے ہیں۔ انہوں نے سکندر ذوالقرنین کی شخصیت اور یاجوج ماجوج کے تعین کے بارے میں بڑی کدوکاوش سے کام لیا ہے۔ ملاحظہ ہو ترجمان القرآن جلد ۲ صفحہ ۴۲۱۔ اسی طرح رحم مادر میں جنین کی مختلف ارتقائی صورتوں کے بارے میں جدید تحقیقات کو پیش کیا ہے ملاحظہ ہو ترجمان القرآن جلد ۲ صفحہ ۵۴۴ مگر یہ بات پیش نظر رہے کہ سائنسی تحقیقات روز بروز بدلتی رہتی ہیں اس لیے ان پر قرآنی تفسیر کو منطبق کرنا درست

---

[۱] ترجمان القرآن۔ جلد ۲، ص: ۴۵۴

[۲] باقیات ترجمان القرآن۔ ص: ۱۸۴

[۳] کنزالایمان۔ ص: ۸۹۵

Marfat.com

نہیں ہو سکتا ہے۔ یہی تھیوری کل کو غلط ثابت ہو تو پھر معاذ اللہ لوگ قرآن کی صداقت پر حرف گیری کرنے لگیں گے۔

۷۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے قرآن اور سوشلزم کا تقابلی فرق بھی پیش کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

"سوشلزم کا نظریہ یہ ہے کہ مدارج معیشت کا اختلاف کوئی قدرتی اختلاف نہیں۔ لیکن قرآن میں اس طرح کے اشارات جابجا پائے جاتے ہیں۔ کہ یہ اختلاف قدرتی ہے اور ضروری تھا کہ ظہور میں آتے وہ کہتا ہے اگر یہاں سب کی حالت یکساں ہوتی تو تزاحم و تنافس کی حالت پیدا نہ ہوتی اور اگر یہ حالت پیدا نہ ہوتی تو انسان کی قدرتی قوتوں کے ابھرنے اور ترقی پانے کے لئے کوئی شئ محرک بھی نہ ہوتی اور اجتماعی زندگی کی وہ سرگرمیاں ظہور میں نہ آتیں جن سے یہ تمام کارخانہ چل رہا ہے۔ آگے چل کر لکھتے ہیں۔ بہر حال قرآن نے اجتماعی مسئلے کا جو حل تجویز کیا ہے وہ یہ ہے کہ مدارج معیشت کی مساوات قائم کرنی نہیں چاہتا لیکن حق معیشت کی مساوات ضرور قائم کرتا ہے یعنی وہ کہتا ہے یہ بات ضروری نہیں کہ سب کو ایک ہی طریقے پر سامان معیشت ملے لیکن یہ ضروری ہے کہ ملے سب کو اور سعی و ترقی کی راہ یکساں طور پر سب کے سامنے کھل جائے۔" [1]

مولانا مودودی اور ان کی تفسیر

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی علمی اور سیاسی حلقوں میں کافی شہرت رکھتے ہیں نہ صرف پاکستان بلکہ دوسرے اسلامی ممالک میں بھی علمی حلقوں میں انہیں بڑی شہرت حاصل ہے۔ علماء کی بہت بڑی تعداد ان سے اختلاف رکھتی ہے لیکن جدید تعلیم یافتہ طبقہ ان سے کافی متاثر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے دورِ حاضر کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے

---

[1] ۔ ترجمان القرآن۔ ج: ۲، ص: ۱۳۶، ۱۳۷

Marfat.com

ہوئے اہم عنوانات پر قلم اُٹھایا۔ ان کی تحریر میں پیچیدگی اور اُلجھن کم محسوس ہوتی ہے۔ وہ مشکل بات کو سمجھانے کا سلیقہ رکھتے ہیں وہ ایک منفرد اندازِ تحریر کے مالک ہیں بعض مسائل میں اُنہوں نے اجتہادی رنگ اختیار کیا ہے۔ جس کی بنا پر علماء کرام ان کے مخالف ہو گئے۔ ہم اس وقت ان اختلافی مسائل کو نہیں چھیڑنا چاہتے جو مودودی صاحب اور دُوسرے علماء کے درمیان موجب نزاع بنے ہوئے ہیں۔ ہم صرف ان کی تفسیر کی روشنی میں کچھ معروضات پیش کریں گے۔

۱۔ مولانا مودودی صاحب نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن کے مقدمے میں صراحت کی ہے کہ وہ آیات کا ترجمہ نہیں بلکہ ترجمانی کریں گے چنانچہ لکھتے ہیں۔

" لفظی ترجمے کے طریقے میں کسر اور خامی کے یہی وہ پہلو ہیں جن کی تلافی کے لئے میں نے ترجمانی کا ڈھنگ اختیار کیا ہے۔ میں نے اس میں قرآن کے الفاظ کو اردو کا جامہ پہنانے کی بجائے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کی ایک عبارت کو پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور جو اثر میرے دل پر پڑتا ہے اسے حتی الامکان صحت کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کر دوں "۔ [1]

۲۔ تفسیری حواشی کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر یہ ہے:

" حواشی میں میری انتہائی کوشش یہ رہی ہے کہ کوئی ایسی بحث نہ چھیڑی جائے جو ناظر کی توجہ قرآن سے ہٹا کر کسی دُوسری چیز کی طرف پھیر دے جتنے حاشیے بھی میں نے لکھے ہیں دو ہی قسم کے مقامات پر لکھے ہیں۔ ایک وہ جہاں مجھے محسوس ہوا کہ ایک عام ناظر اس جگہ تشریح چاہے گا۔ یا اس کے ذہن میں کوئی سوال پیدا ہوگا۔ یا وہ کسی شبہ میں مبتلا ہو جائے گا۔

دُوسرے وہ جہاں مجھے اندیشہ ہوا کہ ناظر اس جگہ سے سرسری طور پر گذر جائے گا۔

---

[1] مقدمہ تفسیر تفہیم القرآن۔ ص: ۱۰

Marfat.com

اور قرآن کے ارشاد کی اصل رُوح اس پر واضح نہ ہو گی"۔ [1]

مولانا مودودی کا اندازِ تفسیر یہ ہے کہ پہلے سُورۃ کا تعارف لکھتے اس کے زمانۂ نزول سے بحث کرتے ہیں۔ اس کے مضامین کا اجمالی خاکہ پیش کرتے ہیں۔ پھر قرآنی آیات کا ترجمہ کرکے ضرورت کے مطابق تفسیری حواشی لے آتے ہیں۔ مولانا موصُوف کہیں کہیں ان مقامات کا جغرافیائی نقشہ دیتے ہیں جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ اس سے مطالب قرآن کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

مولانا مستشرقین کے متعصبانہ اندازِ فکر پر سخت تنقید بھی کرتے ہیں۔ علماء نے مولانا پر جو اعتراضات کئے ہیں وہ بھی قابلِ غور ہیں۔ سب سے بڑا اعتراض تو یہ ہے کہ وہ عظمت نبوّت کے تقاضوں کو کہیں کہیں نظر انداز کر جاتے ہیں۔

مثلاً سورہ تحریم کے موضُوع پر بحث کرتے ہُوئے لکھتے ہیں۔ "نبی نبی ہے خُدا نہیں ہے کہ اس سے کوئی لغزش نہ ہو۔ نبی کا احترام اس بنا پر نہیں ہے کہ اس سے لغزش کا صدور ناممکن ہے بلکہ اس بنا پر ہے کہ وہ مرضی الٰہی کا مکمل نمائندہ ہے"۔ [2]

اِسی طرح سورہ والضحیٰ کی آیت ۷ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

"اور تمہیں ناواقف راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی"۔ [3]

اس ترجمہ کو اہلِ محبّت قطعاً پسند نہیں کرتے۔ حضور رسُول پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کبھی صراطِ مستقیم سے ناواقف نہیں رہے۔ وحی کا نزول بعد میں صحیح لیکن آپ شروع سے ملّت ابراھیمی پر قائم اور ہدایت یافتہ تھے۔

مولانا اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

"یہ مُراد بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی قوتیں آپ کو عطا کی تھیں وُہ

---

[1] - مقدمہ تفسیر تفہیم القرآن - ص: ۱۱

[2] - تفہیم القران - ج: ۶، ص: ۱۱

[3] - تفہیم القرآن - ج: ۶، ص ۳۷۲

Marfat.com

جاہلیت کے ناسازگار ماحول میں ضائع ہو رہی تھیں۔" لے

علماء حق ایسا تصوّر بھی نہیں کر سکتے کہ اللہ کے نبی کی کوئی صلاحیت جاہلیت کے ماحول میں ضائع ہو جائے۔ آپ کی صلاحیتوں کو زمانہ بگاڑ سکتا ہے اور نہ منفی قوتیں ان پر اثر انداز ہو سکتی ہیں۔

اس لئے مولانا مودودی کے مذکورہ بالا الفاظ (جاہلیت کے ناسازگار ماحول میں ضائع ہو رہی تھیں) قطعاً درست نہیں۔

مولانا مودودی سورہ عبس کی تفسیر میں رقمطراز ہیں :

"یہی ہے وہ اصل نکتہ جسے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے تبلیغ دین کے معاملہ میں اس موقع پر نظر انداز کر دیا تھا۔" ٢ے

کیا کوئی امتّی ایسے نکتہ کی نشاندہی کر سکتا ہے جس کا تعلق تبلیغ دین سے ہو اور معاذاللہ حضور رسول خُدا صلی اللہ علیہ وسلم اسے نظر انداز فرما رہے ہوں۔ ہم نہیں سمجھ سکتے مولانا مودودی نے کیونکر اتنی بڑی جُراَت کی حالانکہ یہ ادب کا ایسا نازک مقام ہے جس کے بارے میں اہل محبّت یُوں کہتے ہیں۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

مولانا مودودی سورہ الانبیاء کے ترجمہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"اور مچھلی والے کو بھی ہم نے نوازا جب کہ وہ بگڑ کر چلا گیا تھا اور سمجھا تھا کہ ہم اس پر گرفت نہیں کریں گے۔" ٣ے

یونس علیہ السّلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں ان کے بارے میں یہ الفاظ کہ "وہ بگڑ کر

لے۔ تفہیم القرآن۔ ج : ۶، ص : ۳۷۳
٢ے۔ تفہیم القرآن۔ ج : ۶، ص : ۲۵۴
٣ے۔ تفہیم القرآن۔ ج : ۳، ص : ۱۸۲

Marfat.com

چلا گیا تھا۔" مقامِ ادب سے دُور ہٹے ہُوئے ہیں۔ حضرت علّامہ کاظمی صاحب اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں۔

اور ذوالنون کو یاد کیجئے جب وہ (راہِ حق میں) غضبناک ہو کر نکلے تو اُنہوں نے گمان کیا کہ ہم ان پر ہرگز تنگی نہ کریں گے ان دونوں ترجموں کا فرق اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں۔

مولانا مودودی نے کہیں کہیں معجزات کا انکار بھی کیا ہے چنانچہ حضور پاک کا مشہور معجزہ کہ آپ نے حضرت علی کی قضاء شدہ نماز کے لیے دوبارہ سورج لوٹا دیا تھا۔ مولانا مودودی نے ابن تیمیہ کے حوالے سے موضوع قرار دیا ہے۔" [۱]

حالانکہ امام ابوجعفر طحاوی متوفی ۳۲۱ھ نے اسے اپنی مشہور کتاب مشکل الآثار میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔" [۲]

قاضی عیاض مالکی اور کئی دُوسرے محدثین نے اس کی توثیق کی ہے۔ ایک محدث احمد بن صالح فرماتے تھے کہ علم حدیث کے شائقین کو چاہیئے کہ وہ معجزہ ردشمس کی حدیث کو یاد کر لیں کیونکہ یہ علامات نبوّت میں سے ہے۔

امام طبرانی نے اس حدیث کو حسن کہا۔

علّامہ جلال الدین سیوطی نے اس حدیث کو صحیح ثابت کرنے کے لئے ایک رسالہ کشف اللبس عن حدیث ردالشمس تالیف کیا غرضیکہ یہ معجزہ صحیح روایات سے ثابت ہے اور اس کا انکار کر کے مولانا مودودی نے اپنے آپ کو سرسیّد کے حامیوں میں لا کھڑا کیا ہے۔

مولانا مودودی بعض مقامات پر صحیحین کی احادیث سے بھی صرف نظر کر کے اپنی رائے سے تفسیر کر دیتے ہیں۔ چنانچہ بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السّلام

---

[۱] تفہیم القرآن۔ ج: ۴، ص: ۳۳۴

[۲] مشکل الآثار طحاوی۔ ج: ۲، ص: ۳۸۸

Marfat.com

نے قسم کھائی تھی کہ میں اپنی تمام ازواج کے پاس جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے نرینہ اولاد دیگا۔ جو بڑے ہوکر جہاد کریں گے وہ انشاءاللہ کہنا بھول گئے۔ بعد میں ان کی صرف ایک بیوی نے کچا بچہ جنا۔

صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں کہ دایہ اُسے اٹھا کر لائی اور سلیمان علیہ السّلام کے سامنے کرسی پر ڈال دیا۔ اسی بارے میں سورۃ صاد میں فرمایا گیا ۔[۱]

"والقینا علی کرسیه جسداً ثمّ اناب۔" ہم نے اس کی کُرسی پر ایک جسم ڈال دیا پھر اُس نے اللہ کی بارگاہ میں رجُوع کیا۔"

اکثر مفسّرین نے اس تفسیر کو اولیٰ قرار دیا ہے کیونکہ اس کا ماخذ بخاری و مُسلم کی حدیث ہے مولانا مودودی نے اس تفسیر سے اعراض کر کے ایک اور تفسیر کی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے لڑکے کو خلافت دینا چاہتے تھے جس کا نام تاریخ بنی اسرائیل میں رُجعام ملتا ہے وہ لڑکا نالائق نوجوان بن کر اُٹھا اس کے لچھن صاف بتا رہے تھے کہ وہ داؤد و سلیمان علیہما السلام کی سلطنت چار دن بھی نہ سنبھال سکے گا۔ اُن کی کرسی پر جسد لا کر ڈالنے کا مطلب غالباً یہی ہے ۔"[۲]

ہم نہیں سمجھ سکے کہ بُخاری و مُسلم کی حدیث کو چھوڑ کر بنی اسرائیل کی ایک تاریخی روایت کو تفسیر بنانے کی ضرورت کیوں پیش آئی اگر بخاری و مُسلم کی روایت پر تنقید ہو سکتی ہے۔ تو پھر تاریخ بنی اسرائیل پر بدرجہ اولیٰ تنقید ہو سکتی ہے۔

۵۔ مولانا مودودی نے سُورۃ فاتحہ کے ترجمے میں غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔" کا ترجمہ یُوں کیا ہے" جو معتوب نہیں ہوئے جو بھٹکے ہُوئے نہیں ہیں۔"[۳]

---

[۱] تفسیر مظہری۔ ج: ۸، ص: ۱۷۶، روح المعانی۔ ج: ۱۲، ص: ۱۹۸۔
[۲]۔ تفہیم القرآن۔ ج: ۴، ص: ۳۳۸
[۳]۔ تفہیم القرآن۔ ج: ۱، ص: ۴۵

Marfat.com

اس ترجمے پر علماء اہلِ سُنّت کا اعتراض یہ ہے کہ مغضوب کا ترجمہ معتوب سے درست نہیں ہے۔

مغضوب تو وُہ ہیں جن پر خُدا کا غضب ہُوا جیسا کہ یہُود ہیں۔ بخلاف معتوب کے بعض اوقات انبیاء کرام پر بھی عتاب ہوتا ہے۔ چُنانچہ مُوسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حدیث میں ہے۔ فعتب اللّٰہ علیہ۔ اللہ تعالیٰ نے مُوسیٰ علیہ السلام پر عتاب کیا۔" لہ

حضور رسُول پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی ذات کے بارے میں ارشاد فرمایا عاتبنی فیہ ربّی "۲ہ

عبداللہ بن ام مکتوم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر عتاب فرمایا معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں پر بھی عتاب ہوتا ہے۔ اس لیے مغضُوب علیہم کا ترجمہ معتوُب سے کرنا قطعاً دُرست نہیں۔ مولانا مودُودی نے سورۂ کہف کی تفسیر میں آیتِ قرآنی قال الذین غلبوا علی امرھم لنتخذن علیھم مسجداً۔ جو لوگ ان کے معاملے میں غالب آئے۔ اُنہوں نے کہا ہم ضرور ان کی غار پر مسجد تعمیر کریں گے۔

مولانا مودُودی فرماتے ہیں کہ یہاں پر غالب آنے والے شرک کے علمبردار تھے اور وہ ان کی قبروں پر عبادت گاہ بنانا چاہتے تھے"۳ہ

مولانا مودُودی کی رائے کے بالمقابل دیگر محققین و مفسّرین کی رائے یہ ہے کہ یہاں پر غالب آنے والے مُسلمان تھے۔ جو حصُولِ برکت کے لیے ان کی غار کے پاس عبادت گاہ تعمیر کرنا چاہتے تھے چُنانچہ صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں۔

لہ۔ صحیح بخاری۔ ج: ۱، ص: ۶۳

۲ہ۔ تفسیر بغوی و تفسیر خازن۔ ج: ۷، ص: ۱۷۴

۳ہ۔ تفہیم القران۔ ج: ۳، ص: ۱۷

Marfat.com

قال الذین غلبوا علی امرھم۔ ای المسلمون بیدوسیس واصحابه فانھم کانوا اصحاب ملك وثروۃ و حکومة حینئذٍ لنتخذن علیھم مسجداً یصلی فیھم مسلمون ویتبرّکون بھم" [1]

غالب آنے والے مسلمان تھے۔ بیدوسیس بادشاہ اور اس کے ساتھی تھے یہ ملک و دولت اور حکومت کے مالک تھے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم اصحاب کہف کے پاس مسجد بنائیں گے۔ یہاں مسلمان نمازیں پڑھیں گے اور برکت حاصل کریں گے۔

صاحب تفسیر روح المعانی لکھتے ہیں۔ اخرج ابوحاتم عن السدی ان الملك قال لاتخذن عند ھؤلاء القوم الصالحین مسجداً فلاعبدن اللہ تعالیٰ فیه حتّی اموت" [2]

ابُوحاتم نے سدی سے روایت لی ہے کہ بادشاہ نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں کے پاس ضرور مسجد بناؤں گا۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں گا یہاں تک میں فوت ہو جاؤں۔

ان کے علاوہ قاضی بیضاوی اور دُوسرے اکابر مفسّرین نے بھی غلبوا سے مؤحدین مومنین کی جماعت مُراد لی ہے جو وہاں عبادت گاہ بنا کر رب تعالیٰ کی عبادت کرنا چاہتے تھے۔ مولانا مودودی نے ان تمام مفسّرین سے الگ جو رائے قائم کی ہے اس پر کوئی ٹھوس دلیل پیش نہیں کی جا سکتی لہٰذا اُن کی منفرد رائے اکابر مفسّرین کے مقابلے میں قبول نہیں کی جا سکتی۔

۵۔ مولانا مودُودی نے اپنے آپ کو اعتدال پسند اور فرقہ وارانہ اختلاف سے بالاتر

---

[1] تفسیر مظہری۔ جلد: ۶، ص: ۲۳

[2] تفسیر روح المعانی جلد: ۸، ص: ۲۳۶

Marfat.com

ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ان کی تفسیر نشاندہی کرتی ہے کہ وہ ابن تیمیہ اور ابن عبد
کے نظریات کے پیروکار ہیں۔

مثلاً سورہ بقرہ کی آیت ۱۷۳ کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔

"اور ایسی کوئی چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو" اس کی تف
میں لکھتے ہیں

اس کا اطلاق اس جانور کے گوشت بھی ہوتا ہے جسے خدا کے سوا کسی اور کے
نام پر ذبح کیا گیا ہو اور اس کھانے پر بھی ہوتا ہے جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر بطو
نذر کے پکایا جائے۔"[۱]

سورۃ مائدہ میں ارشاد ہوتا ہے۔ **وما ذبح على النُّصُبِ**[۲]
اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں۔

"اور وہ جو کسی آستانے پر ذبح کیا گیا ہو"

تشریح میں لکھتے ہیں۔ اس سے مراد وہ سب مقامات ہیں جن کو غیر اللہ کی نذ
چڑھانے کے لئے لوگوں نے مخصوص کر رکھا ہو۔ خواہ وہاں پتھر یا لکڑی کی مورت ہو یا
ہماری زبان میں اس کا ہم معانی لفظ آستانہ یا استھان ہے جو کسی بزرگ یا دیوتا
یا کسی خاص مشرکانہ اعتقاد سے وابستہ ہو۔"[۳]

مولانا مودودی نے بتوں اور بزرگوں کو ایک مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔ بت کے اس
پر ذبح ہو یا کسی بزرگ کے آستانے پر، مولانا مودودی کے نزدیک سب حرام ہیں۔

افسوس! کہ مولانا مودودی نے اس پر غور نہیں کیا کہ جو لوگ بزرگوں کے آستانے پ
جانور ذبح کرتے ہیں یا نذر و نیاز چڑھاتے ہیں ان کا مقصد اللہ کی رضا کے لئے اللہ

۱۔ تفہیم القرآن۔ ج: ۱، ص: ۱۲۵۔
۲۔ سورہ مائدہ۔ آیت: ۳۔
۳۔ تفہیم القرآن: ج: ۱، ص: ۴۴۱

Marfat.com

کے نام پر جانور ذبح کرنا ہوتا ہے۔ البتہ اس کا ثواب بزرگوں کی رُوحوں تک پُہنچاتے ہیں جو بالاتفاق جائز ہے۔ ان کا عقیدہ مشرکوں کی طرح یہ نہیں ہوتا کہ وُہ غیر اللہ کے قُرب کے لیئے ایسا کر رہے ہیں یا غیر اللہ کے نام پر اس جانور کی جان نکال رہے ہیں۔ مؤمن اور مُشرک کے عقیدے میں واضح فرق موجُود ہے۔ مگر مولانا موصُوف اور ان کے حواری مؤمن و مُشرک کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے۔

مولانا مودُودی نے اس پر غور نہیں کیا کہ تمام متقدمین علماء مفسّرین مثلاً۔ امام ابن جریرؒ ابن کثیر، بیضاوی، امام رازی و قرطبی وغیرھم سب نے یہاں پر قید لگائی ہے کہ یہاں پر وہ جانور مُراد ہے کہ جس پہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام بلند کیا جائے۔ یہی ترجمہ مفکّرِ اسلام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے کیا ہے۔ اور یہی مفسّرین کا اجماعی قول ہے۔ ہم اختصاراً صِرف دو حوالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے، وکذالك حرم علیهم ما اهل به لغیر الله هو ما ذبح علی غیر اسمه تعالیٰ من الانصاب والانداد والازلام ونحو ذالك مما كانت الجاهلية ینحرون له [1]

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا جس پہ ذبح کے وقت غیر خدا کا نام بلند کیا جائے وہ بُتوں کے استھانوں پر ذبح ہو یا جو اُنہوں نے اللہ کے شریک بنا رکھے تھے۔ یا اس کے علاوہ ہو جن کے لیئے زمانۂ جاہلیت کے لوگ قربانی کرتے تھے۔

اسی طرح تفسیر قرطبی میں ہے، وما اهل به لغیر الله ای ذكر علیه غیر اسم الله تعالیٰ وهی ذبیحة المجوسی والوثنی [2]

وہ جانور بھی حرام ہیں جن پہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ مثلاً مجوسی اور

---

[1] ۔ تفسیر ابن کثیر ۔ ج : ۱، ص : ۲۰۵ ۔
[2] ۔ قرطبی ۔ ج : ۲، ص : ۲۲۳ ۔

Marfat.com

بُت پرست کی ذبیحہ۔

ہم نے صرف دو حوالوں پر اکتفا کیا ہے اور اگر اس مسئلے کی پُوری تحقیق مطلوب ہے تو ہمارے شیخ حضور قبلہ پیر سیّد مہر علی شاہ قدس سرہٗ العزیز کی تصنیف اعلاء کلمۃ اللہ فیما اھل بہ لغیر اللہ کا مطالعہ کریں۔

اس وقت ہمارے پیشِ نظر صرف یہ بات ہے کہ مولانا موصُوف اعتدال پسند کہلوانے کے باوجُود ان مسائل میں تشدّد کی راہ پر چلے ہیں۔ اُنھوں نے شرک کی تشریح میں بھی انتہائی غلو سے کام لیا ہے ایک جگہ لکھتے ہیں۔ بسا اوقات اِنسان آیات کو مان کر بھی کسی نہ کسی طور کے شرک میں مبتلا رہتا ہے۔ مثلاً ریار کہ وہ ایک طرح کا شرک ہے۔ یا انبیار اولیار کی تعظیم میں ایسا مبالغہ جو شرک تک پہنچا دے یا غیر اللہ سے دعا اور استعانت یا برضا و رغبت ارباب من دون اللہ کی بندگی و اطاعت اور غیر الٰہی قوانین کا اتباع"۔[۱]

دُوسری جگہ لکھتے ہیں۔

" شرکار کا اطلاق تین قسم کی ہستیوں پر ہوتا ہے ایک ملائکہ انبیار، اولیار، اور شہداءُ صالحین جن کو مختلف زبانوں میں مشرکین نے خُدائی صفات و اختیارات کا حامل قرار دیکر ان کے آگے مراسم عبُودیت بجالائے"۔

دُوسری قسم ان اشیار کی ہے جو بے شعور یا بے جان ہیں۔ جیسے چاند، سُورج، ستارے، درخت، پتھر اور حیوانات وغیرہ"۔[۲]

یہاں پر مولانا مودُودی نے انبیار و اولیار کو ان شرکار کی صف میں شمار کیا جن میں دُوسرے نمبر پر بے شعُور درختوں، پتھروں کا نام لیا گیا ہے یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ اللہ کے رُسُول، نبیوں کو بتوں اور دُوسرے اصنام باطلہ کے ساتھ شمار کیا جائے۔ غرضیکہ مولانا مودُودی

---

[۱] تفہیم القرآن۔ ج: ۳، ص: ۲۸۶

[۲] تفہیم القرآن۔ ج: ۳، ص: ۳۴۰

Marfat.com

کی تفسیر واضح کرتی ہے کہ وہ ایک انتہائی متشدد انسان ہیں۔ ان میں اعتدال اور میانہ روی بالکل نہیں پائی جاتی۔ وُہ ہمیشہ جمہُور سے الگ اپنی رائے قائم کرتے ہیں اور اپنی رائے کو دُوسرے تمام مفسّرین کے اقوال پر ترجیح دیتے ہیں۔

ہم اس موضوع پر یہاں گفتگو ختم کرتے ہیں اور دورِ حاضر کی ایک اور تفسیر کا ذکر کرتے ہیں جو ہماری رائے میں تفہیم القرآن سے زیادہ مفید اور نفع بخش ہے۔

تفسیر ضیاء القرآن

یہ تفسیر حضرت مولانا پیر محمد کرم شاہ صاحب ازہری کی تفسیر ہے۔ موصُوف جامعہ ازہر کے فاضل ہیں۔ دینی و دُنیوی علُوم پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ سابق صدر ضیاء الحق مرحُوم نے ان کے علمی تبحر اور قانون شرعی میں مہارتِ کاملہ سے متاثر ہوکر اُنہیں سپریم کورٹ کی شریعت بنچ کا جج مقرر کیا جو ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ پیر صاحب موصُوف نے پانچ جلدوں میں تفسیر ضیاء القرآن مرتب کی آپ کی تفسیر کا انداز یہ ہے کہ سب سے پہلے سورۂ قُرآنی کا تعارف لکھتے ہیں اس کے زمانہ نزول پر بحث کرتے ہیں اس کے اہم مضامین کا حوالہ دیتے ہیں جہاں نقشہ کی ضرورت ہو وہاں نقشہ دے کر وضاحت کرتے ہیں۔ قُرآنی آیات کا بامحاورہ ترجمہ کرتے ہیں۔ جہاں قدرے وضاحت ضروری ہو تو بین القوسین کا اضافہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد تفسیری حواشی تحریر کرتے ہیں۔ وہ عمُوماً جن تفاسیر سے استفادہ کرتے ہیں ان کا حوالہ دیتے ہیں۔ حوالہ چھُپانے کی کمزوری آپ میں نہیں پائی جاتی۔ عمُوماً تفسیر ابن جریر، کشاف، ابن کثیر، قرطبی احکام القرآن جصاص، تفسیر مظہری اور رُوح المعانی کے حوالے دیتے ہیں۔ معاصرین کی ان کتابوں کا نام دیتے ہیں جن سے استفادہ کرتے ہیں مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات مدلّل انداز میں دیتے ہیں۔ یورپ کی تاریخی و تمدنی کتابوں کے حوالے بھی دیتے ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا

Marfat.com

برٹانیکا کے اقتباسات بھی آپ کی تفسیر میں پائے جاتے ہیں۔ چونکہ قرآن مجید کا نزول عربی میں ہوا ہے اس لیئے مفردات قرآنی کی تشریح علماء لغت کے حوالے سے کرتے ہیں۔ نحوی ترکیبوں کو علماء نحو کے اقوال کی روشنی میں حل کرتے ہیں۔ تفسیر کی ہر جلد کے آخر میں مضامین قرآن کی مکمل فہرست دیتے ہیں جس سے مضامین قرآن کو سمجھنے اور اپنے سوالات کے جوابات ڈھونڈنے میں بڑی آسانی رہتی ہے۔

جسٹس پیر کرم شاہ صاحب ازہری اعتدال پسند عالم دین ہیں۔ وہ صوفیاء کرام بالخصوص مشائخ چشت سے بہت متاثر ہیں۔ پیر صاحب فرق باطلہ کی تردید کرتے ہیں لیکن ان کی تردید کا انداز سطحی اور جذباتی نہیں ہوتا بلکہ ان کی گہری تحقیق اور ان کے سوزِ دل کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ انہیں عربی ادب سے گہرا شغف ہے۔ اس کا رنگ تفسیر میں نمایاں ہے۔ وہ قرآن مجید کے اندازِ تذکیر و موعظت کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ اور قرآن کے قاری کو بڑے مؤثر انداز میں عمل اور اصلاح کی دعوت دیتے ہیں۔ وہ دورِ حاضر کے مسائل پر بھی تبصرہ کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۴۶ میں ارشاد ہوتا ہے۔ اِبْعَثْ لَنَا مَلِكًا۔ ہمارے لیئے بادشاہ مقرر کردے۔ ان الفاظ سے ملوکیت کے حامی استدلال کرتے ہیں کہ اسلام بھی بادشاہت اور ملوکیت کا حامی ہے۔ ان کے جواب میں مفسر موصوف لکھتے ہیں۔

"اکثر مفسرین جن میں بیضاوی بھی ہیں اِبْعَثْ لَنَا مَلِكًا کا معنی کیا ہے۔ اَقِمْ لَنَا اَمِيْرًا۔ نَنْهَضُ مَعَهٗ لِلْقِتَالِ يُدَبِّرُ اَمْرَهٗ ہمیں ایک امیر اور قائد عطا فرما جس کے جھنڈے کے نیچے کھڑے ہو کر ہم جہاد کریں اور جنگ کی ساری تدبیر اس کی نگرانی میں ہو تو اس تشریح سے واضح ہو گیا کہ یہاں مَلِك سے مراد سپہ سالار ہے اور عربی زبان میں لفظ مَلِك امیر اور رئیس کے معانی میں عام استعمال ہوتا ہے۔

Marfat.com

(نیز ایک اور بات یہاں بھی قابلِ غور طلب ہے کہ ملوکیت یا شاہی نظام حکومت کا مفہوم یہ ہے کہ رئیسِ حکومت مطلق العنان بادشاہ ہوا کرتا ہے۔ قانون سازی، انتظام مملکت، حکومت کے سارے خزانے اس کے ہاتھ میں ہوتے ہیں سب اس کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں اور وہ کسی کے سامنے اپنے کسی فعل کے لئے جواب دہ نہیں ہوتا۔ یہاں (واقعہ بنی اسرائیل) جب حضرت سموئیل علیہ السلام نبی موجود ہیں تو قانون وہی ہوگا جو ان کی شریعت کا ہے۔

اقتدارِ اعلیٰ انہیں کے پاس ہوگا۔ ان کی موجودگی میں کسی ایسے شخص کے تقرر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جو مطلق العنان اور مختارِ کل ہو۔ اس لئے صرف لفظ مَلِك سے اسلام پر ملوکیت کا الزام لگانا سراسر حقیقت کے خلاف ہے۔"[1]

اسلام میں شوریٰ کی اہمیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں شوریٰ شریعت کے مسلمہ اصولوں اور اہم ترین احکام سے ہے اور جو حاکم اہلِ علم و دین سے مشورہ نہیں کرتا بلکہ خود رائے سے کام لیتا ہے اسے معزول کر دینا لازمی ہے۔

خلفاء اور حکام پر واجب ہے کہ دینی معاملات میں علماء سے جنگی امور میں قائدین اور ماہرینِ حرب سے عام فلاح و بہبود کے کاموں میں سردارانِ قبائل سے اور ملک کی ترقی اور آبادی کے متعلق عقل مند وزراء اور تجربہ کار عہدیداروں سے مشورہ کریں۔

تفسیر قرطبی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ سے مشورہ لینے کی ضرورت نہ تھی لیکن اس میں حکمت یہ تھی کہ انہیں مشاورت کی شان کا پتہ چل جائے۔ نیز یہ کہ مشورہ سنّت نبوی بن جائے اور امّت مسلمہ اس کی اقتدار اور اتباع کرے۔"[2]

---

[1] تفسیر ضیاء القرآن۔ ج: ۱، ص: ۱۷۹

[2] تفسیر ضیاء القرآن۔ ج: ۱، ص: ۱۲۳۔ ایضاً۔ ج: ۴، ص: ۳۸۴

Marfat.com

مفسّر کی ایک سعادت یہ بھی ہے کہ فضائل و کمالاتِ نبوت کو بیان کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا۔ شانِ مصطفوی کے عنوان سے ضیاء القرآن کی فہرست سے ہم چند اقتباسات پیش کرتے ہیں جن پر تفسیر میں بحث کی گئی ہے۔ ہم نے یہ اقتباس تفسیر ضیاء القرآن جلد پنجم کی فہرست سے لیا ہے۔

(ا) معجزہ شق القمر اس کا نقلی و عقلی ثبوت (ب) حضور جن و انس کے نبی ہیں۔ (ج) حضور کا معراج میں تشریف لے جانا (د) حضرت عیسےٰ نے حضور کا نام احمد بتا کر بشارت دی۔ نام نامی احمد کا مفہوم (ر) فیضان نبوّت تلاوت آیات تزکیۂ قلوب تعلیم کتاب و حکمت قیامت تک آنے والے اُمتی فیضانِ نبوّت سے فیضیاب ہوتے رہیں گے (س) جُمعہ کے روز بکثرت درُود شریف پڑھنے کا حُکم اور عقیدۂ حیات النبی علیہ السّلام (ص) حضور کا وجود سارے جہانوں کے لئے وجۂ عز و شرف ہے۔ (ط) حضور کے علوم و معارف کا بیان ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا۔ آپ کا دشمن ابتر ہے حضور کے طفیل ناقص اُمتیوں کی تکمیل۔ (ع) تابندہ ستارے حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی قسم (ف) وہ وحی کے بغیر بولتے ہی نہیں۔ آپ کو تعلیم دینے والا اللہ ہے وحی فرمائی اپنے بندے کی طرف جو وحی فرمائی۔ (ق) آپ نے جو کچھ دیکھا دِل نے اس کی تصدیق کی (ک) دیدار الٰہی کی مفصّل بحث (ل) حضور نے اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ اللہ ہی نے حضور کو قرآن اور اس کا بیان سکھایا (م) تعلیم الٰہی سے علوم کے سمندر موجزن ہو گئے (ن) حضور کو **ماکان و مایکون** کا علم عطا ہُوا۔ (و) غیب کی تحقیق (ہ) حضور کا علم غیب باعلام الٰہی تعالےٰ ہے (ی) آپ غیب بتانے میں بخیل نہیں۔

یہ فہرست مضامین کے چند اقتباسات ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ مفسّر کو بارگاہِ رسالت سے گہری عقیدت ہے اور یہی عقیدت ہی معیار ایمان ہے جو مفسّر اس نعمت سے محروم ہیں اُنہوں نے قرآن پاک کی رُوح کو نہیں سمجھا۔ فضائل نبوّت کو بیان کرنے

Marfat.com

ہیں ان کا قلم لرز جاتا ہے اور وہ مقام نبوت کو ایک مبلغ کے مقام تک محدود رکھنے کی کوشش کرتے ہیں وہ اپنے طور پر توحید کے محافظ بننے کا دعوی کرتے ہیں لیکن اس حقیقت کو نہیں سمجھتے کہ عظمت نبوّت کا بیان توحید کے منافی نہیں بلکہ شان توحید کو سمجھنے کے لئے شان نبوّت کا عرفان از حد ضروری ہے۔

بمصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبیست
(اقبال)

جسٹس علامہ پیر کرم شاہ صاحب ہدیۂ تبریک کے مستحق ہیں کہ اُنہوں نے ذخیرہ تفاسیر میں ایک قابل قدر اضافہ کیا۔ ان کے تفسیری حواشی ان کی بالغ نظری کا روشن ثبوت ہیں۔ اُنہوں نے عُلماء متقدمین کی تفاسیر سے بھی استفادہ کیا اور عصرِ حاضر کے مسائل کو سمجھنے کے لئے دورِ حاضر کے مفسّرین کا علمی سرمایہ بھی پیش نظر رکھا۔ ان کی تفسیر علوم جدیدہ و قدیمہ کا سنگم نظر آتی ہے۔ اُنہوں نے مسلک اہلِ سُنّت والجماعت کو ہر جگہ پیشِ نظر رکھا ہے اُنہوں نے کہیں اغیار کی بات لی ہے تو اس لئے کہ اس سے مسلک اہلِ سُنّت کی تائید کا پہلو نکلتا ہے۔ بایں ہمہ وہ اِنسان ہیں معصوم فرشتے نہیں کہ کہیں ان سے لغزش نہ ہو سکے۔ لہٰذا اگر کہیں سہواً ان سے فروگذاشت ہُوئی ہو تو اس سے ان کی تفسیر کی عظمت اور افادیت میں فرق نہیں آتا۔

عُلماء دیوبند اور اُن کی تفاسیر

ماضی قریب اور زمانۂ حال میں علماء دیوبند نے قُرآن مجید کے تراجم اور تفسیری حواشی تحریر کئے جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

۱۔ ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی اور تفسیر بیان القرآن

Marfat.com

۲۔ ترجمہ مولانا محمود الحسن دیوبندی اور تفسیری حواشی مولانا شبیر احمد عثمانی
۳۔ مشکلات القرآن (یہ کتاب آیات مشکلہ کے حل کے بارے میں لکھی گئی) تصنیف مولانا انور شاہ کشمیری۔
۴۔ تفسیر معارف القرآن مولانا محمد شفیع دیوبندی (کراچی)
۵۔ تفسیر معارف القرآن۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔

ان کے علاوہ علماء دیوبند کے اور تراجم و تفاسیر بھی موجود ہیں۔ جن کا مطالعہ کرنے سے ان کی حقیقت آشکارا ہو سکتی ہے۔ ان سب پر تبصرہ کرنے کے لئے طویل وقت درکار ہے اس لئے ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

علماء اہلسنّت بریلوی اور اُن کی تفاسیر

کنزالایمان اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کے ترجمہ قرآن کو خصوصی اہمیت اور مقبولیت حاصل ہے۔ اس ترجمے کو کنزالایمان کا نام دیا گیا ہے۔ اس پر تفسیری حواشی مولانا نعیم الدین مرادآبادی نے تحریر کئے ہیں۔ جنہیں خزائن العرفان کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اسی ترجمہ پر حضرت مولانا مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی علیہ الرحمۃ نے بھی ایک قابل قدر حاشیہ تحریر فرمایا ہے۔ جس کا نام نور العرفان ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ کے ترجمہ قرآن پر مختلف فضلاء کرام نے مقالات لکھے ہیں۔ جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

۱۔ سید محمد مدنی۔ امام احمد رضا اور اردو تراجم کا تقابلی جائزہ۔
۲۔ شیر محمد اعوان۔ امام احمد رضا اور محاسن کنزالایمان۔
۳۔ اختر خان ازہری۔ امام احمد رضا کا ترجمہ قرآن حقائق کی روشنی میں۔
۴۔ حکیم الرحمٰن رضوی۔ امام احمد رضا اور ترجمہ قرآن کی خصوصیات۔

Marfat.com

حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کو فقہ میں گہرا عبور حاصل تھا۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی کے والد مولانا عبدالحیٔ الحسنی نزہتہ الخواطر میں لکھتے ہیں۔

فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر ان کو جو عبور حاصل ہے اس کی نظیر شاید کہیں ملے اور اس دعویٰ پر ان کا مجموعہ فتاویٰ شاہد ہے۔ نیز ان کی تصنیف کفل الفقیہ الفاھم فی احکام القرطاس والدراھم جو انہوں نے ۱۳۲۳ھ میں مکہ معظمہ میں لکھی تھی۔ (نزھۃ الخواطر۔ جزء ثامن، ص:۴۱)

آپ نے ایک ہزار سے زائد تصانیف تحریر کیں اور تمام فنون میں اپنی قابلیت کا لوہا منوایا۔ حضرت احمد رضا خان بریلوی نے صفر ۱۳۴۰ھ میں وصال فرمایا۔ آپ کی چند مشہور تصانیف کے نام درج ذیل ہیں۔

حسام الحرمین، العطایا النبویہ (مجموعہ فتاویٰ رضویہ) السنیۃ الانیقہ فی فتاویٰ افریقہ، الدولۃ المکیہ، النیرۃ الوضیہ شرح الجوھرۃ المضیہ۔ الھاد الکاف فی حکم الضعاف، احکام شریعت، المحجۃ الموتمنہ فی آیۃ الممتحنہ۔ دوام العیش فی الائمۃ من قریش۔ وغیرہ

کنزالایمان کی خصوصیات

ترجمہ سلیس اور بامحاورہ ہے یہ عظیم کام املاء کی صورت میں سرانجام دیا گیا ہے۔ امام احمد رضا اپنے جید تلامذہ کو ضبط صدر سے ترجمہ لکھوا دیتے تھے اس وقت نہ ترجمے سامنے ہوتے نہ تفسیر کی کتابیں لیکن جب آپ کے فاضل شاگرد بعد میں کتب تفسیر سے مقابلہ کرتے تو ترجمہ و تفاسیر اہل سنت کے عین مطابق ہوتا۔

اعلیٰ حضرت کے ترجمے کے محاسن کا جائزہ لینے کے لئے حسب ذیل مثالوں پر غور فرمائیں۔

Marfat.com

۱۔ سورۃ فاتحہ میں ایاك نعبد وایاك نستعین کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

"ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں۔"

اعلیٰ حضرت نے یہاں پر اسے دعائیہ انداز میں پیش کیا ہے جب کہ عام مترجمین حضرات اسے جملہ خبریہ کے مفہوم میں پیش کرتے ہیں۔ جو لوگ بلاغت قرآن کی گہرائیوں سے آگاہ ہیں ان کا وجدان اس بات کی شہادت دے گا کہ اسے جملہ انشائیہ دعائیہ قرار دینا بلاغت قرآنی سے زیادہ قریب ہے اور اس میں عبدیت کی روح کو جس طرح سمویا گیا ہے اس کا انکار ناممکن ہے۔

۲۔ سورۃ بقرہ کے آغاز میں ذلك الكتاب لا ريب فيه کا ترجمہ عام مترجمین حضرات نے یوں کیا۔ "اس کتاب میں کوئی شک نہیں" "یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں "وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن مجید) کوئی شک کی جگہ نہیں" اس ترجمہ میں ایک تو ذٰلِكَ اسم اشارہ بعید کا ترجمہ صیغۂ بعید سے کیا گیا ہے تاکہ کتاب کی عظمت شان پر دلیل بنے دوسرا یہ کہ "شک کی جگہ نہیں" فرما کر وضاحت کر دی گئی ہے کہ شک و شبہ کرنے والے شبہ کرتے رہیں یہ کتاب شک و شبہ سے بالاتر ہے اور اس میں ایسے دلائل موجود ہیں جو تمام شکوک و شبہات کی نفی کرتے ہیں۔

۳۔ دوسرے پارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ۔

عام مترجمین حضرات نے ترجمہ یوں کیا۔

"اور جس قبلے پر آپ رہ چکے ہیں یعنی بیت المقدس وہ محض اس لئے تھا کہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ کون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹ

Marfat.com

جاتا ہے۔ اس ترجمہ سے یہ ابہام پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تحویل قبلہ سے پہلے نہیں جانتا تھا کہ کون اتباع کرنے والا ہے اور کون پیچھے ہٹنے والا ہے (معاذ اللہ)

اعلیٰ حضرت کے ترجمے نے اس ابہام کو ختم کر دیا آپ لکھتے ہیں۔

"اور اے محبوب! تم پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے وہ اسی لئے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں کون پیروی کرتا ہے اور کون اُلٹے پاؤں پھر جاتا ہے"

اعلیٰ حضرت نے یہاں پر علم کو ظہور کے معنی میں لے کر مسلک اہلِ سُنّت کی ترجمانی کر دی اور اس شبہ کا ازالہ کر دیا جو دُوسرے تراجم پر عائد ہوتا تھا۔

۴۔ سورۂ یُوسف کی آیت ۱۱۰ میں ارشاد ہوتا ہے۔

حَتّٰی اِذَا استَیۡئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوۡۤا اَنَّھُمۡ قَدۡ کُذِبُوۡا۔

دُوسرے مترجمین حضرات نے اس کا ترجمہ یُوں کیا۔

"یہاں تک کہ جب ناامید ہوئے رسُول اور خیال کرنے لگے کہ ان سے جھُوٹ کہا گیا تھا"

یہ بات کہ اللہ کے رسُول اللہ کی امداد سے مایُوس ہونے لگے یا انہیں یہ گمان ہونے لگا کہ ان سے جھُوٹ بولا گیا تھا یہ دونوں باتیں عظمتِ نبوّت کے منافی ہیں۔ اس لئے امام احمد رضا خان نے یُوں ترجمہ فرمایا۔

یہاں تک کہ جب رسُولوں کو ظاہری اسباب کی اُمّید نہ رہی اور لوگ سمجھے کہ رسُولوں نے ان سے غلط کہا تھا"

اس ترجمے سے دونوں اعتراض رفع ہو جاتے ہیں اور عظمت نبوّت پر بھی حرف نہیں آتا۔

سورۃ الانبیا کی آیت ۸۷ میں ارشاد ہوتا ہے۔ وَذَا النُّوۡنِ اِذۡ ذَّھَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنۡ لَّنۡ نَّقۡدِرَ عَلَیۡهِ۔ بعض مترجمین نے یُوں ترجمہ کیا

Marfat.com

"کہ وہ سمجھا کہ ہم اسے نہ پکڑ سکیں گے"۔ اس ترجمے سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ معاذ اللہ یونس علیہ السّلام کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بارے میں شک تھا کہ اللہ تعالیٰ اسے نہیں پکڑ سکتا

امام احمد رضا خان نے یہ ترجمہ کیا۔

"ذالنون کو یاد کرو جب کہ وہ قوم سے غصّہ ہو کر چلا گیا۔ اس نے گمان کیا کہ ہم اس پر تنگی نہیں کریں گے"۔

یہاں پر اعلیٰ حضرت نے وضاحت کر دی کہ فعل لَنْ نَّقْدِرَ تنگی کے معنی میں استعمال ہوا ہے نہ کہ قدرت رکھنے کے معنی میں۔

سورہ شوریٰ کی آیت ۲۴ میں ارشاد ہوتا ہے۔

فان یّشاءِ اللہ یختم علیٰ قلبك

اِس کا ترجمہ دیوبندی حضرات نے یُوں کیا ہے"۔ سو اگر اللہ چاہے مُہر کر دے تیرے دِل پر"۔ کسی نے لکھا ہے"سو خُدا اگر چاہے تو آپ کے دل پہ بند لگا دے"۔ مولانا مودُودی لکھتے ہیں"۔ اور اگر اللہ چاہے تو تمہارے دل پر مُہر کر دے"۔ ان سب تراجم سے یہ تاثر ملتا ہے کہ نبی کے دل پر مہر لگانا مقصُود ہے۔ جس کا مفہوم دُوسری آیات کی روشنی میں (مثلاً۔ ختم اللہ علیٰ قلوبھم) ناقابل ستائش ہے اور پیغمبر کی شان کے لائق نہیں۔

اعلیٰ حضرت نے ترجمہ اس انداز سے کیا ہے کہ یہ غلط تاثر پیدا ہی نہیں ہوتا۔ آپ لکھتے ہیں۔

"اور اللہ چاہے تو تمہارے اُوپر اپنی رحمت و حفاظت کی مُہر فرما دے"۔ [1]

سورہ الرحمٰن میں ارشاد ہوتا ہے۔

"یا معشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذو،

---

[1] کنزالایمان۔ سُورہ شوریٰ۔ ص: ۲۷۰۔ مطبُوعہ چاند کمپنی لاہور

Marfat.com

من اقطار السموات والارض فانفذوا لا تنفذون الا بسلطٰن۔

اس کا ترجمہ مولانا تھانوی صاحب نے یُوں کیا ہے۔ "اے گروہ جن اور انسان اگر تم کو یہ قدرت ہے کہ آسمان اور زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو (ہم بھی دیکھیں) نکلو مگر بدون زور کے نہیں نکل سکتے (اور زور ہے ہی نہیں پس نکلنے کا وقوع بھی محتمل نہیں)

اس ترجمے سے یہ مفہوم سمجھا جاتا ہے کہ انسان زمین اور آسمان کے کرہ سے باہر نہیں جا سکتا۔ حالانکہ تسخیر قمر کا مرحلہ گذر چکا ہے۔ اور اس سے اُوپر جانے کی تیاریاں شروع ہیں۔ مولانا موصوف نے ترجمہ اس انداز میں کیا ہے جس سے قرآنی معانی کی وسعت محدود ہو جاتی ہے۔

اس کے مقابلے میں اعلیٰ حضرت بریلوی یُوں ترجمہ فرماتے ہیں۔

"اے جن و انس کے گروہ اگر تم سے ہو سکے کہ آسمانوں اور زمینوں کے کناروں سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ۔ جہاں نکل کر جاؤ گے اسی کی سلطنت ہے۔" [1]

اس ترجمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے لیئے زمین و آسمان کے اقطار سے نکلنا ممکن ہے لیکن اللہ کی سلطنت سے نکلنا ممکن نہیں۔

سورہ والضحٰے میں ارشاد ہوتا ہے۔

ووجدك ضالا فهدىٰ۔ ایک دیوبندی مترجم نے اس کے ترجمے میں لکھا ہے۔ "پایا تجھ کو راہ بھٹکتا ہُوا پھر راہ سمجھائی۔" دُوسرے صاحب لکھتے ہیں۔ "اللہ تعالیٰ نے آپ کو شریعت سے بے خبر پایا سو آپ کو شریعت کا راستہ دکھایا۔ مودودی صاحب لکھتے ہیں۔ ناواقف راہ پایا اور پھر ہدایت دی۔" یہ تینوں ترجمے عظمت نبوت کے تقاضوں کو پُورا نہیں کرتے۔ اعلیٰ حضرت نے ترجمہ اس انداز

---

[1] کنزالایمان۔ سورۃ الرحمٰن۔ ص: ۷۹۶

Marfat.com

میں کیا ہے۔ جو عظمتِ نبوّت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے اور ذوقِ سلیم بھی اسے قبول کرتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

تمہیں اپنی محبّت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی"۔[۱]

اس ترجمے کی تائید سورۂ یوسف کی اس آیت سے ہوتی ہے۔

تاللّٰہ انّک لفی ضلالک القدیم۔ خدا کی قسم آپ اپنی اسی پرانی خود رفتگی میں ہیں"۔[۲]

ضلال کا یہ مفہوم (محبّت میں خود رفتگی) نبی کی شان کے لائق ہے۔ دُوسرے تراجم عظمتِ نبوّت کی صحیح ترجمانی نہیں کرتے ان چند مثالوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ امام احمد رضا خان کا ترجمہ آپ کی علمی گہرائی تفسیر میں خداداد مہارت اور بارگاہِ الوہیت و بارگاہ نبوّت میں ان کے دلی ادب کا آئینہ دار ہے۔

اس ترجمے کی افادیت پر علماء اہلِ سُنّت نے مستقل مقالے لکھے ہیں۔ ہم نے اختصار کے پیشِ نظر اسی پر اکتفاء کیا۔

خزائن العرفان

یہ کنزالایمان پر تفسیری حواشی کا مجموعہ ہے۔ یہ تفسیری حواشی حضرت صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مُراد آبادی نے تحریر فرمائے ہیں۔ صدرالافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اختصار کو پیشِ نظر رکھا ہے اُنہوں نے عام طور پر متقدمین مفسّرین کی آراء کا حوالہ دیا ہے۔ مثلاً تفسیر ابنِ جریر، تفسیر ابنِ کثیر، تفسیر خازن، تفسیر بیضاوی، تفسیر ابوالسعود، تفسیر مدارک اور جلالین کی ہر دو شرح جمل اور صاوی سے استفادہ فرمایا ہے۔

۱۔ کنزالایمان۔ سورۂ والضحیٰ۔ ص: ۸۹۵

۲۔ کنزالایمان۔ سورۂ یوسف۔ ص: ۳۶۸

Marfat.com

خزائن العرفان پر تفسیر ماثورہ کا رنگ غالب ہے کہیں کہیں تفسیر بالمعقول کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ صدر الافاضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس انداز میں حاشیے لکھے ہیں کہ انہیں ترجمے کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو قرآنی مفہوم با آسانی واضح ہو جاتا ہے۔

اشرف التفاسیر المعروف تفسیر نعیمی

صدر الافاضل کے تلامذہ میں حضرت مولانا الحاج مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی علیہ الرحمۃ کو خصوصی مقام حاصل ہے۔ مفتی صاحب قبلہ نے تصنیف و تالیف کے میدان میں اچھا کام کیا ہے۔ آپ نے مشکوٰۃ شریف کی شرح مرأۃ لکھی اور قرآن پاک کی تفسیر نعیمی قلم بند کی۔ اس کے علاوہ جاء الحق اور شانِ حبیب الرحمٰن بھی آپ کی مؤقر تصانیف ہیں۔
حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ نے تفسیر کے شروع میں مقدمہ لکھا ہے۔ اس میں لفظ قرآن کے معانی اور اس کی وجہ تسمیہ کو تحریر کیا ہے۔ نزول قرآن پر بحث کی ہے۔ جمع و ترتیب قرآن پر تبصرہ کیا ہے۔ تفسیر، تاویل اور تحریف کا فرق بیان کیا ہے۔ تفسیر کا انداز سلیس او عام فہم ہے۔

مفتی صاحب کہیں کہیں خلاصہ تفسیر بھی بیان فرماتے ہیں۔ آپ صوفیانہ تفسیر بھی لے آئے ہیں۔ آیات کے فوائد تحریر کرتے ہیں جن سے مزید مسائل پر روشنی پڑتی ہے چنانچہ سورۂ یونس کی تفسیر میں ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ ہر شئی کا خالق اللہ ہے چاہے وہ شئی خیر ہو یا شر۔ لہٰذا معتزلہ کا مذہب اس آیت کے خلاف ہوا اور مذہب اہلِ سنت برحق ہے۔ اسی طرح "افانت تکرہ الناس حتّٰی یکونوا مؤمنین" سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"دین اسلام خوش اخلاقی اور محبّت سے پھیلا نہ کہ تلوار سے"۔ کتنے متعصب

Marfat.com

اور احمق ہیں وہ عیسائی جو اپنی کتابوں اور تعلیم گاہوں میں سکولوں کالجوں میں جھوٹی بناوٹی تاریخوں میں یہی بتاتے ہیں کہ دینِ اسلام تلوار سے پھیلا۔ حالانکہ آیت کریمہ۔ افانت تکرہ الناس فرما کر زبانی جبر سے بھی منع فرمایا گیا۔" [1]

آیات کے ذیل میں نحوی تفسیر بھی لکھتے ہیں۔ جس سے آیت قرآنی سے متعلق نحوی مسائل کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ مثلاً سورہ یونس کی آیت۔ قل یایھا الناس ان کنتم فی شك من دینی فلا اعبد الذین تعبدون من دون اللہ ولکن اعبد اللہ الذی یتوفکم کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

" قل کا فاعل نبی کریم ہیں - یا حرف ندا ہے۔ ایّھا فاصلے کے لیے ہے کیونکہ بقاعدہ نحوی منادی معرف باللام ہے تو فاصلہ ضروری ہے تاکہ اعراب قائم رہے۔ جہاں کہیں فقط ایّہ ہو جیسا کہ السّلام علیك ایھا النبی وہاں بوجہ قرینہ صرف یا، پوشیدہ ہوتا ہے۔ الناس جمع ہے انسان کی۔ منجد والے عیسائی نے انسان کی جمع اُناس لکھی ہے وہ اس کی جہالت ہے۔" [2]

مفتی صاحب علیہ الرحمۃ دوران تفسیر اُٹھنے والے اعتراضات کے جوابات بھی دیئے ہیں۔ مثلاً سورہ بقرہ کی آیت۔ ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض ولکن اللہ ذوفضل علی العالمین کی تفسیر کے ضمن میں اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں۔ پہلا اعتراض رب تعالیٰ نے فسادی لوگ پیدا ہی کیوں کئے جن پر جہاد کرنا پڑا۔

اس کا جواب بار بار دیا جا چکا کہ تمام عالم کا نظام اس طرح قائم ہے کہ اس میں

---

[1] - تفسیر نعیمی۔ جلد: ۱۱، ص: ۵۱۸

[2] - تفسیر نعیمی۔ جلد: ۱۱، ص: ۵۳۰

Marfat.com

بری بھلی چیزیں ہوں، اور بھلائی سے بُرائی مٹائی جائے۔ یہ اعتراض تو ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ رب نے بھوک پیدا ہی کیوں فرمائی جس کے لیے غذا کی حاجت ہوئی۔ یا رب نے بیماریاں کیوں بنائیں کہ ہمیں دوا کی ضرورت پڑی۔ اگر بھوک، بیماری نہ ہوتی تو عالم قائم نہ رہتا۔

دُوسرا اعتراض جنگ سے زمین بگڑتی ہے مگر یہاں فرمایا کہ جنگ نہ ہوتی تو زمین بگڑ جاتی کیوں کر دُرست ہُوا۔ جواب ایسا ہی ہے کہ کوئی ڈاکٹر کہے کہ اگر میں بیمار کا گلا ہُوا ہاتھ نہ کاٹ دیتا تو سارا ہاتھ خراب ہو جاتا۔ فسادی لوگ نوعِ انسانی کا گلا ہُوا عضو ہیں۔ ان کا رہنا سب کا بگڑنا ہے۔ جسم سے میل کچیل ناخن و بال دُور کرتے رہو تاکہ تندرستی قائم رہے۔ الی آخرہ"[۱]

مفتی صاحب نے انتہائی سادہ اور آسان انداز اختیار فرمایا ہے تاکہ اُردو دان حضرات کو مفہوم سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ حضرت مفتی صاحب نے اپنی تفسیر میں اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کنزالایمان اور صدرالافاضل کے حاشیہ خزائن العرفان کے علاوہ تفسیر کبیر، تفسیر رُوح البیان، مثنوی مولانا روم، صاوی علی الجلالین و دیگر کتب حدیث و تفسیر سے بھی استفادہ کیا ہے۔ اپنی انفرادی تحقیقات کو بھی جا بجا بیان کیا ہے جس سے تفسیر کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

البیان والتبیان

البیان ترجمۂ قرآن کا نام ہے۔ جسے غزالی زماں رازی دوراں امام اہلسنّت حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی حیات مستعار کے آخری ایّام میں مکمّل فرمایا۔

۱۔ تفسیر نعیمی۔ ج : ۲، ص : ۶۴۸

Marfat.com

البتیان ان تفسیری حواشی کا نام ہے۔ جو آپ نے اپنے ترجمہ البیان پر تحریر فرمائے۔ افسوس! تفسیر کا کام جاری تھا کہ آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

ع وما کل ما یتمنی المرء یدرکه
تجری الریاح بما لا تشتهی السفن

اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور غزالی زماں علیہ الرحمۃ کے صاحبزادگان کرام اور فاضل تلامذہ کے ذریعے اس تفسیر کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے گا۔

اہل علم حضرات سے پوشیدہ نہیں کہ علم حدیث ہو یا علم تفسیر، علم کلام ہو یا علم اصول تمام فنون میں حضرت قبلہ غزالیٔ زماں کا انداز منفرد نوعیّت کا ہوتا تھا۔ سامعین کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہبی علوم کا القاء ہو رہا ہے اور آپ اسکی تشریح فرما رہے ہیں۔

ترجمۂ قرآن مجید کے علاوہ آپ کے مقالات اور خطبات کے کچھ مجموعے شائع ہو چکے ہیں اور کچھ زیر طبع ہیں۔ ان کے علاوہ قلمی مسوّدات کی صورت میں آپ کا بہت بڑا تحقیقی کام موجود ہے جسے منظر عام پر لا کر مسلک اہلِ سُنّت والجماعت کو بڑی علمی قوت پہنچائی جا سکتی ہے۔

اعلیٰ حضرت بریلوی کے بعد آپ کا ترجمہ انتہائی جامع مدلل اور با محاورہ ہے جس سے آپکے علمی مقام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آپ نے اپنے ترجمے کی خصوصیات پر مبسوط کلام کیا ہے چنانچہ دیباچے میں تحریر فرماتے ہیں۔

" اس ترجمہ کی ایک خصوصیّت یہ ہے کہ بعض مقامات پر مضمونِ آیت کی وضاحت یا کچھ شکوک و شبہات کے ازالہ کے لئے ترجمہ کے دوران قوسین لگا کر دلائل شرعیہ اور تفاسیر معتبرہ کے مطابق مناسب الفاظ کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ تاکہ قارئین کرام مضمونِ آیت کو سمجھ لیں اور ان کے ذہن اُلجھن سے محفوظ رہیں "

آپ نے خصوصیاتِ ترجمہ کے عنوان سے چودہ خصوصیات کا ذکر کیا ہے جو البیان کے شروع میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

Marfat.com

قبلہ غزالی زماں علیہ الرحمۃ نے اس امر کا التزام کیا ہے کہ اللہ کا ترجمہ لفظ اللہ ہی سے کیا جائے کیونکہ خدا کا لفظ اپنے اندر وہ وسعت نہیں رکھتا جو لفظ اللہ میں ہے۔ چنانچہ البیان کے مقدمے میں فرماتے ہیں۔

" اسم جلالت لفظ اللہ کے معنی کی جامعیت لفظ خدا میں نہیں پائی جاتی اس لئے ہم نے ترجمہ کرتے ہوئے لفظ خدا کی بجائے اللہ ہی استعمال کیا ہے۔ پھر یہ کہ ترجمہ پڑھنے والوں کی زبان سے بار بار لفظ اللہ کا ادا ہونا ان کے لئے کثرت ثواب اور زیادتِ برکت وسعادت کا موجب ہے۔ یہ فائدہ لفظ خدا کے تلفّظ سے نہیں ہو سکتا۔"

آپ نے ترجمۂ قرآن میں دوسرے اکابر اہل سُنّت کی طرح بارگاہِ رسالت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ادب کو پوری طرح ملحوظ رکھا ہے۔

مثال کے طور پر سورہ والضحیٰ کی آیت " ووجدك ضالا فهدى کے ترجمہ میں فرماتے ہیں " اور آپ کو (اپنی محبت میں) گم پایا تو (اپنی طرف) راہ دی"۔ [1]

اسی طرح سورہ الفتح کی ابتدائی آیات کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

انا فتحنا لك فتحا مبينا ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تأخر۔ (اے حبیب) بیشک ہم نے آپ کو روشن فتح عطا فرمائی تاکہ اللہ آپ کے لئے معاف فرمادے آپ کے اگلے اور پچھلے (بظاہر) خلاف اولیٰ سب کام (جو آپ کے کمال قرب کی وجہ سے محض صورتاً گناہ ہیں۔ حقیقتاً حسنات الابرار سے افضل ہیں) [2]

بین القوسین کے اضافے سے ان شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ جو عام قاری کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ ترجمے میں تفسیر کا انداز نمایاں ہے۔ مسلک اہل سُنّت کے

---

[1] البیان فی ترجمۃ القرآن۔ ص: ۷۷۳

[2] البیان۔ ص: ۶۶۲

Marfat.com

مطابق اس طرح ترجمہ کرتے ہیں کہ ذی استعداد آدمی پُوری بات سمجھ لیتا ہے اور ساتھ ہی قواعد ترجمہ کی خلاف ورزی بھی نہیں ہوتی۔

مثال کے طور پر سورہ والنجم کے ترجمے میں فرماتے ہیں۔

"قسم ہے روشن ستارے (وجُودِ مُحمّدی) کی جب وہ (شب معراج) (عرش بریں پر عروج فرما کر) زمین کی طرف اُترا۔ تمہارے آقا نہ (کبھی) گمراہ ہُوئے اور نہ بے راہ چلے اور وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے۔ نہیں ہوتا ان کا فرمانا مگر وحی جو (ان کی طرف) کی جاتی ہے۔ انہیں سکھایا (اللہ) سخت قوتوں والے بہت زبردست نے پھر اس (اللہ) نے استوار فرمایا اس حال میں کہ وُہ (محمّد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) سب سے اُونچے کنارے (دائرہ امکان کے منتہا) پر تھے۔ پھر قریب ہُوا (اللہ محمّد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے) پھر زیادہ تر قریب ہُوا تو (محمّد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اپنے رب سے) دو کمانوں کی مقدار (نزدیک) ہُوئے بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب۔ تو وحی فرمائی اپنے عبد مقدس کو جو وحی فرمائی قلب مبارک نے اس کے خلاف نہ کہا جو (چشم اقدس نے) دیکھا۔" [1]

اس ترجمے کو غور سے پڑھنے والا پُوری تفصیل سمجھ لیتا ہے اور کمال یہ ہے کہ قواعد عربی کی رعایت میں بھی کوئی فرق نہیں آتا۔ ترجمے کا یہ انداز حضرت غزالی زماں کی علمی گہرائی اور اعلیٰ درجے کی ذہانت کا روشن ثبوت ہے۔

آپ نے بامحاورہ ترجمہ کے ساتھ قرآن کے مفہوم کو واضح فرمادیا اور بین القوسین کے اضافے سے تفسیری حقائق کی طرف اشارہ فرمادیا۔ اب ہم آپ کے تفسیری حواشی سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں جن سے آپ کے اندازِ تفسیر کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

۱۔ بسم اللہ شریف کی تفسیر کرتے ہُوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

"ذات وصفات اور اسماء وافعال الٰہیہ کی معرفت کا خزانہ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

---

[1] البیان۔ ص: ۶۸۲

Marfat.com

ہے اور نورِ معرفت سے دیکھنے والا خالق کے حسن و جمال اور اس کی مخلوق کا مشاہدہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے انیس حروف میں کرتا ہے۔ (روح المعانی جلد: ۱، صفحہ: ۶۱)

عارفین کا کہنا ہے کہ سورہ فاتحہ کے مضامین کا مجموعہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے اور پُوری بسم اللہ کا خلاصہ بائے بسم اللہ میں مضمر اور باء کی حقیقت اس کے نقطے میں پائی جاتی ہے اور اللہ کی قدرت کے آگے یہ کوئی دشوار نہیں۔ دیکھئے! عالم کبیر ایک انسان میں شامل ہے۔ اسی لئے اسے عالم صغیر کہا جاتا ہے اور انسان کی حقیقت ایک نفس انسانی میں مندرج ہے۔ ایک عظیم الشّان درخت کی پُوری حقیقت اگر ایک تخم میں پائی جا سکتی ہے تو ان تمام حقائق کا ایک نقطے میں پایا جانا کیوں ممکن نہیں؛ نیز مُرغی کے انڈے کے ایک قلیل حصّے میں پورے مُرغ کی حقیقت موجود ہوتی ہے۔

درحقیقت بائے بسم اللہ کا ہی ایک نقطہ ہے جس سے الف ظاہر ہُوا اور اس کے بعد یاء تک تمام حروفِ ہجاء اسی الف کی مختلف شکلوں سے نمودار ہُوئے اور ان حروفِ ہجاء سے ہر کلام وجود میں آیا۔"

۲۔ شرک اور توحید کے تقابل پر کلام کرتے ہُوئے فرماتے ہیں۔

"شرک توحید کی نقیض ہے اور توحید باری تعالیٰ واجب عقلی ہے اور واجب عقلی کی نقیض ممتنع عقلی ہوتی ہے لہٰذا اِلٰہ حق یعنی اللہ تعالیٰ کا نہ ہونا بھی عقلاً ممتنع ہے۔ اور اسی طرح اس کے شریک کا ہونا بھی ممتنع عقلی ہے۔ اس مقام پر بطور کلیہ یہ کہنا بھی صحیح ہوگا کہ کسی عقیدے کا شرک ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ وُہ عقیدہ شرکیہ کسی امر ممتنع عقلی کے جواز کا اعتقاد ہو۔ اس کے بغیر شرک متصوّر نہ ہوگا۔ مسئلہ توحید میں جب اِلٰہ حق کے استقلال اور استحقاق ذاتی کا اعتقاد اساس قرار پایا تو یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ مخلوق کے حق میں کسی اعتقاد یا عمل کو مطلقاً شرک قرار دینا قطعاً باطل ہے۔ خواہ وہ کسی کیلئے علم و قدرت اور اختیار و تصرّف کا اعتقاد ہو یا کسی کی تعظیم و محبت اور اطاعت و استعانت

Marfat.com

کا عمل، استقلال ذاتی کے اعتقاد کے بغیر کوئی اعتقاد یا عمل شرک قرار نہ پائے گا کسی کے حق میں علم و قدرت، سمع و بصر، اختیار و تصرف کا عقیدہ یا کسی کے لئے اطاعت یا غایت تعظیم کو اسی وقت شرک کہا جائے گا جب ان امور میں استقلالِ ذاتی کا عقیدہ پایا جائے۔ اللہ کے سوا کسی کو مطلقاً پکارنا شرک نہیں معبود سمجھ کر پکارنا شرک ہے کسی مخلوق کی اطاعت کو مطلقاً عبادت نہیں کہہ سکتے تاوقتیکہ وہ استقلال ذاتی کے اعتقاد سے نہ ہو۔ ورنہ اطاعت رسول، اطاعتِ والدین بھی شرک قرار پائے گی۔ سجدہ غایت تعظیم ہے۔ غیر اللہ کے لئے حرام ہے۔ مگر شرک نہیں جب تک کہ مسجود الیہ کے استحقاق ذاتی اور اس کے معبود ہونے کا اعتقاد نہ ہو۔"

۳- پہلے پارے میں حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا کہ انبیاء کرام سے گناہ کا صدور ممکن ہے۔ حضرت غزالیٔ زماں رحمۃ اللہ علیہ اس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"آدم علیہ السلام کی اس ظاہری لغزش کو حقیقتاً معصیت نہ سمجھا جائے اور اس بات پر غور کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت میں ٹھہرا کر ایک خاص درخت کے قریب جانے سے منع فرما دیا اور شیطان کو اختیار دے دیا کہ وہ اس ممانعت کی خلاف ورزی میں آدم علیہ السلام کی لغزش کا سبب بن جائے اور صدورِ لغزش کے بعد آدم علیہ السلام کا زمین میں خلیفۃ اللہ ہونا جو منشاء ایزدی تھا حکیمانہ طور پر پورا ہو جائے۔ ادنیٰ تامل سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے منشاء اور مراد کو متحقق فرمانے کے لئے یہ سب حکیمانہ اسباب پیدا فرمائے۔ ان اسباب میں آدم علیہ السلام کی ذات مقدسہ کے ساتھ صرف ایک ہی بنیادی سبب وابستہ ہے اور وہ ان کا نسیان ہے۔ ظاہر ہے کہ نسیان امر اختیاری نہیں اس لئے وہ فی نفسہٖ کسی معصیت اور گناہ کی بنیاد قرار نہیں پا سکتا۔ بیشک اس واقعہ میں آدم علیہ السلام کی طرف عصیان کی نسبت نصِ قرآنی میں وارد ہے۔ لیکن یہ عصیان حقیقی نہیں بلکہ محض صوری ہے۔ کیونکہ

Marfat.com

معصیت بغیر عزم کے نہیں ہوتی اور قرآن مجید ہی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد موجود ہے **فنسی ولم نجدلہ عزما** " آدم بھول گئے ہم نے ان کا عزم نہیں پایا۔ آدم علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں اور نبی معصوم ہوتا ہے اس لئے وہ معصیت حقیقیہ سے پاک ہیں۔ رہا یہ امر کہ آدم علیہ السلام نے ربنا ظلمنا کہہ کر خود اپنے ظلم کا اعتراف کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کا اپنی غیر اختیاری لغزش کو تواضع اور انکساری کی بناء پر لفظ ظلم سے تعبیر فرمانا کمال عبدیت ہے۔ جیسے ہمارا معصیت کہنا خود معصیت ہوگا۔

ان چند مثالوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت قبلہ غزالی زماں علیہ الرحمۃ کا انداز تفسیر نہایت محققانہ اور مدلل تھا آپ مشکل مسائل کو نہایت عمدہ انداز میں حل کرتے تھے فسوس یہ تفسیر مکمل نہ ہو سکی ورنہ عصر حاضر کی تفاسیر میں سب سے اعلیٰ معیار کی تفسیر تھی۔ کئی اور حضرات نے بھی دور حاضر میں تفاسیر لکھی ہیں لیکن ان کا استیعاب ممکن ہے۔ اور نہ ہمارا مقصود ہے۔

Marfat.com

حرفِ آخر

ہم نے اپنی بساط کے مطابق زیرِ نظر مقالہ میں ہر دور کی تفاسیر کا مختصر تعارف پیش کر دیا ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ مقالہ چودہ سو سالہ تفسیری کام کا تاریخی تنقیدی اور تحلیلی جائزہ ہے ہم اپنے مدعا میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں اس کا فیصلہ اہلِ علم قارئین کرام کریں گے۔ ہم اپنی اس حقیر سی کوشش کو دورِ حاضر کے مجدّد برحق، امام اہلسنت سند المحققین حضرت قبلہ پیر سیّد مہر علی شاہ الگیلانی قدس سرہٗ العزیز کے نامِ نامی و اسمِ گرامی سے منسوب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ العزیز کے وسیلۂ جلیلہ سے ہماری اِس محنت کو اپنی بارگاہ میں منظور و مقبول فرمائے۔ اور ہمیں مزید علمی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

کاتب الحروف مُشتاق احمد چشتی عفی عنہٗ
خادم الحدیث مدرسہ عربیہ انوار العلوم۔ مُلتان
۲۶ رجمادی الثانی۔ سنہ ۱۴۱۳ھ

Marfat.com

فہرست مراجع وماخذ

۱۔ القرآن المجید والفرقان الحمید
۲۔ صحیح بخاری ۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری ۔ مطبع مجتبائی۔ دہلی
۳۔ صحیح مُسلم ۔ امام مُسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری ۔ اصح المطابع۔ کراچی
۴۔ سُنن ابُوداوٗد ۔ امام ابُوداوٗد سلیمان بن اشعث سجستانی ۔ مکتبہ مصطفیٰ بابی حلبی مصر
۵۔ سُنن نسائی ۔ امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی ۔ جید برقی پریس ۔ دہلی
۶۔ سُنن ترمذی ۔ امام ابُو عیسےٰ ترمذی ۔ مطبع مجیدی کانپور
۷۔ سُنن ابن ماجہ ۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی ۔ مطبع تازیہ مصر
۸۔ المستدرک علی الصحیحین ۔ امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری ۔ مطبوعہ حیدرآباد۔ دکن
۹۔ مُسند احمد ۔ امام احمد بن محمد بن حنبل ۔ مطبوعہ حیدریہ ۔ بمبئی سن طباعت ۱۳۰۸ھ
۱۰۔ مشکل الآثار ۔ امام ابُوجعفر طحاوی مصری ۔ مطبوعہ حیدرآباد ۔ دکن
۱۱۔ مشکوٰۃ المصابیح ۔ شیخ ولی الدین ابی عبد اللہ الخطیب التبریزی ۔ قدیمی کتب خانہ۔ دہلی
۱۲۔ کتاب الجرح والتعدیل ۔ علامہ ابن ابی حاتم رازی ۔ دائرہ المعارف عثمانیہ حیدرآباد۔ دکن
۱۳۔ میزان الاعتدال ۔ حافظ شمس الدین ذہبی ۔ مطبع سعادت مصریہ

Marfat.com

۱۴۔ تہذیب التہذیب ۔ علامہ ابن حجر عسقلانی ۔مطبوعہ عبد التواب اکیڈمی ۔ ملتان
۱۵۔ لسان المیزان ۔ ابن حجر عسقلانی ۔ دائرہ معارف نظامیہ ۔حیدر آباد ۔ دکن
۱۶۔ البدایہ والنہایہ ۔ عماد الدین حافظ اسمٰعیل بن عمر بن کثیر دمشقی ۔مطبع السعادۃ ۔مصر
۱۷۔ مقدمہ تاریخ ابن خلدون ۔ علامہ حافظ اسمٰعیل بن عمر بن کثیر دمشقی ۔مطبع السعادہ مصر
۱۸۔ تاریخ الکامل ۔ ابن اثیر جزری ۔ ادارہ طباعت منیریہ ۔ مصر
۱۹۔ تذکرۃ الحفاظ ۔ حافظ شمس الدین ذہبی ۔ دائرہ معارف نظامیہ حیدر آباد ۔ دکن
۲۰۔ المنتظم فی تاریخ الامم ۔ امام ابن جوزی
۲۱۔ وفیات الاعیان ۔ علامہ ابن خلکان
۲۲۔ تاریخ بغداد ۔ خطیب بغدادی
۲۳۔ تاریخ شام ۔ مصنفہ ڈاکٹر فلپ کے ہٹی ۔ ترجمہ غلام رسول مہر
۲۴۔ مذاہب التفسیر الاسلامی ۔ گولڈ زیہر مع ترجمہ عربی و تعلیقات عبد الحلیم نجّار
۲۵۔ حسن المحاضرہ فی اخبار مصر القاہرہ ۔ علامہ جلال الدین سیوطی
۲۶-۲۷۔ ظہر الاسلام ۔ احمد امین مصری ۔ ضحی الاسلام ۔ احمد امین مصری
۲۸۔ طبقات الشافعیہ ۔ امام بہاؤ الدین سبکی
۲۹۔ طبقات المفسرین ۔ امام جلال الدین سیوطی
۳۰۔ کشف الظنون ۔ حاجی خلیفہ کاتب چلپی ۔ اصح المطابع ۔ کراچی
۳۱۔ الفہرست ۔ ابن ندیم
۳۲۔ اتقان ۔ علامہ جلال الدین سیوطی
۳۳۔ مروج الذہب ۔ امام مسعودی ۔ مؤسسہ دار الہجرت
۳۴۔ اعلام الموقعین ۔ علامہ شمس الدین ابن قیم ۔ مطبع السعادہ ۔ مصر
۳۵۔ البرہان ۔ علامہ بدر الدین زرکشی

Marfat.com

۳۶۔ المفردات ۔ امام راغب اصفہانی ۔ مطبوعہ مصطفےٰ بابی حلبی ۔ مصر
۳۷۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ ۔ حافظ ابن حجر عسقلانی
۳۸۔ لسان العرب ۔ علامہ ابن منظور افریقی ۔ مطبوعہ دار بیروت
۳۹۔ تاج العروس ۔ علامہ سیّد مرتضےٰ زبیدی ۔ مطبوعہ وھبیہ ۔ مصر
۴۰۔ طبقات ابن سعد ۔ محمّد بن سعد زہری ۔ مطبوعہ دار بیروت ۔ مصر
۴۱۔ احیاء العلوم ۔ امام محمّد غزالی ۔ مطبع مصطفےٰ بابی حلبی ۔ مصر
۴۲۔ اتحاف السادۃ المتقین شرح احیاء علوم الدین ۔ سیّد مرتضیٰ زبیدی ۔ مطبوعہ دار الفکر
۴۳۔ مقالات الاسلامیین ۔ امام ابوالحسن اشعری
۴۴۔ تبیین کذب المفتری فیما نسب الیٰ ابی الحسن الاشعری ۔ مؤرخ ابن عساکر دمشقی
۴۵۔ شرح عقائد نسفیہ ۔ علامہ سعد الدین تفتازانی ۔ محمّد سعید اینڈ سنز ۔ کراچی
۴۶۔ نبراس ۔ علامہ عبدالعزیز پرہاروی ۔ ناشر شاہ عبدالحق اکیڈمی بندیال ضلع سرگودھا
۴۷۔ الملل والنحل ۔ علامہ عبدالکریم شہرستانی ۔ مطبع مصطفےٰ بابی حلبی ۔ مصر
۴۸۔ المذاہب الاسلامیہ ۔ شیخ ابو زہرہ مصری
۴۹۔ معجم المؤلفین ۔ عمر رضا کحالہ ۔ مطبوعہ بیروت
۵۰۔ الاعلام ۔ خیرالدین زرکلی ۔ مطبع کوستاتوما ۔ سنہ ۱۹۵۴ء
۵۱۔ التاج المکلل ۔ نواب صدیق حسن خان بھوپالی
۵۲۔ الاکسیر فی احوال التفسیر ۔ نواب صدیق حسن خان بھوپالی
۵۳۔ فتح البیان ۔ نواب صدیق حسن خان بھوپالی
۵۴۔ فتح القدیر ۔ علامہ محمّد بن علی شوکانی ۔ مطبع عالم الکتب
۵۵۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ۔ اُردو ایڈیشن مقالات متعلقہ تفسیر قرآن مجید
۵۶۔ دائرہ المعارف اُردو ۔ شائع کردہ پنجاب یونیورسٹی لاہور

Marfat.com

۵۷۔ تحریم النظر فی کتاب اہل الکلام۔ مصنف علامہ موفق الدین ابن قدامہ۔ مطبوعہ لندن۔
۵۸۔ البیان والتبیین۔ علامہ جاحظ رئیس المعتزلہ
۵۹۔ منہج الزمخشری فی تفسیر القران۔ مصطفےٰ صادق جوینی
۶۰۔ تفسیر کشاف۔ علامہ جار اللہ زمخشری۔ مطبوعہ اشرفیہ۔ مصر
۶۱۔ اصول التفسیر۔ حافظ ابن تیمیہ
۶۲۔ مقدمہ الوحی المحمدی۔ سید رشید رضا۔ مطبوعہ علمی پرنٹنگ پریس لاہور
۶۳۔ مفتاح السعادۃ۔ طاش کبری زادہ۔ دائرہ معارف نظامیہ حیدر آباد۔ دکن
۶۴۔ کتاب الناسخ والمنسوخ۔ ابی جعفر النحاس
۶۵۔ الامام الصادق۔ شیخ ابو زہرہ مصری
۶۶۔ الموافقات۔ علامہ ابو اسحاق شاطبی۔ مطبع مصطفےٰ۔ مصر
۶۷۔ زاد المسیر فی علم التفسیر۔ علامہ ابن جوزی
۶۸۔ تفسیر فتوحات الٰہیہ۔ المعروف جمل علی الجلالین (شیخ سیمان جمل) مطبع حجازی قاہرہ
۶۹۔ تفسیر فتح العزیز۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی۔ مطبوعہ محمدی پریس لاہور
۷۰۔ الفوز الکبیر۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ مکتبہ خیر کثیر۔ کراچی
۷۱۔ ہمعات۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
۷۲۔ مناہل العرفان۔ علامہ عبدالعظیم زرقانی۔ مطبوعہ عیسیٰ بابی حلبی۔ مصر
۷۳۔ معانی القرآن۔ یحییٰ بن زیاد فرا نحوی۔ دارالکتب العربیہ۔ مصر
۷۴۔ تفسیر جامع البیان۔ امام ابو جعفر ابن جریر طبری۔ دار المعرفت بیروت
۷۵۔ تفسیر الجامع الاحکام القرآن۔ امام قرطبی۔ مطبوعہ قاہرہ۔ مصر
۷۶۔ تاج التراجم فی طبقات الحنفیہ۔ علامہ قاسم بن قطلوبغا حنفی
۷۷۔ تذکرۃ النوادر من المخطوطات العربیہ۔ مرتبہ سید ہاشم ندوی

Marfat.com

۷۸۔ تفسیر القرآن العظیم۔ سہل بن عبداللہ تستری
۷۹۔ تفسیر یعقوب چرخی
۸۰۔ ۸۱۔ کتاب التسہیل العلوم التنزیل۔ علامہ قاسم بن احمد الکلبی۔ تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس۔ مرتبہ علامہ مجد الدین فیروز آبادی۔
۸۲۔ تفسیر الجواہر۔ علامہ طنطاوی جوہری مصری۔ مطبع مصطفےٰ بابی حلبی۔ مصر
۸۳۔ الیواقیت والجواہر۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی
۸۴۔ الصمصام فی اصول تفسیر القرآن۔ مولانا عبدالعزیز پرہاروی
۸۵۔ ہدیۃ الرسول۔ پیر سیّد مہر علی شاہ قدس سرہ العزیز
۸۶۔ التیسیر فی علم التفسیر۔ علامہ عبدالعزیز دیرینی
۸۷۔ جواہر القرآن ۔ امام محمد غزالی
۸۸۔ تفسیر رؤفی۔ مولانا رؤف احمد مجدّدی
۸۹۔ تفسیر تنزیہہ القرآن عن المطاعن۔ عبدالجبار ہمدانی معتزلی
۹۰۔ مجاز القرآن۔ ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ
۹۱۔ الفکر الاسلامی الحدیث۔ ڈاکٹر محمد بہی مصری
۹۲۔ العروۃ الوثقیٰ۔ (مقالات سید جمال الدین افغانی)
۹۳۔ فی ظلال القرآن۔ سیّد قطب شہید مصری
۹۴۔ الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند۔ مولانا عبدالحیٰ حسنی
۹۵۔ نزہۃ الخواطر۔ مولانا عبدالحیٰ حسنی۔ نور محمد کارخانہ تجارت کتب۔ کراچی
۹۶۔ مسلمانوں کی سیاسی تاریخ۔ ڈاکٹر حسن ابراہیم
۹۷۔ سیر اعلام النبلاء۔ علامہ شمس الدین ذہبی
۹۸۔ معارف القرآن۔ مسٹر غلام احمد پرویز

Marfat.com

۹۹۔ قرآن اور علم جدید ۔ ڈاکٹر رفیع الدین
۱۰۰۔ بیان القرآن ۔ مسٹر محمدؐ علی لاہوری
۱۰۱۔ غایۃ البرہان ۔ محمد حسن امروہوی
۱۰۲۔ الطاف الرحمٰن بتفسیر القرآن ۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی
۱۰۳۔ تفسیر مراح لبید ۔ شیخ محمدؐ نووی
۱۰۴۔ اکلیل فی استنباط التنزیل ۔ علامہ جلال الدین سیوطی
۱۰۵۔ فنون الافنان فی علوم القرآن (عکسی فوٹو) علامہ ابن جوزی
۱۰۶۔ امام رازی (سوانح عمری) علامہ عبدالسلام ندوی
۱۰۷۔ کنز العمال ۔ علامہ علی المتقی (ہندی)
۱۰۸۔ فتح الباری شرح بخاری ۔ علامہ ابن حجر عسقلانی ۔ مکتبہ سلفیہ
۱۰۹۔ عمدۃ القاری شرح بخاری ۔ علامہ بدرالدین عینی
۱۱۰۔ تفسیر ضیاء القرآن ۔ جسٹس پیر کرم شاہ ازہری ۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز ۔ لاہور
۱۱۱۔ تفسیر القرآن ۔ سرسید احمد خان ۔ مطبع گلزار محمدی لاہور
۱۱۲۔ مجموعہ مقالات ۔ سرسید احمد خاں ۔ مجلس ترقی ادب لاہور
۱۱۳۔ الحیوان ۔ جاحظ معتزلی ۔ مطبوعہ مصطفےٰ بابی حلبی مصر
۱۱۴۔ تفسیر لباب التاویل ۔ علامہ علاؤالدین خازن
۱۱۵۔ مثنوی ۔ مولانا جلال الدین رومیؒ
۱۱۶۔ نفحات الانس ۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی
۱۱۷۔ المرشد الوجیز فی تفسیر القرآن العزیز ۔ علامہ ابوشامہ مقدسی
۱۱۸۔ تفسیر مجمع البحرین و المطلع البدرین ۔ علامہ جلال الدین سیوطی ۔
۱۱۹۔ تاویل مشکل القرآن ۔ علامہ عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری

Marfat.com

۱۲۰۔ القرآن والعلوم العصریہ ۔ شیخ طنطاوی جوہری ۔ مطبع مصطفےٰ بابی حلبی ۔ مصر
۱۲۱۔ عجالہ بر دو سالہ ۔ مرتبہ مولانا محمدؒ غازی گولڑوی
۱۲۲۔ کتاب التفسیر ۔ امام سفیان ثوری ۔ ہندوستان پرنٹنگ پریس لاہور
۱۲۳۔ فتوحات مکیّہ ۔ شیخ محی الدّین ابن عربیؒ ۔ مطبوعہ بیروت
۱۲۴۔ سوانح ابن عربی ۔ ڈاکٹر محسن جہانگیری ۔ ایران
۱۲۵۔ ملفوظات مہریہ ۔ حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑویؒ
۱۲۶۔ فتوحات صمدیہ ۔ حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑویؒ
۱۲۷۔ تفسیر مفاتیح الغیب ۔ امام فخرالدین رازیؒ
۱۲۸۔ تفسیر انوار التنزیل ۔ قاضی ناصرالدین بیضاویؒ ۔ مطبع مجتبائی دہلی
۱۲۹۔ تفسیر مدارک التنزیل ۔ علّامہ ابوالبرکات نسفیؒ ۔ مطبوعہ عیسےٰ بابی حلبی
۱۳۰۔ تفسیر درمنثور ۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ ۔ مطبوعہ قُم ایران
۱۳۱۔ تفسیر ارشاد العقل السلیم الیٰ مزایا کتاب الکریم امام ابوسعود ۔ ترکی
۱۳۲۔ تفسیر روح البیان ۔ علاّمہ اسمٰعیل حقیؒ ۔ مکتبہ عثمانیہ درسعادت
۱۳۳۔ رُوح المعانی ۔ علامہ شہاب الدین آلوسی بغدادیؒ ۔ مکتبہ امدادیہ ۔ ملتان
۱۳۴۔ تفسیر المنار ۔ سیّد رشید رضا ۔ مطبوعہ مصر ۔ تیسرا ایڈیشن
۱۳۵۔ تفسیر البحر المحیط ۔ علامہ ابوحیان اندلسی ۔ مطبوعہ ریاض سعودی عرب
۱۳۶۔ تفسیر معالم التنزیل ۔ امام محی السنۃ بغوی
۱۳۷۔ تفسیر غرائب القرآن ۔ علامہ نظام الدین نیشاپوری ۔ مطبوعہ مصطفےٰ بابی حلبی ۔ مصر
۱۳۸۔ تفسیر تبصیر الرحمٰن ۔ شیخ علی بن احمد مہائمی
۱۳۹۔ تفسیر شیخ اکبرؒ ۔ محی الدّین ابن عربیؒ ۔

Marfat.com

۱۴۰۔ تفسیر عرائس البیان۔ علامہ روزبہان باقلیؒ

۱۴۱۔ تفسیر السراج المنیر۔ علامہ خطیب شربینیؒ۔ لکھنؤ منشی نولکشور

۱۴۲۔ کنزالایمان۔ ترجمہ قرآن بعیدہ اعلیٰ حضرت بریلویؒ۔ مطبوعہ چاند کمپنی لاہور۔

۱۴۳۔ تفسیر خزائن العرفان۔ علامہ نعیم الدین مرادآبادی۔ مطبوعہ چاند کمپنی لاہور

۱۴۴۔ اشرف التفاسیر۔ مفتی احمد یار خان صاحب گجراتیؒ

۱۴۵۔ البیان والتبیان۔ حضرت علامہ احمد سعید شاہ صاحب کاظمیؒ۔ ناشر کاظمی پبلی کیشنز۔ ملتان

۱۴۶۔ تفہیم القرآن ۔ مولانا مودودی

۱۴۷۔ ترجمان القرآن ۔ ابوالکلام آزاد

(اور بہت سی تفاسیر جن کے نام درج نہیں ہو سکے)

تمت بالخیر

مشتاق احمد چشتی

Marfat.com

خوشخبری

امام اہلسنت غزالی زماں رازیٔ دوراں حضرت علامہ
سید احمد سعید کاظمی نور اللہ مرقدہٗ

— کی —

مایہ ناز تفسیر

التبیان

— کا —

اوّل پارہ جلد منظر عام پر آرہا ہے۔

(۲)

مقالاتِ کاظمی

حصہ چہارم

بزم سعید مدرسہ اسلامیہ انوار العلوم ملتان کی جانب سے
عنقریب منظر عام پر آرہا ہے۔

مقالاتِ کاظمی کے تمام حصوں کے جملہ حقوق محفوظ کرائے گئے
ہیں لہٰذا کسی پبلشر کو ان کی اشاعت کی اجازت نہیں۔

Marfat.com

اہلسنت کے لیے عظیم خوشخبری

ترجمہ القرآن

البیان

مترجم

امام اہلسنت غزالی زماں رازی دوراں

حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی

رحمۃ اللہ علیہ

منظر عام پر آچکا ہے

تعارف

مدرسہ اسلامیہ انوار العلوم میں حضرت علامہ صاحبزادہ سید ارشد سعید شاہ صاحب کاظمی کی سرپرستی میں "بزم سعید" کے نام سے دینی طلباء کی انجمن کام کر رہی ہے۔ اور علمی و دینی موضوعات میں متعدد رسائل وقتاً فوقتاً شائع کیے جاتے ہیں۔ تبلیغ کے لیے متعدد شہروں اور محلوں میں تبلیغی جلسے منعقد کیے جاتے ہیں اور طلباء کی تقریری صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے ہر جمعرات تقریری پروگرام منایا جاتا ہے جس میں طلباء عربی، فارسی، اردو، پشتو اور سرائیکی میں تقریریں کرتے ہیں۔ اور احقاقِ حق و ابطال کے لیے مستعد رکھنے کے لیے مذاکروں و مباحثوں کے پروگرام ترتیب دیے جاتے ہیں۔

اراکین بزم سعید ✱ انوار العلوم ✱ کچہری روڈ۔ ملتان

Marfat.com

Marfat.com

مکتبہ کی دیگر مطبوعات

ناشر

مکتبہ مہریہ کاظمیہ نزد جامعہ انوار العلوم نیو ملتان۔

061-4560699, 0304-6123162

Marfat.com